ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ

تفسیر

بیانُ السُّبحانُ

کا

پارۂ نمبر

الٓمٓ

از

فاضل اجل حضرت مولینا سید عبد الدائم جلالی

وہ تفسیر جو رسالہ مولوی دہلی میں سنہ ۱۳۵۶ھ سے باقساط برابر ہر ماہ شایع ہو رہی ہے

ناظرین مولوی کے بے حد اصرار پر

بصورتِ پارہ

خان عبد الحمید خان مدیر مجلہ ماہانہ مولوی دہلی

نے برائے اشاعت معارف و رموز قرآن

و ترغیب مزید اشاعت قرآن صاحب الخیر والایمان۔ بہ ہدیہ لاگت طباعۃ و کاغذ وغیرہ مجلد ۱۴ر

اپنی حمیدیہ پریس دہلی میں چھپوا کر شایع کیا

थोड़ा २ काम करने से बहुत हो सकता है।

Wednesday 23 September 1953 मौहर्रम १४

२३ सितम्बर बुधवार जैन भादों सुदी पूर्णमाशी
भादों सुदी पूर्णमाशी सं० २०१० प्र० ८ असौज
सू० उ० ६-६ सू० अ० ६-१७ दि० ३०-५

उत्तरा भाद्रपद नक्षत्र ५३-३६ पल मीन के चन्द्रमा

अपने देश से प्रेम करो।

Friday 4 September 1953 जिलहिज २४

४ सितम्बर शुक्रवार जैन भादों बदी १२
भादों बदी ११ सं० २०१० प्र० २० भादों
सू० उ० ६-१ सू० अ० ६-३८ दि० ३१-१६

पुनर्वसु नक्षत्र २१-१३ पल कर्क के चन्द्रमा ५-४५ पल

ضروری گذارش

تفسیر بیان السبحان جو مولوی میں چودہ سال سے باقساط شائع ہو رہی ہے اس درجہ مقبول ہے۔ کہ جو بھائی تفسیر شائع ہونے کے چند سال بعد خریدار مولوی ہوئے وہ گذشتہ تفسیر کے حاصل کرنے کے لئے بے قرار ہو گئے اور چونکہ علیحدہ کتابی صورت میں نہ تھی اور مولوی کے لئے خاص طور سے لکھوائی جاتی تھی۔ اس لئے ایسے بھائیوں کے لئے گذشتہ تفسیر کی فراہمی ناممکن تھی۔

گو دس پارے پورے ہونے کے بعد خیال آیا۔ کہ دس پارے ہی کتابی صورت میں شائع ہو جائیں۔ کہ لوگ آسودگی کے ساتھ تلاوت تفسیر کر لیں۔ لیکن جنگ کی ہولناک گرانی نے یہ منصوبہ پورا نہ ہونے دیا۔ اس کے بعد دن دن ابتری زیادہ ہوتی رہی۔ اور ۴۷ء کے خونیں انقلاب اور مالی تباہی سے یہ تصور بھی مشکل تھا۔ کہ تفسیر بیان السبحان کبھی کتابی صورت میں آسکے گی۔

اب لادینی حکومت میں مسلمانوں کے لئے فرداً فرداً قرآن و اسلام کی حفاظت فرض عین ہو گئی اور مولوی نے اس کام کو جدید انداز میں شروع کیا۔ تو بعد با مخلص ناظرین مولوی نے مشورہ دیا۔ کہ تفسیر بیان السبحان معلومات قرآنی کے سلسلہ میں سب سے بہتر تفسیر ہے اور آج سب سے زیادہ مسلمانوں کو قرآن کے نزدیک لانے کی ضرورت ہے اس لئے شائع شدہ تفسیر کتابی صورت میں لانی اشد ضروری ہے

اپنی سی حالت سب کی جانتا ہوں۔ جب مجھ میں تفسیر کے پانچ پارے یکجا چھاپنے کی سکت نہیں تو میرے بھائیوں میں اس کے خریدنے کی قدرت بھی مجھ سے کم ہو گی۔ لہٰذا یہ طے ہوا کہ پارہ پارہ شائع ہو ایک پارہ جب ہدیہ ہو جائے تو اس کی قیمت سے دوسرا پارہ چھاپ لیا جائے کاغذ کی خصوصاً۔ اور دوسری گرانیوں کے پیش نظر پانچ صفحوں پر ایک پیسہ لاگت آتی ہے اس لئے ہر پارہ کا ہدیہ ایک پیسہ کے ۴ صفحہ ہو گا۔ باقی نفع میں جلد بن جائے گی یہ پارہ ۲۲۴ صفحہ کا ہے اس کا ہدیہ ۴ار مجلد ہے۔ اب آگے چھپوانا آپ کا کام یہ اڈیشن خرید لیں تو دوسرا پارہ چھپے

تفسیر بیان السُّبحان

معارفِ لوحِ محفوظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بندۂ خدا دائم جلالی عفی عنہ کہتا ہے کہ علمِ تفسیر تمام علوم کا سرتاج مقصودِ کل رأس المال اور غرضِ اصلی ہے۔ اسی پر کمال ایمان اور معرفتِ الٰہی موقوف ہے۔ تمام علوم کے حاصل کرنے سے مسلمان کی اصلی غرض یہ ہے کہ کتابِ الٰہی کی سمجھ اور دانش پیدا ہو جائے تاکہ صحیح عقائد، حق معارف، محاسنِ اخلاق، اعمالِ صالحہ اور ادائے حقوق کی صحیح تعلیم حاصل ہو کر انسان کو فلاحِ دارین اور قربِ الٰہی نصیب ہو جائے اور رحمتِ الٰہی نصیب ہو جائے جسم صاف، روح پاکیزہ، خیالات صحیح، جذبات صادقہ اور وجدانیات میں راستی و درستی پیدا ہو جائے اور رحمتِ الٰہی شاملِ حال ہو کر ایک ظلوم و جہول انسان کا دین و دنیا میں بیڑا پار کر دے۔ لیکن علمِ تفسیر اور صحیح تعلیمِ قرآن صرف علمِ نبوت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ سرورِ دو عالم کی ذات بابرکات ہی کتاب و حکمت کی تعلیم دینے والی تزکیۂ اخلاق کرنے والی اور لوگوں کو تاریکی سے روشنی میں لانے والی تھی۔ عرب ایک بے آب و گیاہ ملک تھا، نہ نہروں کی شادابی تھی۔ نہ دریاؤں کی تر و تازگی، نہ زراعت نہ سبزی، خارزار ریگستان تھا، پتھر اور

ربیت تھا۔ پھر اس پر باشندگانِ عرب کی فلاکت اور نکبت اسباب معیشت کی تنگی، اخلاق کی پستی، کل قوم خانہ بدوش، ذری ذری سی بات پر جنگ وجدال کرنے والی معمولی سی بات پر آدمی کے عزیز ترین خون کو جانوروں کے خون سے ارزاں سمجھنے والی۔ قومی جرگہ کمزور کو کھا جاتا تھا۔ بتوں کی پرستش اور شیطانی اوہام میں کل باشندگانِ مُلک گرفتار تھے۔ جنوں سے فریاد کی جاتی تھی۔ بھوتوں پریتوں کی منتیں مانی جاتی تھیں۔ شعر وشاعری پر ناز تھا۔ ڈھال تلوار سے ایک دوسرے کی تواضع تھی۔ لیکن بایں ہمہ خدائے حکیم نے اس قوم میں عمدہ فضائل اور شمائل کریمہ کا مادہ بھی مدفون کر دیا تھا۔ صدقِ طینت، وفاءِ عہد اور شرافتِ ذاتی کے ایسے جواہر بے بہا اُن کے اندر موجود تھے کہ اولاد اسمٰعیل کے ایک گروہ افراد میں کسی کا نسب مخلوط اور غیر جا نہ تھا۔ کون نہیں جانتا کہ معدنِ جواہر سے جو خاک آلود جواہر اور زر ریزے برآمد ہوتے ہیں وہ مٹی کے ٹھیکروں سے جن پر چینی کا رنگ پالش کر دیا گیا ہو۔ بہر حال بہتر ہوتے ہیں۔

اس وقت روم وفارس کی قومیں اپنی نفیس پوشاک، صاف ستھرے چو منزلہ اور پنج منزلہ عمارات اور راحت وآرام کے تمام اسباب کی فراہمی پر نازاں تھیں۔ لیکن سُور کے کان میں ریشم کا ڈورا باندھنے یا کتے کی گردن میں جواہر کا پٹہ باندھنے سے کیا حاصل۔ عرب اُسی پست ترین حالت میں گدڑی کے لعل تھے مُعلّم جہلا نے جب اپنی ہدایت وارشاد سے نورِ ایمان اور روشنیِ معارف سے آراستہ کیا تو اُس وقت جوہر ذاتی کا ظہور ہوا اور چند سال کی مدت میں تمام محاسن اخلاق سے آراستہ ہو کر کل عالم کے لئے ہادیِ کامل بن گئے۔ یہ انہی کے نفوس قدسیہ کی کوششوں کا طفیل ہے کہ ہم تک قرآن کریم پہنچا۔ اور ہم کو راہِ حق معلوم ہوئی۔ لہٰذا ہم کو انہی کی پیروی کرتے ہوئے قرآن مجید کے معارف جاننا اور کلام پاک کی تفسیر سمجھنا فرضِ قطعی ہے۔ اور چونکہ صحابۂ کرام کی تفسیریں اور علوم قرآنیہ کی تعلیم ہم تک بواسطۂ تابعین وتبع تابعین وغیرہ کے پہنچیں اور تابعین وغیرہم نے ہی صحابہ کے چراغ معرفت سے روشنی کا اقتباس کیا تھا اور انہی کے ذریعے سے اُس روشنی نے ہمارے دلوں کو منور کیا۔ اس لئے قرآن کی تفسیر سمجھنے کے لئے ہم کو انہی حضرات مؤلفین ومفسرین کی مدوّن کردہ تالیفات اور تفسیر پیشِ نظر رکھنی لازمی ہے۔ بحمد اللہ میں نے اپنی اس تفسیر کی تالیف میں اکابر ائمہ

کی تفسیروں کو پیشِ نظر رکھا ہے - اور انہی سے اقتباس کیا ہے - لیکن آیت کا مطلب بیان کرنے کے بعد دو باتوں کا اضافہ بھی کیا ہے - (۱) نکاتِ قرآنی بیان کئے ہیں - کیونکہ قرآن مجید اُس متکلم کا کلام ہے جو حکمت و فصاحت کا پیدا کرنے والا ہے - اس کا کلام تمام رموزِ حکمت و فصاحت اور نکاتِ معرفت کا سرچشمہ ہے - لہٰذا بیجا نہیں کہ ہم بقدرِ امکان غور کر کے اس کے سربستہ راز سمجھنے اور جان لینے کی کوشش کریں :

(۲) مقصود بیان بھی ہر آیت یا چند آیات کے مجموعہ کے بعد ظاہر کیا گیا ہے - تاکہ سطحی نظر رکھنے والا طبقہ جو زبانِ عربی سے واقف نہیں اس کو معلوم ہو جائے کہ کلام پاک کی اس آیت یا مجموعہ آیات سے حاصل اور نتیجہ کیا نکلا - ہم کو قرآن اس آیت میں کیا تفہیم دینی چاہتا ہے - اور ہم کو اس سے اصلاحِ عقائد و درستی اخلاق اور تکمیل انسانیت کی قوانین کا کس حد تک استنباط کرنا چاہیے - وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ؁

تفسیر شروع کرنے سے پہلے اس امر کو بھی جان لینا ضروری ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک قرأت سے پہلے تعوذ پڑھ لینا سنت ہے - کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :- فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مطلب یہ ہے کہ جب تلاوتِ قرآن کا ارادہ کرے تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ پڑھ لینا چاہیے -

تعوذ پڑھنے کے متعلق حدیث میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں - حضرت ابو سعید خدری رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھ کر نماز شروع کرتے تو اول تکبیر کہتے - پھر سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰی جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُكَ فرماتے - پھر تین بار لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے - پھر اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ پڑھتے تھے - (احمد - ابوداؤد - ترمذی - نسائی - ابن ماجہ)

حضرت جبیر بن مطعم رضؓ کی روایت اس طرح ہے کہ حضور اقدس صلعم جب نماز میں

داخل ہوتے تو تین مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا اور تین بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا اور تین وفعہ سُبْحٰنَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا فرماتے۔ پھر اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ پڑھتے تھے (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

حضرت ابو امامہ باہلی رضؓ کی روایت میں ہے کہ حضور والاجب نماز کو کھڑے ہوتے تو تین بار تکبیر کہتے پھر تین بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور تین بار سُبْحٰنَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ فرماتے پھر ایک بار اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ فرماتے تھے (احمد)

اس کے علاوہ اور بہت احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ قرأت قرآن سے قبل تعوذ پڑھنا سنت ہے۔

تعوذ پڑھنے میں ایک نکتہ عقلی یہ ہے کہ جو کچھ آدمی منہ سے لغو اور بیہودہ کلمات بکتا ہے اس سے منہ کی طہارت ہوجاتی ہے۔ پھر اس میں خدائے برتر سے استعانت، قدرت کاملہ کا اظہار اور اپنی عاجزی کا اقرار بھی ہے۔ اور اس بات کا صریحی اقبال ہے کہ مجھکو اس دشمن باطنی یعنی شیطان سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ میں اس کے مقابلے کے لئے تجھسے پناہ جوئی کرتا ہوں۔ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ میرے دل کو اس خبیث دشمن سے محفوظ رکھ تاکہ میرا قلب مردہ نہ ہوجائے۔ کسی دوسرے کافر دشمن کا مارا ہوا شہید ہوتا ہے۔ لیکن اس مردود دشمن کا مارا ہوا مردود ہوتا ہے۔ بس تیری ہی پناہ کا خواستگار ہوں۔ اب میں خدا سے مدد کی خواستگاری کرکے تفسیر شروع کرتا ہوں۔

قرآن مجید کے اسمائے صفتی

قرآن۔ وحی۔ عربی۔ علم۔ حق۔ عجب۔ صدق۔ مجید۔ زبور۔ نذیر۔ بلاغ۔ امر۔ صحف۔ مثانی۔ فصل۔ قیم۔ حبل۔ حکیم۔ علی۔ ذکر۔ شفاء۔ رحمۃ۔ نور۔ کلام مبین۔ کتاب کریم۔ ہدی۔ فرقان۔ موعظۃ۔ مبارک۔ حکمۃ بالغۃ۔ مھیمن۔ قول۔ نباء عظیم۔ تنزیل۔ احسن الحدیث۔ متشابہ

مرفوعۃ ۔ مطہرۃ ۔ مکرمۃ ۔ قصص ۔ عزیز ۔ الخیر ۔ بشریٰ ۔ منادی ۔ عدل ۔ تذکرہ ۔ ھادی ۔ بیان ۔ بصائر ۔ روح ۔ صراط مستقیم ۔ العروۃ الوثقیٰ ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے ہے جو نہایت بخشش والا بڑا مہربان ہے

شیخ ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے بیان کیا ہے کہ سورۃ نمل کے علاوہ قرآن میں جو بسم اللہ ہے وہ جزء قرآن ضرور ہے ۔ لیکن سورۃ کا جزء نہیں ہے ۔ بلکہ ہر سورۃ کو دوسری سورۃ سے ممتاز اور جدا کرنے کے لئے ذکر کی گئی ہے ۔ ہاں سورۃ نمل میں جو اِنَّہٗ مِنۡ سُلَیۡمٰنَ وَ اِنَّہٗ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ آیا ہے وہ سورۃ کا جزء ہے ۔ کیونکہ سنن ابوداؤد میں باسناد صحیح بروایت ابن عباس رض مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کا فصل نہیں پہچانتے تھے ۔ یہاں تک کہ آپ پر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نازل ہوئی ۔ داؤد ظاہری ، شیخ حصاص اور ابوالحسن کرخی رح کا قول ہے ۔ اور یہی مسلک امام ابوحنیفہ رح کا ہے ۔ حدیث مذکور کے علاوہ اور حدیثیں بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جزء نہیں ہے ۔ بلکہ مستقل آیت ہے مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ سورۃ فاتحہ کو اپنے درمیان اور اپنے بندے کے درمیان نصفا نصف قرار دیا ہے ۔ اس حدیث میں بسم اللہ کو شمار نہیں کیا گیا ہے اگر بسم اللہ کو سورۃ فاتحہ کا جزء قرار دیا جائیگا تو نصفا نصف تقسیم نہ ہوگی ۔ مزید براں احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم جہریہ نمازوں میں سورۃ فاتحہ جہر سے پڑھتے تھے اور بسم اللہ کو جہر سے نہ پڑھتے تھے ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بسم اللہ جزء فاتحہ نہیں ۔ ورنہ اسکی کوئی وجہ نہیں کہ ایک آیت تو سری پڑھی جائے اور باقی سورۃ جہر کیساتھ پڑھی جائے بسم اللہ کو جہر کیساتھ نہ پڑھنا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت ہے ۔ اور سفیان ثوری و امام احمد وغیرہ کا یہی مسلک ہے ۔

بسم اللہ کے فضائل نقلیہ

حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان نے رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم سے بسم اللہ کے متعلق استفسار کیا۔ حضور ؐ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اور یہ نام اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم سے اس قدر قریب ہے جیسے آنکھ کی سفیدی اور سیاہی میں قرب ہے (ابن حاتم و ابن مردویہ)

حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عیسیٰ بن مریم کو اُن کی والدہ نے مُعلّم کے سپرد کیا۔ مُعلّم نے حضرت عیسےٰؑ سے کہا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا بسم اللہ کیا چیز ہے؟ معلم نے کہا مجھے علم نہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا ب سے مراد بہاءِ الٰہی ہے۔ اور س سے سناءِ الٰہی۔ اور م سے مملکت الٰہی۔ یعنی اللہ سب کا معبود و مالک ہے۔ دین و دنیا میں کافروں اور مسلمانوں پر رحم کرنے والا۔ اور آخرت میں صرف مسلمانوں پر رحیم ہے (ابن جریر ابن مردویہ)

حضرت بریدہ رضؓ کی روایت میں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے۔ جو سوائے سلیمان علیہ السّلام کے کسی پیمبر پر نازل نہیں ہوئی اور وہ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ہے۔

حضرت ابنِ مسعود رضؓ کا قول ہے کہ جو شخص انیس ۱۹ زبانیہ یعنی عذاب کے فرشتوں سے بچنا چاہتا ہو تو بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ پڑھا کرے تاکہ بسم اللہ کے ہر حرف کی وجہ سے خدا تعالیٰ اس کو عذاب کے ایک فرشتے سے محفوظ رکھے، (اس اثر کو ابن عطیہ اور قرطبی نے ذکر کیا ہے)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو مہم کام بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جاتا ہے وہ ناقص و ناتمام رہتا ہے یعنی اس میں برکت نصیب نہیں ہوتی۔ اگرچہ وہ بظاہر مکمل ہوتا ہے (ابنِ ماجہ و اربعین رُہاوی و ابن صلاح و نووی وغیرہ)

بسم اللہ کا مطلب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ؕ کا مطلب یہ ہے کہ میں اُس خدا سے

بزرگ کا نام لے کر شروع کرتا ہوں ۔ جو تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے ۔ تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا ۔ تمام عالم کا موجد اور پیدا کرنے والا ہے ۔ واحد و یکتا ہے ۔ کیف کم مکان و زمان جگہ اور مکان سے پاک ہے ۔ اُس نے ہم کو پیدا کیا ۔ روحانی اور جسمانی نعمتیں اپنی رحمت سے عطا کیں ۔ اس کا فیض عام ہے ۔ چرند پرند ۔ درند ۔ کافر ، مسلم زندیق و موحد سب اس کے خوان کے پروردہ ہیں لیکن آخرت میں اس کی نعمتوں سے فیضیاب ہونے والے اور رحمتِ عامہ سے فائدہ اٹھانے والے صرف موحد خدا پرست اور مسلمان ہونگے کافروں کو اُس روز اُس کے دامنِ رحمت میں پناہ ملیگی ؛

نکات :۔ (۱) جس طرح ذاتِ خدا با برکت ہے اُسی طرح اس خدائے قدوس کا نام بھی متبرک ہے ۔ اسی وجہ سے باللہ نہیں کہا بلکہ بسم اللہ فرمایا ۔

(۲) اس آیت میں تین لفظ بیان کیے ہیں ۔ اَللّٰہ ۔ رَحْمٰن ۔ رَحِیْم اس کا نکتہ یہ ہے کہ ہر شخص کی تین حالتیں ہوتی ہیں ۔ اوّل وہ زمانہ جبکہ اس کی روح بالکل آزاد تھی ۔ یہ جسم اور اس کا کوئی ذرہ عالمِ ہستی میں نہیں آیا تھا ۔ بلکہ عالمِ امر میں ہر شخص کی روح اس مادی کثافت سے علیحدہ شاداں و شادماں نہایت مسرت و خوشی کے ساتھ نورِ محض کے درجے پر تھی ۔ پھر یہ زمانہ آیا کہ اُس نورِ محض کو اس قفسِ عنصری اور مادی قید میں بند کر دیا گیا ، اس کے واسطے کھانے پینے کی ضروریات اور اصول وجود کے اعتبار سے تمام حوائج لازم قرار پائے ۔ سوم وہ زمانہ جبکہ مرنے کے بعد یہ روح آزاد ہوگی اور جس قدر اُس میں جسمانی کثافت اور مادی آلائش کا اثر ہوگا اتنا ہی اس پر عذاب اور قربِ الٰہی سے دوری ہوگی ۔ یہ تین حالتیں ہر انسان کی ہیں ۔ پہلے لفظ اللہ میں اس طرف اشارہ ہے ۔ کہ خدا تمام موجود کو معدوم کرنے والا اور نیست کو ہست کرنے والا ہے ۔ اس کی ذات تمام عیوب سے پاک ہے ۔ کسی قسم کا نقصان اور خرابی اس کی ذات جامع صفات میں نہیں ہے اس کے بعد لفظ رحمٰن ذکر کیا اس سے یہ مراد ہے کہ خدا سے برتر جس طرح عالم کا خالق اور موجد ہے ۔ اسی طرح تمام عالم کا بقا ہے میں بھی

اُسی کا محتاج ہے۔ وُہ دنیا کے ہر ذرہ کی پرورش کا ذمہ دار ہے۔ اس کے دامن رحمت میں کائنات عالم کے ہر فرد کو پناہ دینے کی گنجائش ہے۔ اس کی رحمت عامہ جس طرح آسمانوں پر ہے اُسی طرح زمین کے نیچے بھی ہے۔ قعر سمندر کے اندر چھوٹا سا آبی جانور جس طرح اس کے خوانِ کرم سے بہرہ اندوز ہے اسی طرح پہاڑوں کی سب سے اونچی چوٹیوں پر بھی کوئی ہستی اس کے کرم سے محروم نہیں۔ کافر بھی اُسی کے خرمن کا خوشہ چیں ہے۔ اور مسلمان بھی اسی کا دست نگر۔ پھر تیسرے درجے پر لفظ رحیم ذکر کیا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں یعنی اس مادی زندگی کے بعد بھی لوگ اس کے محتاج ہوں گے۔ وہاں بھی اس کی رحمت ان کے شامل حال ہوگی۔ توحید پرست طبقہ وہاں بھی اس کے کرم سے فیضیاب ہوگا۔ اپنے بندوں کی فروگذاشتیں اور لغزشیں وہی معاف فرما کر اپنے قرب میں جگہ عنایت فرمائے گا۔

(۳) عموماً دُنیا کا دستور ہے اور ایک عام رواج ہے کہ کسی کی فرمانبرداری اور اطاعت گذاری کرنے کے صرف دو اسباب ہوتے ہیں یا تو اس کی طرف سے تکلیف وضرر رسانی کا اندیشہ ہوتا ہے جو اطاعت گذاری پر مجبور کرتا ہے یا اس سے کوئی لالچ اور حصول منافع کی طمع وابستہ ہوتی ہے جو فرمانبرداری کا باعث ہوتی ہے اور اگر دونوں باتیں یعنی طمع وخوف کٹھی ہوں تو وہاں فرمانبرداری کے ساتھ محبت بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ صرف خوف وحشت و نفرت کا سبب ہے اور محض امید وجرأت وبے باکی کا ذریعہ ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے جلالِ ذاتی سے ڈرانا اور رحمت صفاتی کا امیدوار بنانا چاہتا ہے۔ لفظِ اللہ کے ذکر کرنے سے جلال جبروتی اور ہیبت غیر متناہی کا اظہار مقصود ہے اور رحمٰن ورحیم سے ترغیب وطمع کی طرف اشارہ ہے۔ اور ان تینوں کے مجموعہ کے ذکر کرنے سے یہ مطلب ہو گیا کہ بندہ کو خداوند تعالیٰ سے خوف وامید رکھ کر خلوصِ دل سے خدا تعالیٰ کی محبت فطری اپنے دل میں رکھنی چاہیئے اور درجہ بدرجہ ترقی کرکے عشق ومحبت کے درجے پر پہنچنا چاہیئے۔

(۴) دنیا میں انسان دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ خالص محبت رکھنے والا طبقہ جو بغیر کسی خوف ولالچ کے صرف خدائے قدوس کا نام سُن کر خیالات ماسوا

اپنے دماغ سے نکال دیتا ہے - اور بلا لحاظ رحمت و غضب صرف محبتِ ذاتی اس کو اطاعت الٰہی پر مجبور کرتی ہے - بلکہ احساس محبت بھی اس کو نہیں رہتا - صرف محویت اور فنائی الذات ہی اس کے ذوق کے لئے کافی ہوتی ہے - ایسے لوگوں کے لئے تو لفظِ اللّٰہ کا ذکر کافی سمجھا گیا - کیونکہ اللّٰہ اس جامع صفات ذو الجلال کی ذاتِ گرامی کا مخصوص نام ہے - جس کی ذات میں محویت و فنا عارف کا مقصود اصلی ہے - دوسرے طبقہ میں وہ انسان ہیں جو ذاتِ محض کے ساتھ محبتِ ذاتی نہیں رکھتے - بلکہ ان کی محبت صفاتی ہوتی ہے - یعنی ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نعمتوں کے حصول کی امید ہوتی ہے اور اسی وجہ سے وہ جلال کبریائی کی طرف مائل ہوتے ہیں - اس طبقے کے لئے لفظ رَحْمٰن و رَحِیْم ذکر کیا گیا ہے -

(۵) رحمت کے دو حصے یا دو شاخیں ہیں - اول تو یہ کہ ہر چیز کی ضروریات اور حاجات پوری کر دی جائیں - اسباب حیات و بقاء حیات مہیا کر دیئے جائیں - جو جو مرغوب اشیاء ہیں وہ اس کو دیدی جائیں -

دوسری وہ رحمت ہے جس میں تمام مخالف اور غیر موافق اشیاء کو دور کر دیا جاتا ہے - مقصد کے خلاف جو جو امور ہوتے ہیں ان کو دفع کر دیا جاتا ہے - گویا یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ درحقیقت رحمت کبیرہ مقدم الذکر رحمت ہے - اور مؤخر الذکر رحمت صغیرہ ہے - یا رحمتِ کبیرہ کے شرائط میں داخل ہے - خدا تعالیٰ نے پہلے معنی کی طرف لفظ رَحْمٰن سے اشارہ کیا اور دوسرے معنی کی طرف لفظ رَحِیْم سے

مقصود بیان :- ہر چیز میں مؤثر حقیقی صرف خدا تعالیٰ ہے - اور اس کا وجود تمام عالم کے لئے موجد اور علت بقاء ہے - خدا تعالیٰ نے ہی تمام عالم کو پیدا کیا ہے - وہی تمام عالم کی ہستی و نیستی کا مالک ہے اس میں کوئی عیوب و نقصان نہیں - وہ تمام عالم پر رحم کرنے والا ہے - مسلمان کو ہر کام میں اسی کا نام برکت کے لئے لینا چاہیے اس سے ہر کام میں مدد کی التجا کرنی چاہیے - خدا تعالیٰ کا مخلوق کے پیدا کرنے سے کوئی ذاتی فائدہ نہیں - بلکہ مخلوق کو پیدا کرنا اور عمر طبعی تک پہنچانا، اس کے رحم و شفقت

کا ایک مظاہرہ ہے - انسانوں کو چاہیئے کہ ایک دوسرے پر رحم کریں - غریبوں پر اور امیر، مظلوموں پر حاکم، بیکسوں پر بادشاہ مہربانی کریں - اگر کسی کو فائدہ پہنچائیں تو عوض ملنے کی امید نہ رکھیں - بلکہ محض خوشنودیٔ خدا کے لیئے صفت رحم کو کام میں لائیں - خدا تعالیٰ کے جلال کبریائی سے خوف کرنا اور جمالِ صفاتی کی امید رکھنی چاہیئے خدا کو واحد یکتا جامع صفات کمالیہ جاننا اور صفات نقصان سے پاک ہونا چاہیئے وغیرہ

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَفِيْهَا رُكُوْعٌ وَّاحِدٌ

سورۂ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں ایک رکوع ہے

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی - اس میں سات آیات ۲۵ کلمات اور ۱۲۶ حروف ہیں - سورۂ فاتحہ کے اسماء حسب ذیل ہیں:-

سورۂ الحمد - ام الکتاب - فاتحۃ القرآن - السبع المثانی - وافیہ شافیہ - رقیہ - نور - سورۃ الصلوٰۃ - سورۃ السوال - سورۃ تعلیم المسئلۃ - سورۃ الحمد الاولیٰ - سورۃ الحمد القصریٰ - سورۃ المناجاۃ سورۃ التفویض - سورۃ الدعاء - الصلوٰۃ - الکنز - الشفاء - کافیہ - اساس سورۃ الشکر - ام القرآن - قرآن عظیم

فضائل سورۂ فاتحہ

امام احمد امام بخاری - ابوداؤد - نسائی اور ابن ماجہ نے بروایت ابوسعید بن معلی بیان کیا ہے کہ ایک روز میں نماز پڑھ رہا تھا - یکایک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی - میں نماز تمام کر کے خدمتِ گرامی میں حاضر ہوا - ارشاد فرمایا - ابوسعید تمھارے لیئے حاضری سے کونسا امر مانع ہوا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا - فرمایا کیا خدا تعالیٰ نے تم کو میرے حکم کی تعمیل کے وجوب کے لیئے ارشاد نہیں فرمایا ہے - يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ

پھر فرمایا مسجد سے باہر جانے سے قبل میں تم کو قرآن کی اعظم سورۃ بتاؤں گا۔ اس کے بعد حضور والا میرا ہاتھ پکڑے ہوئے باتیں کرتے چلے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ حضور صلے نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں تجھ کو قرآن کی ایک بزرگترین سورۃ بتاؤں گا۔ فرمایا ہاں وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھ کو عطا ہوا ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ لیکن اس میں اتنا زائد ہے کہ حضور صلے نے فرمایا میں تجھ کو ایسی سورت بتاؤں گا جس کی مثل توریت انجیل بلکہ قرآن بھی نازل نہیں ہوئی۔

امام احمد نے حضرت جابرؓ کی روایت نقل کی ہے۔ جابرؓ فرماتے ہیں ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ اس وقت پیشاب سے فارغ ہوئے تھے۔ میں نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ۔ حضور صلے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے دوبارہ کہا السلام علیک یا رسول اللہ۔ حضورؐ نے پھر بھی جواب نہیں دیا۔ میں نے سہ بارہ پھر یہی عرض کیا۔ پھر بھی آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر حضورؐ ایک طرف کو چل دیے۔ میں پیچھے پیچھے ہو لیا۔ حضورؐ مکان میں پہنچکر اندر تشریف لے گئے۔ اور میں مغموم مسجد میں آکر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں سرکار والا طہارت کر کے باہر تشریف لائے اور فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ پھر فرمایا جابر! کیا میں تجھ کو قرآن کی بزرگترین سورۃ بتاؤں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہؐ ضرور فرمایئے ارشاد فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھا کرو۔

شانِ نزول شروع شروع جب سیدنا و مولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحرا کی جانب تشریف لیجاتے تو یا محمدؐ کی آواز کان میں آتی حضورؐ اوپر نظر اٹھا کر دیکھتے تو زمین و آسمان کے بیچ میں معلق تخت جس پر ایک نورانی شخص بیٹھا ہوا نظر آیا کرتا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر حضورؐ خوف زدہ ہو کر

واپس آجایا کرتے تھے۔ چند بار ایسا ہونے پر حضورؐ نے سارا قصہ حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل سے جو توریت کے ماہر اور زبردست عالم تھے ذکر کیا۔ ورقہ نے تسلی دے کر کہا کہ اے محمدؐ! تم خوف نہ کرو۔ بلکہ کان لگا کر سنو کہ وہ کیا کہتا ہے۔ اس کے بعد جب حضورؐ صحرا کو تشریف لے گئے اور حسب دستور یا محمدؐ کی آواز کان میں آئی تو حضورؐ نے لبیک کہا اور سنا کہ کیا آواز آتی ہے۔ آواز آئی اے محمدؐ! میں جبرئیل خدا کا فرشتہ ہوں اور آپ اس امت کے نبی ہیں اول کہو اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اب پڑھو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (دلائل النبوۃ بیہقی و دارمی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ

ہر تعریف اللہ ہی کو زیبا ہے جو تمام جہان کا موجد، مربی نہایت مہربان و رحیم ہے

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۙ

روزِ جزا کا مالک ہے

تفسیر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ یعنی ہر قسم کی تعریف و ثنا ازل سے ابد تک جہاں کہیں اور جب کبھی اور جس طور پر ہو یا ہو سکتی تھی یا ہوتی ہو حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے اور ہر حمد و شکر کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کے سوا کسی مخلوق کو یا کسی بنائے ہوئے معبود کو بالکل دخل نہیں ہے۔ کیونکہ وہی تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے۔ ہر حسن اور ہر خوبی اس کے اندر موجود ہے۔ اس کا علم وجود قدرت اکمل و افضل و اقویٰ ہے اور چونکہ اس کے علم کی طرح کسی کا علم نہیں اور اس کے وجود کی مثل کسی کا وجود نہیں اور اس کی قدرت کی مانند کسی کو قدرت نہیں۔ اگر کسی میں صفت علم و قدرت یا وجود یا مادۂ ایجاد ہے بھی تو وہ درحقیقت اسی کا عطیہ ہے۔ حقیقت میں وہی موجود ہے۔ وہی موجد ہے۔ وہی علیم و معلم ہے وہی قادر و قدرت بخش ہے۔ تمام عالم

وجود ظلی ہے۔ اُسی کا وجود حقیقی ہے۔ تمام دنیا حادث و ممکن ہے۔ وہی قدیم و واجب ہے۔ اس لئے وہی ہر حمد و ستائش کا مستحق ہے۔ خواہ وہ ستائش زبان سے ہو یا دل سے ہو یا دماغ سے ہو یا عبادتِ جسمانی سے ہو یعنی زبان سے یا جنان سے یا ارکان سے بہرحال اُسی کو ہر حمد و شکر دینا ہے۔ اس کے آگے ارشاد ہے۔

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یہ درحقیقت پہلے دعوے کی دلیل نما صفت ہے۔ یعنی خدا تعالےٰ ہی قابل ستائش اور لائق عبادت کیوں ہے اس لئے کہ اُسی نے تمام عالم کو پیدا کیا۔ عدم سے وجود میں اور تاریکی سے روشنی میں لایا۔ جانِ عزیز عطا فرمائی لاکھوں نعمتیں جسمانی اور روحانی عطا فرمائیں۔ بلا استحقاق گوناگوں انعام سے سرفراز فرمایا، اسبابِ طاعت مہیا فرمائے اور مزید احسان یہ کیا کہ انبیاء و رسل ہدایت کے واسطے بھیجے۔ لہٰذا وہی قابلِ حمد اور لائق پرستش ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسی نے ہمکو نعمت وجود سے سرفراز فرمایا، جسمانی ترقی تدریجاً عطا فرمائی اور روحانی ترقی کے ذرائع بھی مہیا کئے۔ لہٰذا ہمارا جسم اور ہماری رُوح اُسی کی مرہونِ منت ہوئی۔ اس لئے اُسی کی تعریف و عبادت بہرکیف ہم پر واجب ہے اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے:۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ یہ رب العالمین کی دلیل ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کے مربی ہونے اور درجۂ کمال کو پہنچانے کا ثبوت کیا ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ وہ دنیا میں ہر چرند، پرند، درند پر رحم کرنے والا ہے۔ اور سرکش، جاہل انسان کی بداعمالیوں، فتنہ انگیزیوں اور افترا بندیوں کے باوجود اس نے اپنی ظلِ عاطفت کو تنگ نہیں کیا۔ کسی کو اس کے شرک کفر یا گناہ کے عوض اپنی رحمت عامہ سے مایوس و محروم نہیں کیا۔ خلعت وجود کسی کے بدن سے اس کے جرم کی پاداش میں نہیں اُتارا۔ کسی کا رزق بند نہیں کیا اور رفرمابرداری کی جزا علاوہ فلاح دنیوی کے آخرت میں بھی عقیدت کیش اور توحید پرستوں کو عطا فرمانے کا وعدہ کیا۔ جس کو یقیناً وہ مرحمت فرمائیگا۔ اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت اس کے رب العالمین ہونے کا ہوسکتا ہے۔ اس کے آگے ارشاد ہوتا ہے:۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یہ الرحمٰن الرحیم کا ثبوت ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ نے دُنیا

میں جو جو نعمتیں عطا فرمائیں وُہ تو ہر شخص کافر ہو یا موحّد - دیوانہ ہو یا فرزانہ - بچہ ہو یا بوڑھا، سب جانتے ہی ہیں آخرت میں بھی وُہ اپنے فرماں برداروں اور اطاعت شعاروں کو ثواب بے حساب عطا فرمائیگا اور ایمان والوں کو اپنے قرب خاص میں جگہ مرحمت فرمائیگا - کیونکہ وہی روزِ جزا کا مالک ہے جو چاہیگا کریگا اور جس طرح احکام نافذ فرمائیگا کوئی روک ٹوک نہ کرسکیگا وہی مختار کامل ہوگا - جس طرح دنیا میں صفتِ ایجاد و تربیت اس کے لئے مخصوص ہے - اسی طرح آخرت میں بھی وہ قادر مطلق اور مختار علی الاطلاق ہوگا اور ہر قسم کی جزا دینے پر قادر ہوگا ؛

آیاتِ مذکورہ کے معنی اور سلسلۂ ارتباط بیان مذکور کے بالکل برعکس بھی مفسرین نے لکھا ہے - یعنی مابعد کو ماقبل کا نتیجہ قرار دیا ہے - خلاصہ مطلب یہ ہے کہ چونکہ خدا ئے برتر جامع صفات کمالیہ کا نام ہی استعانت اور تبرک کے لائق ہے اور وہی تمام صفات و محاسن کا جامع ہے، اس لئے ہر قسم کی حمد خواہ قولی ہو یا فعلی یا الضروری اُسی کے لئے موزوں ہے اور وہی علیم قدیر اور واحد و یکتا اور تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے اس کے وجود و صفات میں کوئی شریک نہیں اِس لئے وہی تمام عالم کا موجد مربی اور جسمانی اور روحانی ترقیاں دیکر درجۂ کمال کو پہنچانے والا ہے - عالمِ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اپنے وجود اور بقاء وجود میں اس کا محتاج ہے اور چونکہ وہی موجد و مربی ہے - اس لئے دین و دنیا میں ہر بڑی چھوٹی نعمت ہر شخص کو اُسی کے رحم و کرم سے ملی ہے - اور ملیگی اور چونکہ وہی نعمتوں کا دینے والا اور اپنی مخلوق پر رحم کرنے والا ہے - اس لئے اُسی کو روز آخرت میں جزاء و سزا کا استحقاق ہے - وہی روزِ قیامت کا بلا شریک و معاند مالک و مختار ہے -

نکات :- انسان کے اندر دو قوتیں ہیں - نظریہ اور علمیہ اور اِن دونوں کی اصلاح کا نام ہدایت، نجات، سعادت اور فلاح ہے لیکن اِن قوتوں کی خرابی کثافت اور تاریکی کا نام گمراہی شقاوت بدبختی عذاب سرمدی الم روحانی اور بردباری ہے رہی یہ بات کہ اِن قوتوں کی اصلاح کیونکر ہو - تو اوّل ان امور کو جان لینے کی ضرورت

ہے جنکی وجہ سے یہ قومیں تباہ و برباد ہوکر عذاب سرمدی الم روحانی اور شقاوت میں مبتلا ہوجاتی ہیں۔ ان قوموں کی تباہی کے آٹھ اسباب ہیں :-

(۱) خدا کے وجود کا انکار یا اس کے صفات کمالیہ کے ثبوت کا انکار یا کائنات عالم میں سے کسی چیز کو وجود میں مستقل اور خدا سے غنی جاننا۔ اور یہ عقیدہ رکھنا کہ کائنات ہے کوئی چیز بھی از خود پیدا ہوجاتی ہے اور جب تک طبیعت کا تصرف قائم رہتا ہے اس چیز کا وجود ہماری نظروں کے سامنے رہتا ہے لیکن جب نیچرل تصرف ختم ہوجاتا ہے اور طبیعت حفظ وجود چھوڑ دیتی ہے تو وہ چیز ہماری نظروں سے غائب ہوتی ہے لیکن واقع میں اسکا وجود رہتا ہے جسطرح کہ زنجیر کا گول گھیرا جسکی ہر کڑی دوسری سے وابستہ ہو اور اسکا گول چکر ہو تو جو حلقہ ہماری نظروں کے سامنے آجاتا ہے ہم اسکو موجود سمجھتے ہیں اور جو نظروں سے غائب ہوجاتا ہے ہم سمجھتے ہیں وہ فنا ہوگیا حالانکہ اس زنجیر کی کہیں سے نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ نہ اسکی کوئی کڑی مرتی ہے نہ زندہ ہوتی ہے بلکہ نظر کے سامنے آجاتی ہے یا نظر سے غائب ہوجاتی ہے اور زنجیر کے اس دائرہ کی حرکت طبعی اور خود بخود ہے نہ کوئی اسکا محرک ہے نہ فاعل نہ کوئی خدا ہے نہ خدا کی کوئی صفت

(۲) خدا کے وجود اور اس کے صفات کا تو اقرار ہوا اور اس بات کا بھی اقبال ہو کہ خدا خالق ہے عدم سے وجود میں لانیوالا اور نیست سے ہست کرنیوالا ہے لیکن مخلوق کو پیدا ہونے کے بعد خالق کی کوئی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ اسکی زندگی کے جسقدر شروط و ذرائع تھے وہ سب موجود ہوگئے اب خدا کو اس کے بقاء وجود میں کیا دخل ہے گویا مطلب یہ کہ خدا خالق وجود تو ہے لیکن بقاء وجود میں کسی شی کو اسکی ضرورت نہیں

(۳) خدا ضرور موجود ہے صفات کمال سے متصف بھی ہے لیکن بعض چیزیں اور بھی ازلی ابدی ہیں مستقل وجود رکھتی ہیں ان کو الوہیت کے کچھ اختیارات حاصل ہیں مثلاً آگ پانی۔ ہوا زمانہ روح مادہ وغیرہ۔

(۴) خدا موجود ہے واحد ہے رازق ہے خالق ہے۔ اس نے ہماری نرسیت بھی کی ہے اور کرتا بھی ہے لیکن کبھی وہ بخیل بھی ہوجاتا ہے ظلم و حق تلفی

بھی کرلیتا ہے اس لئے ہمکو اس سے محبت نہیں ہم اس کے فرستادوں سے دشمنی کرنے پر مجبور ہیں اور ان کے بتائے ہوئے راستہ کی خلاف ورزی کرنے کا ہمکو حق ہے

(۵) خدا و انبیاء کا اقرار ہو لیکن حشر جسمانی عذاب ثواب اعمال کی جسمانی سزا جزا کا انکار ہو۔

(۶) خدا انبیاء روز قیامت اور روز قیامت کی جزا سزا اور حشر جسمانی کا اقرار ہو لیکن بعض اشخاص کی نسبت یہ عقیدہ ہو کہ یہ ہماری شفاعت کرینگے خدا سے مقابلہ کرکے ہمکو نجات دلا دینگے خدا کو عذاب نہ دینے دینگے اس لئے ہم ان کو خدا یا خدا کا بیٹا یا خدا کا شریک کہتے ہیں۔

(۷) خدا کی توحید، رسالت کی حقانیت قیامت کی واقعیت حشر نشر جنت دوزخ اور حساب کتاب کی صحت کا یقین ہے لیکن ہماری زبان اور ہاتھ پاؤں احکام خدا کی تعمیل کرنے سے قاصر ہیں۔ نیکی کی بجائے بدی اور بھلائی کی جگہ ہم برائی کرتے ہیں کیونکہ ہم اپنی زبان اور اعضائے جسمانی سے مجبور ہیں۔ خدا نے ہم کو کیوں ایسے اعضاء دیے جو ہمارے قابو میں نہیں کیوں ہم کو ایسی قوت غضبیہ اور شہوانیہ عطا کی جسکو ہم روک نہیں سکتے۔

(۸) خدا نے ہمکو سب کچھ ٹھیک اور درست عطا کیا لیکن قصور یہ صرف ہمارا ہے زبان سے ہم جھوٹ فحش اور کفریہ کلمات بکتے ہیں ہاتھ پاؤں سے امور حرام یا مکروہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ ہیں قوت نظریہ و عملیہ کی خرابی اور الم روحانی کے اصولی ثمانیہ اب ان کا علاج کس طور پر ہونا چاہیئے اور اس کے اصلاح و درستگی کی کیا شکل ہے۔ کونسا طریقہ ایسا اختیار کیا جائے جس سے ہماری یہ دونوں قوتیں صحیح اور درست ہو جائیں کیونکہ عالم میں ہر مذہب اور روشن ہوش رکھنے والا اسی کا مدعی ہے کہ ہمارا پیش کردہ نظریہ ہی اصلاح نفس کا بہترین اور واحد ذریعہ ہے پھر ہم کونسی راہ اختیار کریں۔ تو اوّل الذکر عقیدہ کی تردید کی تو خدا نے یہ صورت بتائی کہ تم اپنی روحانی جسمانی ذہنی اور کسی قوتوں سے اُس خدائے واحد لاشریک

کی ستائیش کر وجو واحد دیکتا ہے اپنے صفات میں کمال رکھتا ہے۔ تمام کا خالق موجد اور مدبّر ہے حکیم ہے موثر حقیقی ہے ازلی ہے ابدی ہے نہ اسکی ابتدا ہے نہ انتہا ہر چیز اس کی محتاج ہے کوئی شی از خود نہیں بس وہ اللہ ہے اور کل مخلوق اس کی بنائی ہوئی ہے۔ دوسرے تیسرے اور چوتھے خیال کی تردید رب العالمین کے لفظ سے ہوتی ہے یعنی خدا ہر چیز کا موجد ہے ہر چیز کو نیست سے ہست میں اور لیس سے ایس میں وہی لایا ہے اور فقط یہی نہیں کہ وہ موجد اسباب و شرائط ہے بلکہ پیدا ہونے کے بعد بقاء وجود اس کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ وہ ہر شے کو پیدا کر کے بقاء وجود کے تمام ضروریات و حوائج مہیا کرتا رہتا ہے۔ ہر موجود کو رفتہ رفتہ جسمانی و روحانی ترقی کے اعلیٰ زینہ پر پہونچاتا ہے ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ بخل یا ظلم کی وجہ سے ضروریات ترقی میں سے کوئی چیز بچا رکھے اور نہ دے۔ جب وہ موجد ہے تو وجود کو باقی رکھنے کے جتنے اسباب ممکن ہیں سبکو مہیا کرنیوالا بھی وہی ہے اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اسکے علاوہ کسی چیز کا وجود مستقل ہو وہ ہی پیدا کرنیوالا اور تربیت کرنیوالا ہے اور جب غیر اللہ میں سے کسی چیز کا وجود ہی مستقل نہیں ہے تو پھر وہ اوصاف الوہیت کی کیسے مالک بن سکتی ہے وہ نہ ظالم ہے نہ بخیل ہر شخص کو اسکی استعداد و قابلیت کے موافق اس نے اپنی رحمت سے فیضیاب کیا ہے۔ اسکے بعد نمبر پنجم و ششم کے خیالات کی تردید مالک یوم الدین کے لفظ سے ہوتی ہے یعنی خدا روز جزا کا مالک ہے جسطرح عذاب ثواب چاہے گا دیگا۔ جسمانی عذاب ثواب ناممکن نہیں يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ پھر عذاب و ثواب کے انکار کے کیا معنی۔ وہ روز جزا کا مالک و مختار ہے اور یہ بھی ناممکن ہے کہ کوئی اس سے زبردستی سفارش کر کے کسی کو نجات دلادے یا عذاب نہ دینے دے یا قیامت کے دن کوئی اس سے احکام کی روک ٹوک کرے یا اس کے فیصلہ سے سرتابی کرے اب رہا ساتواں خیال تو اس کی تردید ہر ٹکڑے سے ہو سکتی ہے۔ لیکن رحمن و رحیم کے لفظ سے خصوصیت کے ساتھ اس خیال کا استیصال ہو جاتا ہے کیونکہ خدا مہربان شفیق اور رحیم ہے اس نے تم کو ہاتھ پاؤں اور زبان ناجائز و حرام ارتکاب کے لئے نہیں دی

ہے نہ اس نے تمکو شہوانی وغضبی قوتوں کو علی اطلاق رہا کرنے کا حکم دیا بلکہ صرف اپنے کرم سے تم کو جائز خواہشات کے پورا کرنے اور صحیح انتقام لینے کے لئے یہ قوتیں عطا کی ہیں تاکہ تم ان قوتوں سے جائز طور پر بہرہ اندوز ہو اور اپنی قوت عقلیہ کا ان کو تابع بناؤ نہ یہ کہ ان کو مطلق العنان چھوڑ دو کیونکہ مطلق العنان چھوڑ دینا یا ان کو مطلق العنان چھوڑنے کا حکم دینا رحم و مہربانی کے خلاف ہے اور خدا رحمن و رحیم ہے۔ اب رہا آٹھویں نمبر کا علاج تو اس کی صاف اور واضح ترکیب یہ ہے کہ خدا کو واحد لاشریک موجد عالم، مربی جہاں منصف عادل، جواد اور تمام صفات کمالیہ کے ساتھ متصف سمجھو، زبان سے ان باتوں کا اقرار کرو۔ دلی توجہ اس کی طرف کرو، اعضاء ظاہری سے اس کے حکم کی تعمیل کی کوشش کرو۔ جب یہ تینوں امور تم کو حاصل ہو جائیں گے تو خوف و رجا کے مجموعہ سے تم کو محبت و عشق کا درجہ حاصل ہو جائے گا اور عشق سے آگے بڑھ کر رضا پھر تسلیم پھر فنا فی الذات کا رتبہ ملے گا اور توحید محبت کے درجہ میں پہونچکر تم کو نجات ابدی، فلاح دائمی اور سعادت سرمدی نصیب ہو جائے گی۔ (تفسیر اتقان و کبیری وغیرہ)

مقصود بیان:۔ توحید ذاتی و صفاتی کی تبلیغ۔ اس امر کا اظہار کہ خدا ہی سب کا پیدا کرنے والا اور روزی دینے والا ہے اسی سے ہر کام میں امداد کی خواستگاری کی جائے۔ حشر جسمانی حساب کتاب اور اعمال کی جزا و سزا ضرور ہوگی خدا کی رحمت سے تمام عالم کا وجود اور بقا ہے خدا تعالیٰ کی کوئی خاص غرض اور نفع اس عالم کی پیدائش سے نہیں ہے بلکہ یہ صرف اس کی رحمت ہے کسی گناہ یا کفر کی وجہ سے خدا اپنا رزق و فیض بند نہیں کرتا مومن کو اس بات کی تعلیم دینی مقصود ہے کہ ہر کام کو شروع کرنے سے قبل خدا کا نام بطور تبرک لیا کرے اور پھر خدا کی حمد و ثنا اور اقرار احسان کیا جائے اس کے بعد غرض مدعا کرے وہ بندوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شفقت کا برتاؤ اور مہربانی کا معاملہ کرنا چاہئے ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرنی لازم ہے۔ احسان کے معاوضہ سے قطع نظر کر کے صرف

رحم اپنا نصب العین بنانا چاہیے اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہم جو کچھ سلوک کسی کے ساتھ کرتے ہیں کسی کی مدد کرتے ہیں یا کسی کو جو کچھ مال دیتے ہیں در حقیقت وہ خدا کا فعل ہے ہم صرف دینے کا ذریعہ ہیں ورنہ دینے والا در اصل خدا ہے۔ اس کے علاوہ خدا کے جلال ذاتی سے خوف دلانا اور رحمت الٰہی کا امیدوار کرنا بھی ان آیات سے مقصود ہے۔ اس امر کی تعلیم بھی مقصود ہے کہ جب خدا تعالےٰ ہی پیدا کرنے والا زندہ رکھنے والا اعمال کی جزا دینے والا ہے تو پھر کیوں غیر اللہ کی پرستش کی جائے سوائے خدا کے کوئی لائق پرستش نہیں ہے۔ گویا تبلیغ ایمان اور تحذیر عن الکفر بھی اس آیت کا مقصود ہے۔ وغیرہ

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں

تفسیر گذشتہ آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ خدا تعالےٰ تمام دنیا یعنی محسوس غیر محسوس علوی سفلی زمینی آسمانی بسیط مرکب حیوانات جمادات اور نباتات کو پیدا کرنے والا روزی دینے والا درجہ کمال کو پہونچانے والا اور بالآخر ان کے اعمال کی جزا دینے والا ہے اس کے سوا اس مخلوق میں کوئی تاثیر حقیقی پیدا نہیں کر سکتا ہماری حیات اور بقاءِ حیات کا فاعل حقیقی وہی ہے۔ تو جب یہ تمام امور ثابت ہیں تو پھر واقعی ہماری عبادت اور استعانت کا وہی مستحق ہے کسی دوسرے کو اسمیں قطعاً دخل نہیں ہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا ہم تیری ذات اور صفات کا اقرار کر چکے اس سے ہمارے دل پر تیری عظمت کا نقشہ اسطرح جم گیا کہ ہم تجھکو حاضر سمجھنے لگے اور ہر وقت اپنے دلمیں موجود یقین کرنے لگے۔ تو ہمارا خالق مربی اور بلا غرض پرورش کرنے والا ہے اس لئے ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں۔ ہمارے ظاہری اعضا باطنی قوی اور جان و مال سے جو پرستش ہو سکتی ہے وہ تیرے ہی لئے مخصوص ہے انس ہیں۔

کوئی شریک نہیں۔ ہم تجھی کو سجدہ اور رکوع کرتے ہیں تیرا نام تبرک کے لئے لیتے ہیں۔ تیری تقدیس تسبیح اور تمجید کرتے ہیں مصائب و حاجات میں تجھی کو پکارتے ہیں تجھی سے دعا مانگتے ہیں تیرے احکام فرائض کی تعمیل کرتے۔ تیرے ہی لئے مالی قربانیاں کرتے زکوٰۃ خیرات اور صدقات دیتے ہیں۔ تیری عجائبات میں دل سے غور و خوض کرتے ہیں اور اذکار حسنہ کو تیری ہی طرف متوجہ کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ ہر طرح کی عبادت کو تیرے لئے ہی مخصوص کرتے ہیں لیکن اس تمام عبادت و عرفان کا سرچشمہ تیری ہی امداد ہے ہم بذات خود کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر کسی کام کا ارادہ دل میں پیدا ہوتا ہے تو تو ہی اسکا پیدا کرنے والا ہے پھر اس کام کے سرانجام دہی کے لئے ضروری اور غیر ضروری آلات و اسباب و ساز و سامان مہیا کر دینا بھی تیرے ہی دست قدرت میں ہے اور فقط اتنا ہی نہیں کہ تو اس کام کی درستگی کے لئے سامان فراہم کر دیتا ہے بلکہ جو رکاوٹیں اور موانع درمیان میں حائل ہوتے ہیں ان کو بھی تو ہی دور کرتا ہے اور پھر باوجود اسباب کی موجودگی اور موانع کے ہونے کے یا موانع کی موجودگی اور اسباب کے نہ ہونے کے تو ہی اس کام کو پورا کرنے والا ہے۔ اس کام کے ہونے نہ ہونے کا تجھی کو اختیار ہے اسباب و موانع پر اس کام کے ہونے نہ ہونے کا دار و مدار نہیں کبھی اسباب ہوتے ہیں اور کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہوتی پھر بھی کام نہیں ہوتا اور کبھی اسباب نہیں ہوتے اور رکاوٹیں ہوتی ہیں پھر بھی کام ہو جاتا ہے۔ یہ سب تیری ہی قدرت کا کرشمہ ہے اس لئے ہم ہر کام میں تجھی سے مدد کے خواستگار ہیں اور وقتاً فوقتاً تجھی سے اعانت کے جویاں ہیں اور رہیں گے تو ہم کو عبادت کی توفیق عطا فرما۔ کیونکہ یہ عبادت بھی تیری امداد کے بغیر ہم سے نہیں ہو سکتی اور نہ ہم میں ایسی قوت ہے کہ تیری مدد کے بغیر تیری عبادت کر سکیں۔

نکات:- اس آیت میں چند نکتے ہیں اول تو یہ کہ عبادت صرف ذریعہ ہے اور عابد کا مقصد اصلی صرف ذات باری تعالیٰ ہے عبادت کے ثواب و جزا کا خیال بیچ میں رکاوٹ ہے پھر یہ کہ ہر شخص کی عبادت حضور قلب سے ہونا دشوار ہے اس لئے انھیں کے ساتھ بردن کو

بھی شامل ہو کر عبادت کرنی لازم ہے۔ اس کے علاوہ جب تک آدمی عجز و انکسار مجسمہ نہ بنے اُس وقت تک روحانی ارتباط دنیاوی نہیں پیدا ہوتا اور بغیر نیاز کے عبادت ہیچ ہے اس میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ خدا حاضر ناظر ہے۔ ہر چیز سے اسکا وجود ہے ربوبیت و رحم کی وجہ سے اسی کو استحقاق معبودیت و اعانت ہے وغیرہ۔

مقصود بیان: ۔ سوا خدا کے اور کسی کی پرستش حرام ہے شرک کے ہر دو اقسام یعنی عبادت اور استعانت سے آدمی کو پرہیز کرنا لازم ہے۔ تمام اسباب و موانع کی باگ ڈور خدا ہی کے دست قدرت میں ہے۔ عبادت میں حضور قلب شرط ہے عبادت کے لیے جماعت ضروری ہے تاکہ اچھوں کی عبادت کے ساتھ بروں کی عبادت بھی شامل ہو کر درجۂ قبولیت کو پہونچ جائے۔ عبادت مالی ہو یا بدنی یا قلبی سب کا مرکز اور مرجع خدا تعالیٰ ہے۔ عبادت کی توفیق دینے والا بھی خدا ہے۔ غرور کی عبادت مقبول نہیں۔ عالم غرور سے عالم سرور کی جانب اور اشغال خلق سے بارگاہ قدس کی طرف جانے کا نام عبادت ہے خدا جسکو چاہتا ہے جس بات کی توفیق دیتا ہے۔ ہر دعا سے پہلے کچھ عبادت کرنی لازم ہے تاکہ دعا کے تقرب و مقبولیت کا ذریعہ ہو جائے وغیرہ

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ

ہم کو سیدھے راستہ پر چلا اُن لوگوں کے راستہ

الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ

پر چلا جن پر تو نے بخشش کی ہے نہ اُن لوگوں کی راہ پر کہ جن پر تو خفا

عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ ع

ہوا ہے اور نہ اُن کی راہ پر جو گمراہ ہیں

تفسیر گذشتہ آیات میں اظہار عبادت، اقرار عبودیت اور اعانت کی خواستگاری کی گئی

کفی یعنی یہ کہا گیا تھا کہ الٰہی ہم تیری پرستش کرتے ہیں اور تجھی سے مدد کی خواستگاری کرتے ہیں اب اصل مدعا کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ ہمارا مدعا یہ ہے کہ ہم کو سیدھا راستہ بتا کر منزل مقصود تک پہونچا دے۔ آیت کا خلاصہ مطلب جان لینے سے قبل اس بات کا جان لینا ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہدایت کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) خدا تعالیٰ ہمارے دل میں نیک بات کا ارادہ پیدا کرتا ہے (۲) خدا تعالیٰ نے ہمکو ظاہری اور باطنی حواس، روشن عقل، اور ادراک و دانش کی قوت عطا فرمائی ہے تاکہ ہم سیدھے راستہ پر چلیں (۳) انبیاء و رسل، علماء اولیاء اور دیگر رہبران دین کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا تاکہ ہم ان کے اقوال پر عمل کریں اور ان کے افعال کی تقلید کریں اور قدم بہ قدم چلیں (۴) کتابیں، صحیفے اور صحیح قوانین ہمارے لئے بھیجے تاکہ ہم کو کسی چیز کی صحت غلطی اور حق و باطل کے سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے (۵) ہمارے روحانی جذبات کو شیطانی اور نفسانی ڈاکوؤں کی دست برد سے محفوظ رکھا اور ان تمام خطرات سے آگاہ فرمایا جو شیاطین جن و انس وغیرہ سے ہم کو درپیش ہونے والے تھے

اب یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ صراطِ مستقیم کے کیا معنی ہیں اور سیدھے راستہ کی ہدایت کرنے کے کیا معنی۔ صراط مستقیم سے مراد ہر وہ قول و فعل ہے جو زیادتی کمی اور افراط و تفریط کیطرف مائل نہ ہو، ٹھیک وسط میں ہو قوت شہوانیہ کی ضروریات میں بھی اعتدال ہو نہ بالکل شہوانیات کو مُردہ کر دیا جائے کہ کسی چیز کی خواہش ہی نہ ہو نہ اتنا مطلق العنان چھوڑ دیا جائے کہ جا بیجا، حق و ناحق، جائز و ناجائز سب طریقوں سے اپنی خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کے پیچھے آدمی پڑ جائے اسی طرح قوت غضبیہ کے مقتضیات کے پورا کرنے میں بھی آدمی اعتدال کو ملحوظ رکھے نہ تو حیوان نما انسان بن جائے اور نہ اسقدر جاہل لٹھ ہو جائے کہ معمولی سی بات پر خاندانوں کے خاندانوں کو فنا کر ڈالے نہ جذبات انتقام اس کے اسقدر سرد پڑ جائیں کہ غیرت و حمیت کے موقع پر بھی اسکو جوش شجاعت نہ آسکے اور ڈر کر بے غیرتی کو گوارا کرلے اسی طرح قوت عقلیہ میں بھی اعتدال کا لحاظ رکھے۔ جب تینوں میں اعتدال پیدا ہو جائے گا تو سیدھا راستہ مل جائے گا اور یہی

راہ اسلام ہے۔ اب اس راہ اسلام کے مختلف مراتب ہیں اور انہی مراتب کے اختلاف کی وجہ سے آیت کے معنی میں اختلاف ہوسکتا ہے جنکی تفصیل ہم ذیل میں لکھتے ہیں:۔

(۱) عام لوگوں کی ہدایت کے تو یہ معنی ہیں کہ خلوص، یقین اور درستی ایمان کے ساتھ شریعت کے فرایض و نوافل کی پابندی کی جائے۔ کوئی فرض واجب، سنت، مستحب ضائع نہ ہونے دیا جائے۔ ریا و عجب سے یہ عبادت خالی ہو۔ اخلاق، عادات رفتار، گفتار اطوار میں شریعت کی موافقت اختیار کی جائے قوانین اسلام کی راہ راست سے سرمو کجروی نہ ہونے پائے۔ حقوق نفس، حقوق والدین و اقرباء احباب ادا کردئیے جائیں وغیرہ اس وقت یہ معنی ہونگے کہ الٰہی تو ہمکو شریعت اسلامیہ کا پابند بنا فرائض اسلامی ہم سے ادا کرا۔ خالص ایمان اور نور یقین ہمکو عطا کرنا کہ ہم تیرے رسول کی پیروی کریں اور طبقۂ عوام سے نکلکر ہم تیرے دوستوں کے طبقہ میں داخل ہوجائیں۔

(۲) صالحین کی ہدایت۔ اس وقت ہدایت کے یہ معنی ہونگے کہ الٰہی تو ہم کو نور معرفت اور ایقان کی روشنی عطا کر۔ قوانین اسلام کا پابند رکھ۔ اپنی رضا مندی کا راستہ بتا اور وہ راہ باریک جس میں عقل و حواس کام نہیں کرتے اور ہزاروں شیاطین اور رہزن اسمیں موجود ہیں ان سے بچا کر ہم کو اپنی راہ پر چلانا کہ ہم خطرات و وسوسوں سے بچکر اصلاح قلب کر سکیں اور تیرے نور معرفت سے اپنے دل کو روشن کرلیں اور تیرے اولیاء کے زمرہ میں داخل ہوجائیں۔

(۳) اولیاء کی ہدایت۔ اس کے چار درجات ہیں اور ہر درجہ دوسرے کیلئے پردہ ہے پہلا درجہ معمولی اولیاء امت کا ہے۔ دوسرا درجہ شہداء کا ہے۔ تیسرا درجہ صدیقین کا ہے۔ چوتھا درجہ انبیاء کا ہے اور ان سب کے اخیر میں فناء ذاتی ہے، عام مسلمان جب صالحین کے درجہ پر فائز ہوتے ہیں تو وہاں سے ترقی کرکے معمولی اولیاء کے درجہ میں آتے اور معمولی ولایت کے مرتبہ سے اور آگے بڑھکر شہادت کا درجہ ہے جس میں انسان اپنا تن من دھن رضاء ارادہ یہاں تک کہ اپنی زندگی راہ خدا میں قربان کردیتا ہے۔ اس سے آگے صدیقوں کا رتبہ ہے اور صدیقوں سے آگے انبیاء کا اور انبیاء کے مرتبہ سے آگے کچھ نہیں صرف فناء ذاتی

اور حمد محض کا درجہ مل جاتا ہے جس کے مالک ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تھے اسی لئے حضور ؐ نے فرمایا ہے لِوَاءُ الْحَمْدِ یَوْمَئِذٍ بِیَدِیْ یعنی حمد کا جھنڈا اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ الٰہی تو اپنے طاعات و فرائض کا پابند بنا اور ان پر پابند رکھ، نور معرفت عطا کر، نفسانی خطرات اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھ ہمارے دل کو اپنے نور سے منور کر دے، ہماری رضا و ارادہ کو اپنی راہ میں قربان کرنے کی توفیق عطا فرما اور بالآخر ہم کو صداقت کے مرتبہ میں پہونچا دے۔ اسی کی تفصیل کی طرف صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ۔ یعنی ہم کو ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تو نے اپنا انعام کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ الٰہی جس طرح تو نے اپنے ان بندوں کو راہ راست پر ڈالکر منزل مقصود کو پہونچایا جن پر تو نے اپنا انعام کیا ہے اسی طرح ہم کو راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرما تاکہ راہ راست دیکھنے کے باوجود ہم گمراہ نہ ہو جائیں بلکہ اسپر چلکر مقصود اصلی تک پہونچ جائیں اور نجات ہم کو حاصل ہو جائے۔ کیونکہ منزل مقصود تک پہونچانا بھی تیرے ہی دست قدرت میں ہے۔

خدا تعالیٰ نے جن لوگوں پر انعام فرمایا ان کا ذکر آیت ذیل میں ہے:۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ یعنی انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین ہی ایسے لوگ ہیں جن پر خدا تعالیٰ نے اپنا انعام فرمایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کو ان بزرگ ہستیوں کی رفاقت نصیب ہو اس سے زیادہ خوش قسمت اور کون ہو سکتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے ادنیٰ درجہ والوں یعنی صالحین کے لئے وہ نعمتیں مہیا فرمائی ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں نہ کسی کے دماغ میں انکا تصور و خیال آیا (کما فی السنن) جب صالحین کے یہ مراتب ہیں تو اعلیٰ درجات کا کیا قیاس و اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ بندہ ابتداء میں رہنمائی پاتا ہے حق و باطل کے طریقے اس کے سامنے

واضح ہو جاتے ہیں اور وہ بظاہر مسلمان ہو جاتا ہے پھر اس رہنمائی آگے ہو جب مقصود تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے لیکن پہونچانے والا صرف باری تعالیٰ ہے اس لئے اسی سے درخواست کرتا ہے کہ تو ارحم الراحمین اور ہادی ہے اپنے فضل سے مجھے الیسا راستہ بتا دے بلکہ ایسے راستہ کے ذریعہ منزل مقصود تک پہونچا دے جس سے تیرے نعمت بردار اور منت کش بندے مقصود تک پہونچے ہیں۔

ابن کثیر نے بروایت علیؓ بیان کیا ہے کہ صراط مستقیم سے مراد کتاب الٰہی ہے (ابن جریر۔ احمد۔ ترمذی) ابن مسعودؓ سے بھی یہی روایت ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ صراط مستقیم سے دین اسلام مراد ہے یہی قول حضرت جابر، محمد بن حنفیہ اور عبد الرحمٰن بن زید وغیرہ سے مروی ہے۔

سنن کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قرآن کے احکام کی پابندی کی نصیحت فرمائی تو ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور کو اس کا خوف نہ کرنا چاہئے کیونکہ ہم خود تو پڑھتے ہی ہیں اور اپنی اولاد کو پڑھائیں گے اور ہماری اولاد اپنی اولاد کو پڑھائے گی۔ حضورؐ نے بطور تعجب کے فرمایا کہ میں تو تجھے فقہاء مدینہ میں سے جانتا تھا اور تو نے ایسی بات کہی۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ ان یہود و نصاریٰ کی بغل میں بھی کتاب ہے لیکن ان کو اس سے کیا فائدہ۔

علامہ سیوطی نے اتقان میں بیان کیا ہے کہ نواس بن سمعان رضؓ نے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خدا تعالیٰ نے صراط مستقیم مثالاً فرمایا ہے یعنی خدا نے ایک صراط مستقیم بنائی اور صراط کے دونوں جانب دیواریں ہیں جن میں بغیر کواڑ کے دروازے ہیں اور دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں صراط کے اس کنارہ پر ایک شخص ہے۔ اس سرے پر بیٹھا ہوا آدمی کہتا ہے لوگو سب کے سب اس راہ میں آجاؤ اور گمراہی مت اختیار کرو اور جب کوئی راہگیر ان دروازوں میں سے کسی دروازہ کو کھولنا چاہتا ہے تو دوسرے سرے والا شخص پکار کر کہتا ہے ارے بیوقوف یہ دروازہ مت کھول کیونکہ اگر اس کو کھولے گا تو اندر جا پڑیگا پھر حضور اکرمؐ نے اس تمثیل

کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ صراط مستقیم اسلام ہے اور دونوں دیواریں حدود الٰہی ہیں۔ اور دروازے محرمات شرعیہ ہیں اور دروازے کے کنارے پر بیٹھا ہوا شخص کتاب الٰہی ہے اور بالائی سرے پر پکارنے والا ہر مسلمان کے دل میں خدا تعالٰی کی طرف سے ایک واعظ ہوتا ہے (ابن ابی حاتم (الترمذی۔ نسائی وغیرہ)

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ صراط مستقیم سے مراد وہ راستہ ہے جس پر رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تھے۔ اور یہی قول صحیح بھی ہے کیونکہ جس نے شیخین کی اتباع کی وہ حق کا تابع ہوا اور جو حق کا تابع ہوا وہ اسلام کا تابع ہوا اور جو اسلام کا تابع ہوا وہ قرآن پاک کا تابع ہوا۔ لہٰذا مذکورہ بالا تمام اقوال ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں (الاتقان)

غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ۔ یہ اَلَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ کی توضیح ہے یعنی ہم کو ان لوگوں کی راہ پر نہ چلا جو صراط مستقیم سے ہٹ کر افراط کی جانب مائل ہو گئے ہیں اور اس وجہ سے ان پر غضب نازل ہو گیا اور نہ ان لوگوں کی راہ پر چلا جو تفریط کی جانب متوجہ ہو گئے ہیں اور اس وجہ سے وہ گمراہ ہو گئے ان کے دلوں پر گناہ کا زنگ چڑھ گیا لیکن ان کو پھر بھی قلب کے زنگ آلود ہونے کا احساس نہ ہوا اور ویسے ہی گمراہ رہے اسوقت انکے دلوں پر جہالت و گناہ کے پردے پڑ گئے اور دل میں تاریکی پیدا ہو گئی مگر باایں ہمہ اب بھی ان کو شعور نہ آیا اور دل کی تاریکی ان کو نظر نہ آئی گناہوں سے وہ دست کش نہ ہوئے اعمال و عقائد کی غلطی نے ان کے دلوں پر تسلط حاصل کر لیا، کفر کی تخم ریزی ان کے اقوال و افعال اور اعتقادیات میں ہو گئی تو اب ان کے دلوں پر کفر کی مہر لگ گئی اور دل میں ہدایت کی طرف سے بندش پیدا ہو گئی لیکن انہوں نے اسکے باوجود اس کفر کی مہر کو توڑنے کی کوشش نہ کی تو اب شرک و گمراہی کے قفل ان کے حواس و مشاعر کے دروازوں پر لگ گئے اور وہ قطعاً گمراہ ہو گئے انکے ہدایت یافتہ ہونگی بالکل امید نہیں رہی الٰہی ہمکو ان گمراہوں کی راہ پر نہ چلا

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ الٰہی ہم تجھسے صالحین کی راہ چاہتے ہیں جسطرح تو نے انکو مقصد پر پہنچا دیا اسی طرح ہمکو بھی پہنچا دے مغضوب علیہم سے یہودی اور وہ لوگ جو یہودیوں کی طرح عقائد رکھتے ہیں مراد ہیں۔ یہودیوں کا عقیدہ خراب ہو گیا انہوں نے دانستہ

مزنا لی کی اس لئے ان پر خدا کا غضب نازل ہوا۔ ضالین سے عیسائی اور ان کے مثل لوگ مراد ہیں۔ عیسائیوں نے حق کو پہچانا ہی نہیں اور گمراہی میں بھٹکتے پھرے۔ ترمذی اور امام احمد نے ایک صحیح روایت اسی قول کی تائید میں بیان کی ہے جسکے آخیر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتم سے فرمایا کہ یہود مغضوب علیہم ہیں اور نصاریٰ ضالین ہیں۔ یہی بات حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضؓ اور حضرت ابوذر رضؓ و حضرت ابن عباس رضؓ و ابن مسعود رضؓ و دیگر صحابہ و تابعین سے بھی ثابت ہے اور یہی حق قول ہے

نکات:۔ (۱) آدمی کی سعادت کامل اور نجات صحیح یہ ہے کہ اس کے عقائد بھی صحیح ہوں اور اعمال و اقوال بھی درست۔ نہ عقائد میں کمی یا مبالغہ ہو نہ اقوال و افعال میں کوتاہی۔ جن کو یہ دونوں باتیں حاصل ہو گئیں ان کو کامل سعادت اور پوری نعمت حاصل ہو گئی۔ لیکن اگر کسی کا عقیدہ خراب ہو خدا الغر کی ذات صفات احوال قیامت وغیرہ کے متعلق فاسد عقیدہ اور غلط خیال رکھتا ہو اور اپنے اختراعی توہمات کو ہی عرفان تصور کر کے مست ہو رہا ہو اس پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور جس کے اقوال و افعال خراب ہوں فضائل حمیدہ اور فرائض دینیہ کے ادا کرنے سے بے بہرہ اور افعال قبیحہ کا مرتکب ہو وہ گمراہ ہے اور منزل مقصود تک نہیں پہونچ سکتا۔ ایسے لوگ بھی سعادت کامل حاصل نہیں کر سکتے۔ لہذا مؤمن کو چاہئے کہ عقیدہ بھی صحیح رکھے اور فرائض الٰہی کا بھی پابند ہو تاکہ مکمل نجات اور پوری سعادت کا مستحق ہو جائے

(۲) مومن ظاہر و باطن خدا کا فرماں بردار ہوتا ہے اسپر خدا الغر کا پورا انعام ہوتا ہے اور کافر و منافق پر خدا کا غضب ہوتا ہے اور ان کی گمراہی حاصل ہوتی ہے۔ یعنی منافقوں پر خدا کا غضب ہوتا ہے اور کافر گمراہ ہیں۔

مقصود بیان:۔ ہر چیز یہاں تک کہ ہدایت کی بھی دعا خدا ہی سے کرنی چاہئے۔ واصلین اہل انعام کا جوار ڈھونڈھنا چاہئے۔ انبیاء صدیقین، شہدا اور صالحین کو جو بزرگیاں اور مراتب عطا ہوئے ہیں وہ محض انعام الٰہی تھا مقصود تک پہونچانے والا خدا الغر ہی ہے کسی کو اپنے علم پر نازاں نہ ہونا چاہئے کیونکہ

خالی علم حاصل کر لینے سے ہی اصل مقصد حاصل نہیں ہو جاتا بلکہ جب علم کے موافق خدا تعالیٰ کی ہدایت بھی کرے تو آدمی مراد کو پہونچتا ہے۔ دیکھو یہود و نصاریٰ کو توریت کو انجیل عطا ہوئی جو ہدایت کے لئے کافی تھی مگر وہ لوگ منزل مقصود تک نہ پہونچ سکے خدا تعالیٰ کے غضب اور اضلال سے پناہ مانگنی چاہیے اور جس طرح ظاہر میں پناہ مانگتا ہے اسی طرح باطن میں بھی پناہ مانگنی چاہیے۔ غیر مذاہب والوں کا طریقہ اور وضع اور مشابہت قطعاً ناجائز ہے۔ کیونکہ مشابہت باطنی ہو یا ظاہری دونوں گمراہی کی شاخیں ہیں۔ صراط مستقیم اور سیدھا راستہ دین ہے جو افراط و تفریط کے درمیان ہے کسی طرف جھکنا نہ چاہیے ورنہ راہ راست چھوٹ جائے گی۔ اعتدال اور توسط بہترین چیز ہے۔ گویا خدا تعالیٰ نے اس آیت میں اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔ وغیرہ۔

پوری سورت کا خلاصہ بیان

انسان کو چاہیے کہ جب خدا تعالیٰ کی ذات مقدس کا برتو اپنی روح کی آنکھوں سے دیکھنا چاہے تو خدائے قدوس کی حمد و ثنا اور اُس کے صفات و کمالات کا ذکر کرے تا کہ اُس ذات گرامی کے ساتھ گونہ لگاؤ اور مناسبت پیدا ہو جائے۔ جب مناسبت پیدا ہو جائے اور سیر الی اللہ کرنے کا شوق پیدا ہو تو عبادت کا توشہ اور استعانت کی سواری بھی ساتھ لے لے اور سیدھے راستہ کی بھی تلاش کرے اور جب سیدھا راستہ مل جائے تو رفقائے سفر بھی ایسے ساتھ ہونے چاہئیں کہ جنکی وجہ سے راستہ کی دشواریاں اور تکلیفیں دور ہو جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ اسکا بھی لحاظ رہے کہ راستہ میں جھاڑ جھنکاڑ اور گھنا جنگل نہ ہو تا کہ ان ہی میں الجھ کر نہ رہ جائے جس سے اصلی راستہ گم ہو جائے اور غضب الٰہی ہیں مثلاً ہو جتنے خطرات اور وسوسے دل میں پیدا ہوں ان کو دور کر دے قوت شہوانیہ اور غضبیہ کے افراط و تفریط کے جھاڑ جھنکاڑ راستہ سے صاف کر دے اسکا حاصل یہ نتیجہ ہوگا کہ معرفت الٰہی کا پرتو قلب پر پڑ جائیگا جس سے قلب روشن ہو جائیگا۔

ہدایت خاص:۔ سورہ حمد تمام قرآن کا نچوڑ ہے۔ اس میں عقائد و اعمال کی اصلاح بھی ہے خدا تعالیٰ کی ذات پاک کی تمام صفات جلالیہ اور کمالیہ کا بیان بھی ہے۔ تہذیب نفس، ادب اور اخلاق کی تعلیم بھی ہے پورا علم شریعت، طریقت اور حقیقت اسمیں موجود ہے۔ انبیاء، شہدا، صدیقین اور صالحین کی تعریف بھی ہے منافقین اور کافرین کی برائی بھی ہے۔ سیر من اللہ اور سیر الی اللہ کیطرف دلچسپ لطیف اشارات بھی ہیں۔ فرمانبرداری اور اطاعت کیطرف ترغیب اور نافرمانی وسرتابی سے تہدید و منع بھی ہے۔ خلاصہ یہ جو کچھ پورے قرآن میں ہے وہ ایک سورۃ میں ہے فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن میں ان امور کا مفصل بیان ہے اور اس سورت میں اجمالی اشارات ہیں۔ قرآن سے امور مذکورہ کا استنباط اکثر سمجھدار لوگ کرسکتے ہیں اور اس سورت سے مضامین بالا کا اقتباس صرف وہی لوگ کرسکتے ہیں جن کے حواس روشن، مشاعر منور، دل صاف، روح مستعد ہو اور دماغ میں ملکہ دانش اور پھر خدا کی توفیق بھی شامل حال ہو۔

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ وَّ ھِیَ مِائَتَانِ وَّ ثَمَانُوْنَ اٰیَۃً وَّ سِتُّ اٰیَاتٍ بِعَوْنِ رُکُوْعَاتٍ

سورۂ بقرہ مدینہ میں نازل ہوئی اس میں دو سو اسی آیتیں ہیں اور چھیالیس رکوع ہیں

اس سورت کا نام سورۂ بقر اس لئے ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کے زمانہ کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جسمیں خدا تعالیٰ نے ان کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اور اسکا مفصل قصہ اسی سورت میں مذکور ہے۔ اس سورت کا نام فسطاط القرآن اور سنام القرآن بھی ہے۔ اس سورت میں ۴۰ رکوع ۲۸۷ یا ۲۸۶ آیات ۶۲۲۱ الفاظ اور ۲۵۰۰ حروف ہیں۔ یہ سورت مدنی ہے اور قرآن کی سورتوں میں سب سے بڑی ہے۔ مدینہ میں سب سے اخیر میں یہی نازل ہوئی ہے۔ لیکن اسکی بعض آیات مدنی نہیں ہیں۔ مثلاً وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ الخ اور فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ اور لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰىهُمْ الخ۔

شانِ نزول

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں یہودیوں اور عیسائیوں کا دور دورہ تھا اور تمام عرب ان کو مسلم رہبر اور قائد مانا کرتے تھے۔ اسلام جب مدینہ میں پہونچا اور اس کی روشنی نے سعید روحوں کو منور کرنا شروع کیا تو اہل کتاب کو یہ امر نہایت شاق گذرا کیونکہ اس سے ان کی وجاہت اور وقعت اور مالی منافع میں کمی واقع ہوئی۔ اس لئے سب اہل کتاب مع اپنے متبعین کے اسلام کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے اور نور اسلام کو اپنے منہ کی بھاپ سے گل کرنے کا ارادہ کر لیا ان سب کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا یہ راس المنافقین تھا بظاہر مسلمان ہو گیا تھا لیکن باطن میں کافر تھا۔ اسی وجہ سے اسکو مسلم آزاری کا زیادہ موقع سہولت کے ساتھ ملجاتا تھا۔ اسی بنا پر خدا تعالیٰ نے ان کج بحثوں کے ضرر کو دفع کرنے اور شکوک شبہات کی اصلاح کے لئے یہ سورت نازل کرنی شروع کی تمام دشمنانِ اسلام کے گروہ مدینہ اور اطراف مدینہ میں دو حصے تھے۔ ایک تو وہ تھے جو کھلم کھلا مسلمانوں کے مخالف تھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے انکار کرتے تھے۔ توحید و رسالت کے ماننے والے نہ تھے۔ یہ فرقہ تو کافروں کا تھا دوسرا گروہ منافقوں کا تھا جو بظاہر مدعیان اسلام تھے اور باطن میں خبیث ترین کافر تھے۔ مذکورۂ صدر گروہ تو مسلمانوں کے دلوں پر اسقدر شکوک و شبہات نہ ڈال سکتا تھا کیونکہ مسلمان جانتے تھے کہ یہ ہمارے دشمن ہیں ان کا کوئی قول قابلِ تسلیم و اتباع نہیں۔ لیکن مؤخر الذکر گروہ کافرو مسلمان کے لئے بہت نقصان دہ تھا۔ ان کا پیشوا یعنی مالک بن صیف یہودی مسلمانوں کے دلوں میں بہت زیادہ شک ڈالا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ کتاب وہ نہیں ہے جس کی خبر گذشتہ آسمانی کتابوں میں دی گئی ہے خدا تعالیٰ نے اس شک کو پہلے رفع کیا اور پھر چار آیات مسلمانوں کی مدح میں اور دو آیات کافروں کی مذمت میں اور تیرہ آیات منافقوں کے احوال کے بیان میں نازل فرمائیں

ربط:۔ سورۂ بقرہ میں ان تمام مضامین کی تشریح ہے جو سورۂ فاتحہ میں بیان کئے گئے تھے سورۂ حمد میں جو مضامین اجمالی طور پر بیان کئے گئے تھے اس سورت میں انکی تفصیل ہے۔ چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی شرح شروع کے تین رکوع میں کردی گئی۔ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے مضامین اجمالی تھے ان کی تفصیل میں آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا، پھل پھول، میوہ اناج اور تمام ان چیزوں کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے جس سے تمام عالم کی تربیت معلوم ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل کو بزرگی عطا کرنا، ان کو ہر طرح کی نعمتیں مرحمت کرنا، اولادِ اسمٰعیل میں نبی کو پیدا کرنا، کعبہ کو حرمت و عزت بخشنا، مکہ کے باشندگان کے لئے رزق رسانی کا وعدہ وغیرہ وغیرہ یہ سب تربیت عالم کے انواع مظاہر ہیں۔ پھر من وسلویٰ بنی اسرائیل کو عطا کرنا، ابر کا سایہ کرنا سلطنت زائلہ کا واپس ملنا۔ فرعون سے نجات حاصل ہونا وغیرہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی شرح ہے پھر گائے کو ذبح کرکے اس کے گوشت سے مقتول کی لاش کو مارنا اور اسکا زندہ ہوجانا اور اپنے قاتل کا نام بتانا اور بنی اسرائیل کی سرتابیوں پر طرح طرح کی سزا دینا اور کفار ومنافقین کا جہنم میں جانا یہ سب مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی توضیح ہے۔ پھر فرائض دینی کے ادا کرنے کا حکم تسبیح۔ تکبیر اور تہلیل وغیرہ کے مسائل، شرک وبت پرستی کی ممانعت، محبت الٰہی کی تعلیم وغیرہ یہ سب اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر ہے پھر قرآن کا متقیوں کے لئے ہدایت ہونا۔ اخلاق وفضائل کی وضاحت۔ احکام طلاق ونکاح وغیرہ اور صلہ رحمی، والدین کی اطاعت اور اقارب واحباب کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم سب اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی تفصیل ہے۔ پھر حضرت ابراہیم ویعقوب ودیگر انبیاء (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) کے اقوال واحوال اور ان پر انعام الٰہی ہونا وغیرہ سب صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی تشریح ہے اور فرعون کا غرق ہونا، نمرود کا حضرت ابراہیم کے مقابلہ میں تباہ ہونا اور یہود پر مصائب نازل ہونا سب غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کی توضیح ہے۔ خلاصہ یہ کہ جن مضامین کا سورۂ حمد میں اجمالاً بیان کیا گیا تھا ان کی تفصیل اس سورت میں کردی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے ہے جو نہایت بخشش والا بڑا مہربان ہے

الٓمّٓ ○ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○

الٓمّٓ یہ وہ کتاب ہے جس میں کچھ شبہ نہیں پرہیزگاروں کے لئے رہنما ہے

تفسیر

الٓمّٓ یعنی الف ۔ لام ۔ میم ۔ حضرت ابن مسعود رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کتاب الٰہی سے ایک حرف پڑھا اس کے واسطے ایک نیکی ہے اور اسکی نیکی کا ثواب دس گونا ہے لیکن میری مراد یہ نہیں ہے کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (ترمذی وغیرہ) حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ متشابہات میں بعض امور کیطرف اشارہ ہوتا ہے چنانچہ الم میں الف سے آلاءِ الٰہی ۔ لام سے لطف الٰہی اور میم سے ملک الٰہی کی طرف اشارہ ہے ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ الف سے اللہ ۔ لام سے جبرئیل اور میم سے محمد کیطرف اشارہ ہے یعنی یہ قرآن اللہ کیطرف سے جبرئیل ع کے واسطے سے محمد پر نازل ہوا ۔

ابن کثیر نے کہا کہ کل حروف مقطعات جو قرآن میں وارد ہیں اور انتیس سورتوں میں آئے ہیں بحذف مکرر ان کی تعداد صرف ۱۴ (چودہ) ہے جسکا مجموعہ نص حکیم قاطع لہ سر ہوتا ہے یعنی یہ کتاب حکیم حقیقی کیطرف سے متضمن اسرار ہے ۔ بعض اکابر نے بیان کیا کہ الف سے اَنَا لام سے اللّٰہ اور میم سے اَعْلَمُ کی طرف اشارہ ہے یعنی اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ یعنی میں معبود برحق ہوں اور سب سے زیادہ جاننے والا ہوں ۔

لیکن حق یہ ہے کہ متشابہات کی تاویل کوئی نہیں جانتا یہ خدا اور اس کے رسول کے درمیان رموز ہیں جن پر ہمارا ایمان لانا فرض اور ضروری ہے اور یہی ہمارا فرض ہے کہ ان سے جو کچھ بھی مراد ہو اسکو حق جانیں ۔ اور متشابہات صرف

حروف مقطعات نہیں بلکہ عذاب قبر کی کیفیت، شہیدوں کی حیات، جنت ودوزخ
کے احوال وغیرہ سب متشابہات میں ہیں اور ان پر ہمارا ایمان لازم ہے کیونکہ
ہماری عقل اور بینائی ان امور میں نابینا اور عنین کیطرح ہے۔ نابینا خود کو نہیں دیکھ
سکتا اس کو نہیں معلوم کہ روشنی کیسی ہوتی ہے بیان کرنے سے نور کی کیفیت اس
کی سمجھ میں نہیں آسکتی اسی طرح عنین کو کیفیت جماع صرف بیان سے حاصل نہیں
ہو سکتا یہ چیزیں وجدانی ہیں جن لوگوں کو خدا تعالیٰ مشاہدہ کرنے اور محسوس کرنے کی
قوت عطا کرے گا وہی جان لیں گے اس کے لئے بیان بیکار ہے۔ حدیثوں میں
بھی اس میں غور کرنے کی ممانعت آئی ہے حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کے
اقوال سے مختلف زجر آمیز روایات کا ثبوت ان لوگوں کے حق میں ملتا ہے جو متشابہات
میں گفتگو کرتے ہیں ہاں تفسیر کی علماء راسخین کو اجازت ہے۔ بہر حال ہم حروف مقطعات
کے اس تفسیر میں کوئی معنی بیان نہیں کرینگے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یعنی یہ وہی کتاب ہے جسکا گذشتہ کتابوں میں
وعدہ کیا گیا تھا اس کے حق اور سچا ہونے میں کسی عقلمند کو شبہ نہیں ہو سکتا بشرطیکہ
خواہشات نفسانی اور وساوس شیطانی کا خیال ترک کر کے خالص دل سے طالب
حق بن کر اسپر غور کرے۔ جو شخص ایسا کریگا اور صفائی دل، تہذیب نفس اور جذبات
صادقہ کے ساتھ حقانیت کی روشنی میں اسکو سوچے گا وہ ضرور سمجھ لیگا کہ اس
کتاب کے حق اور الہامی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور اسکو یقین ہوجائیگا
پہلی تمام الہامی کتابیں منسوخ ہوچکیں اور یہ ان کے لئے ناسخ ہے۔ اس کے مطالب
و مضامین اس قدر صاف اور سلجھے ہوئے ہیں کہ عقل انسانی ان کو یقینی طور پر
تسلیم کرتی ہے اور جس کتاب کے مضامین یقینی اور قطعی ہوں کسی قسم کے ریب اور شک
کو ان میں دخل نہ ہو وہ بلاشبہ منجانب اللہ ہوگی اسکی کیا وجہ ہے اس لئے کہ۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یہ کتاب پرہیزگار لوگوں کو راہ راست بتاتی ہے۔ اسکے مضامین اور قواعد
گمراہوں کو سیدھا راستہ بتانیوالے اور بھٹکے ہوؤں کو راہ پر لانے والے ہیں۔ محاسن اور اخلاق کی

یہ کتاب تعلیم دیتی اور افعال ذمیمہ سے روکتی ہے پھر عقلمند آدمی کو غور کرنے کے بعد اسکے الہامی ہونے میں کیا شک رہ جائیگا اور جنکی قسمت میں خدا تعالیٰ نے متقی بننا لکھدیا ہے وہ کسطرح اسکی حقانیت ہدایت اور مخزن کمال ہونے میں شبہ کر سکتے ہیں۔ تقویٰ کے کیا معنی ہیں اور متقی کس کو کہتے ہیں اسکی توضیح کے لئے مختلف احادیث آئی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ متقین سے یہی مومن مراد ہیں جو شرک سے بچتے اور طاعت الٰہی پر عمل کرتے ہیں۔

حسن بصری رحؒ فرماتے ہیں کہ متقی وہ لوگ ہیں جو حرام سے بچتے اور فرائض ادا کرتے ہیں۔

ترمذی میں ایک حدیث آئی ہے حضور والا صلعم نے ارشاد فرمایا بندہ متقین کے درجہ کو اسوقت پہونچتا ہے جب ان چیزوں کو بھی چھوڑ دیتا ہے جنمیں کوئی حرج نہیں ہے تاکہ ان چیزوں میں نہ پڑ جائے جن میں گناہ ہے۔

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں متقی وہ قوم ہے جو شرک و بت پرستی سے بچتی ہے خالص خدا ہی کی عبادت کرتی ہے۔

حضرت ابی ابن کعب نے فاروق اعظم سے کہا تھا کہ جسطرح خاردار راستہ میں سے دامن سمیٹ کر کوشش کے ساتھ آپ نکلجاتے ہیں بس یہی حالت متقی کی ہوتی ہے۔

حضرت ابو درداء رضؓ سے مروی ہے کہ کامل تقویٰ یہ ہے کہ بندہ اپنے خدا کے خوف حجاب سے پرہیز رکھے اگرچہ ایک ذرہ برابر ہو یہاں تک کہ بعض ایسی چیزیں ترک کردے جن کو حلال جانتا ہو لیکن دغدغہ حرام کیوجہ سے خوف کرتا ہو کہ شاید یہ چیز اس کے اور اللہ تعؒ کے درمیان حجاب ہو جائے۔ یہی معنی ایک جماعت صحابہ و تابعین سے مروی ہیں در حقیقت تقویٰ کے عرف شریعت میں یہ معنی ہیں کہ بندہ اُن چیزوں کو ترک کردے جو آخرت میں اس کے لئے مضر ہیں۔ اور اس کے تین درجات و مراتب ہیں۔

(۱) شرک و کفر نہ کرے اور دائمی عذاب سے بخوف ہو جائے اس لحاظ سے خواہ وہ کیسا ہی ہو متقی کہہ سکتے ہیں (۲) ہر قسم کے گناہ سے بچنا خواہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ (۳) سوائے خدا تعؒ کے اور کسی کا خیال بھی دل میں نہ لانا تمام خطرات اور خیالات سے آئینہ دل کو صاف کرے ہمہ تن جمال جہان

آرام میں محو ہو جانا۔ یہ تقویٰ حقیقی تقویٰ ہے اور اس مرتبہ کے متقی صرف انبیاء و اولیاء ہوتے ہیں
آیت مذکورہ میں تقویٰ کے تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ قرآن سے اعلان توحید، ترک صغائر و کبائر اور فنا فی الذات ہونے کے مطالب و مضامین اخذ کئے جاتے ہیں۔
آیت کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ کتاب الٰہی کافروں کو توحید کا راستہ دکھانے والی فاسقوں اور گناہ گاروں کو صغائر و کبائر سے بچنے کی ہدایت کرنے والی اور صالحین کو اولیاء شہداء اور صدیقین کے مراتب تک پہونچنے کا طریقہ دکھانے والی ہے پھر کسطرح اس کی حقانیت و اعجاز میں شک ہو سکتا ہے۔

مقصود بیان: پہلی کتابوں میں جس کتاب الہامی کا وعدہ کیا گیا تھا وہی قرآن ہے۔ آدمی کو اس میں غور و خوض کر کے اسکی خوبیاں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے جو سمجھدار اور فہیم طبقہ ہے اگر وہ غور سے کام لے تو پھر اسکو قرآن کی صداقت و حقانیت اور ہادی ہونے میں شک نہیں ہو سکتا۔ قرآن کے اندر ہر طبقہ کے انسانوں کے لئے مواد ہدایت موجود ہے۔ انسان ترقی کر کے ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک پہونچ سکتا ہے مسلمان کو چاہیے کہ پہلے نواہی سے پرہیز رکھے اور امر کا پابند ہو پھر مشتبہات اور مشکوکات کو بھی چھوڑ دے تاکہ صلحاء کے درجہ تک رسائی ہو پھر ان حلال چیزوں سے بھی کنارہ کش ہو جائے جو معرفت الٰہی سے حجاب ہو جانے کا ذریعہ قرار پا سکتی ہوں۔ اسکے آگے ماسواء اللہ کو ترک کر دے کوئی شخص بغیر اتقاء کے مسلمان نہیں ہو سکتا بغیر طلب حق کے ہدایت مجسم سے رہنمائی نہیں ہو سکتی۔ طلب صادق حصول حقانیت کے لئے شرط ہے۔ جو شخص طلب صادق رکھتا ہے اور متقی بننا چاہتا ہے اسکو خدا الغرض اس قرآن کے ذریعہ راہ راست دکھا دیتا ہے وغیرہ۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

متقی وہ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

میں سے کچھ اللہ کی راہ میں دیتے ہیں

تفسیر یعنی متقی وہ لوگ ہیں جن کے عقائد درست ہوں جو چیزیں ان کو آنکھوں سے نظر نہیں آتیں ان پر بھی ان کا ایمان ہو، بدنی اور مالی فرائض ادا کرتے ہوں اوامر و نواہی کے پابند ہوں خلاصہ یہ کہ ان کی قوت نظریہ اور عملیہ دونوں صحیح ہوں آیت مذکورہ کے تین ٹکڑے ہیں۔ ہم ہر ایک کی تفصیل علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

(۱) ایمان بالغیب۔ غیب اس چیز کو کہتے ہیں جو نظر سے غائب ہو اور اس کے مدارج مختلف اشخاص کے لئے مختلف ہوتے ہیں عام آدمیوں کے لئے خدا تعالیٰ ملائکہ۔ کتابیں رسول، روز قیامت۔ تقدیر الٰہی، عذاب قبر، دوزخ، جنت، حشر نشر، پل صراط، میزان وغیرہ سب غیب کا حکم رکھتی ہیں۔ لیکن جسقدر مراتب میں ترقی ہوتی جائیگی انکشاف بڑھتا جائیگا تو جو چیز غیب میں داخل تھی پھر اسکا مشاہدہ ہونے لگے گا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معراج میں دوزخ جنت حور قصور وغیرہ کو دیکھ لیا تو اس وقت آپکے واسطے یہ غیب نہیں رہا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو جن جن چیزوں کا انکشاف عطا فرمادیا تو وہ چیزیں بھی معائنہ میں داخل ہوگئیں اگرچہ ہمارے لئے وہ غیب کا حکم رکھتی ہیں۔ ابوالعالیہ نے اس غیب سے جو آیت میں مذکور ہے ہستی باری تعالیٰ، ملائکہ۔ آسمانی کتابیں رسول روز آخرت جنت، دوزخ اور حشر مراد لیا ہے۔ حضرت قتادہ رضؓ کہتے ہیں کہ صحابہ کی ایک جماعت کے نزدیک جنت دوزخ کا حال جو قرآن میں مذکور ہے سب غیب میں داخل ہے۔

(۲) اقامت صلوٰۃ۔ حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ نماز کی اقامت یہ ہے کہ اسکا رکوع اور سجدہ پورا کیا جائے اچھی طرح تلاوت کیجائے اور خشوع وخضوع سے نماز میں توجہ کیجائے حضرت قتادہ رضؓ نے اور زیادتی کی ہے کہ نماز کے اوقات کی پابندی اور وضو کا التزام بھی رکھے۔ ابن حبان نے درود اور التحیات کو بھی اس میں داخل کیا ہے اور درحقیقت نماز تمام بدنی عبادتوں کی جڑ ہے۔ اس کے التزام سے تمام گناہوں کی رغبت مٹ جاتی ہے اور ممنوعہ کا ارتکاب انسان چھوڑ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں نماز کو اسلام اور کفر کے درمیان فارق قرار دیا ہے۔

(۳) اداءِ صدقہ صحابہؓ پر ابتدا ہی سے زکوٰۃ فرض ہوئی تھی لیکن اس کی کوئی خاص مقدار واجب نہ تھی بلکہ رسول پاکؐ نے جب مدینہ کو ہجرت کی تو اسوقت میں بھی آدمی کے خرچ سے جو کچھ فاضل بچتا تھا اسکو صدقہ کر دینا واجب تھا پھر ہجرت کے دوسرے سال تخفیف فرما کر زکوٰۃ کی مقدار معین کر دی۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ آیت مذکورہ میں زکوٰۃ ادا کرنی مراد ہے لیکن ابن عباسؓ کے دوسرے قول نیز ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی بچوں کو نفقہ دینا آیت میں مراد ہے ابن جریرؓ کہتے ہیں کہ آیت میں یہ مراد ہے کہ متقین وہ شرعی حقوق جو مال سے تعلق رکھتے ہیں ادا کرتے ہیں خواہ فرض زکوٰۃ ہو یا متعلقین کے مصارف یا اقارب و اجانب کے اداءِ حقوق سب اسمیں شامل ہیں۔

آیت مذکورہ کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ متقی لوگ خصائل حمیدہ اور شمائل پسندیدہ کے حامل ہوتے ہیں، امور منکرہ اور احکام ممنوعہ سے پرہیز رکھتے ہیں، وہ خدا کا حق بھی ادا کرتے ہیں اور بندوں کا بھی۔ ان کا عقیدہ بھی صحیح ہوتا ہے اور اعمال و اقوال بھی۔ وہ عبادات بدنی بھی کرتے ہیں اور حقوق مالی بھی ادا کرتے ہیں۔

مقصود بیان: مومن کا عقیدہ درست ہونا چاہیئے فرائض مذہبی اسکو ادا کرنا چاہئیں اور محرمات سے پرہیز رکھنا ضروری ہے۔ ایمان تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ نماز تمام بدنی عبادات کی سردار ہے۔ اسی کے اندر روزہ بھی داخل ہے کیونکہ نماز کے اندر وہ کام چیزیں ممنوع ہیں جو روزہ کی حالت میں ممنوع ہیں زکوٰۃ بھی اسلام کا ایک ضروری جز ہے۔ تقویٰ کسی کی میراث نہیں بلکہ جس کے عقائد و اعمال صحیح ہونگے وہ متقی ہے۔ راہ خدا میں اگر مال دیا جائے تو اعتدال کا لحاظ رکھنا چاہیئے ایسا نہ کیا جائے کہ کل مال دیکر آدمی خود فقیر ہو جائے آدمی کو اپنی ذات و علاوہ علیہ کی تکمیل ضروری ہے۔ درحقیقت دینے والا خدا ہے۔ دینے والے کو بھی خدا ہی نے دیا ہے

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ

اور جو آپ پر اُتاری ہوئی کتاب (قرآن) پر اور جو کتابیں آپ سے پہلے (دوسرے نبیوں پر) اُتاری

مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

گئیں (سب پر) ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کا بھی وہ یقین رکھتے ہیں

تفسیر يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ سے خدا تعالیٰ کی ذات وصفات وجود ملائکہ، کتب الٰہیہ اور روز قیامت پر ایمان لانا مراد تھا۔ آیت مذکورہ میں اس عام معنی کے ایک حصہ کی خصوصیت کے ساتھ تصریح کر دی تاکہ یہود و نصاریٰ کے دعویٰ کی تردید ہو جائے کہ ہمارا بھی کتب سماویہ پر ایمان ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ غیب پر ایمان لانیوالے متقی وہ لوگ ہیں جن کا ایمان خدا کے تمام صحیفوں پر ہے جو وحی آپ پر نازل ہوئی ہے اسپر بھی اور جو وحی گذشتہ پیغمبروں پر بھیجی گئی تھی اسپر بھی ہو اور وحی عام ہے خواہ یہی وحی متلو ہو جسکو جبرئیل علیہ السلام خدا کی طرف سے بالفاظ مقررہ ادا کرتے تھے یا وحی غیر متلو ہو اور بلا توسط جبرئیل علیہ السلام اور بلا تخصیص الفاظ صرف دل میں القا ہوا ہو یا انکشاف ربانی ہو یا الہامی مضامین ہوں جنکو مختلف پیغمبروں نے اپنی عبارتوں میں تعبیر کر کے لکھوا دیا تھا بہرحال ان تمام صحیفوں، کتابوں الہاموں اور انکشافوں کو وہ لوگ برحق مانتے ہیں اور آخرت پر بھی ان کو یقین کامل ہے۔ دنیا کے رنج و راحت کو وہ ہیچ سمجھتے ہیں ایسے لوگ ہی ایمان بالغیب رکھنے والے ہیں۔ یہود و نصاریٰ مؤمن بالغیب نہیں ہیں کیونکہ یہودیوں کا ایمان نہ انجیل و قرآن دونوں پر نہیں ہے اور عیسائی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے اور ایمان بالغیب اسوقت تک کامل نہیں ہوتا جبتک کل آسمانی وحی پر ایمان نہ ہو

مقصود بیان:- ایمان بالغیب کی کیفیت کا بیان اور اس کے حصول کی ترغیب یہود و نصاریٰ مومن بالغیب نہیں ہیں۔ آخرت ہی درحقیقت یقین کے قابل ہے اور دنیا کے لذائذ و مصائب تو فانی اور زوال پذیر ہیں ان پر یقین اور بھروسہ نہ کرنا چاہئے۔

أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

یہی لوگ اپنے پروردگار کے سیدھے رستہ پر ہیں اور یہی لوگ کامیابی حاصل کرنیوالے ہیں

تفسیر جب خدا تعالیٰ متقیوں کے اوصاف گذشتہ آیات میں بیان کر چکا اور سعادت کی مکمل تفصیل ختم ہو گئی تو اب اس سعادت کے نتیجہ کو اس آیت میں ذکر کر رہا ہے یعنی پہلے یہ بیان کیا کہ قرآن سے پرہیزگاری حاصل ہوتی ہے اور پرہیزگاری خدا کی ہدایت ہے اور خدا کی ہدایت کا نتیجہ ہے وہ اس آیت میں مذکور ہے کہ فلاح دارین حاصل ہوتی ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن متقین کا اوپر بیان ہو چکا وہی اپنے رب کی جانب سے ہدایت کاملہ پر ہیں اور انہی کو دین و دنیا میں کامیابی حاصل ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ آیت میں ہدایت سے مراد نور و استقامت ہے اور فلاح سے مراد خیر و خوبی کا حصول اور بدی سے نجات ہے۔ یعنی انہی لوگوں کو خدا کی طرف سے نور و استقامت حاصل ہے اور انہی کو ہر بدی اور برائی سے نجات ملتی ہے اور یہی کامیاب ہونگے۔

مقصود بیان :۔ ہر نور استقامت اور ہدایت خدا کی طرف سے حاصل ہوتی ہے۔ مسلمان کو چاہیئے کہ خدا ہی سے استقامت اور ہدایت کے حصول کی دعا کرے۔ متقی ہی آخرت میں صاحب فلاح ہونگے جن لوگوں کو خدا کی طرف سے دنیا میں ہدایت حاصل ہوتی ہے وہی آخرت میں کامیاب ہونگے۔ وجود فلاح ہدایت پر مترتب ہے آیت میں اس امر کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ جسطرح تربیت جسمانی کرتا اسی طرح اپنی ہدایت سے تربیت روحانی بھی کرتا ہے۔ لہٰذا مسلمان کو جسمانی اور روحانی پرورش کے لیے چھوٹا سا چھوٹا سوال بھی اسی سے کرنا چاہیئے۔ آیت میں ایک بلیغ ترین پیرایہ میں نفقہ کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ

یہ یقینی امر ہے کہ کافرین و منکرین کو خواہ آپ (عذاب الٰہی سے) ڈرائیں یا نہ ڈرائیں

لَا يُؤْمِنُونَ ۝ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰٓ

وہ تو ایمان لائینگے نہیں (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے اُنکے دلوں اور انکے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور

أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ ع ۲

انکی آنکھوں پر پردہ ہے اور (آخرت میں) ان کے لئے بڑا عذاب ہے

تفسیر آیت خَتَمَ اللّٰہُ ولید بن مغیرہ۔ عتبہ۔ شیبہ اور ابوجہل وغیرہ کفار کے بارہ میں نازل ہوئی جن کی موت اللہ کے ازلی علم میں کفر پر ہی تھی۔

جبکہ خدا تعالیٰ نے سعیدو حیں رکھنے والوں کا حال اور نتیجہ بیان فرمادیا تو مزید توضیح کے لئے اہل شقاوت کا حال و مآل بیان کرنا شروع کیا تاکہ دانشمند طبقہ اول الذکر فرقہ کے حال و مآل کو پڑھ کر اسکی طرف راغب ہو اور مؤخر الذکر فرقہ کی حالت و نتیجہ پر غور کر کے اس سے اعراض و گریز کرے اور چونکہ اہل شقاوت دو طرح کے تھے ایک تو وہ جو کھلم کھلا حق کے مخالف تھے جنکو کافر کہا جاتا تھا اور دوسرے وہ جو ظاہر میں تو اہل حق کے موافق تھے اور باطن میں ان کے مخالف تھے مسلمانوں سے بالکل تضاد اور لگاؤ کافروں ہی کو تھا کیونکہ مسلمان ظاہر و باطن دونوں حالتوں میں مومن ہوتا ہے اور کافر دونوں حالتوں میں مخالف اور منکر ہوتا ہے اس لئے آیت میں پہلے کفار کا حال بیان فرمایا۔ گذشتہ آیات میں فرمایا تھا کہ قرآن متقین کے لئے ہدایت ہے کافروں کے لئے نہیں، حالانکہ ضرورت اس امر کی تھی کہ کافروں کے لئے ہدایت ہو کیونکہ متقی تو خود ہدایت یافتہ ہیں ان کو ہدایت کی کیا ضرورت۔ آیات مذکورہ میں ایک استدلالی اور برہانی صورت میں اس خیال کی تردید فرمائی مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کسی وجہ سے کفر یا شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں یا گناہوں کا زنگ ان کے دلوں پر چڑھ گیا ہے لیکن درحقیقت وہ نور ازلی سے محروم نہیں ہیں انکو ضرور قرآن سے ہدایت ہو گی اور وہ شرک کفر اور معاصی سے کنارہ کش ہو کر ضرور راہ راست پر آجائیں گے لیکن جو لوگ ازلاً نور الٰہی سے محروم ہیں ازلی بدنصیب ہیں انکو تم اتمام حجت کے لئے کتنا ہی عذاب الٰہی سے ڈراؤ لیکن ان کو نہ قرآن سے راہ راست مل سکتی ہے نہ تمہارے خوف دلانے سے ان کے دلوں میں خوف پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ یہ لوگ ازلی بدنصیب ہیں ان کے دلوں پر معاصی اور تمرد کے زنگ چھائے ہوئے ہیں یہ نظر صحیح سے اعراض کرنے اور گمراہی میں منہمک رہتے ہیں کفر و معاصی کو پسند کرتے اور ایمان سے نفرت کرتے ہیں اسی بنا پر ان کے دلوں کے اندر حقانیت و صداقت کا نفوذ نہیں

ہو سکتا ان کے کان حق بات کے سننے سے نفرت کرتے ہیں اور آنکھیں نابینا ہیں آیات بینات اور قدرت الٰہی کو نہیں دیکھ سکتی ہیں، جب ان کی یہ حالت ہے تو خدا نے بھی ان کے دلوں پر غفلت جہالت اور شقاوت کے پردے ڈالدیئے! ان کے کانوں کو بہرہ کر دیا اور آنکھوں کی بینائی چھین لی ۔ پس اب مہر الٰہی کی وجہ سے ان کے دل بہائم کے ایسے دل ہو گئے ۔ حق وصداقت تبلیغ وتعلیم اور انذار وہدایت ان کے لئے بے سود ہے نہ آنکھوں سے ان کو حقانیت دکھتی ہے نہ کانوں سے سچائی کی باتیں سن سکتے ہیں نہ عقل حواس اور مشاعر سے درک حقیقت کر سکتے ہیں کیونکہ تم اور قرآن حقائق اشیاء کو بدل نہیں سکتے ۔ جو ازلاً نور الٰہی سے محروم ہیں ان کو یہاں کون منور کر سکتا ہے ورنہ تمہاری تبلیغ اور قرآن کی ہدایت میں کوئی قصور نہیں لیکن ازلی بدقسمتوں کو بھلائی نصیب نہیں ہو سکتی جبلی کجروی اور طبعی تاریکی ان کو کفر ومعصیت کیطرف بیخودی کی حالت میں دوڑاتی ہے امور فطرت سے ان کو دلی نفرت ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں اور کسی طرح حق وصدق کی قابلیت ان میں باقی نہیں رہی ۔ اب لامحالہ ان کے لئے تکلیف دہ اور اذیت رساں عذاب تیار ہے جس سے کسی طور پر ان کو رہائی نہیں مل سکتی ۔ وہ اسکی سزا ضرور بھگتیں گے ۔

مقصود بیان :۔ سعادت وشقاوت ازلی اور فطری چیز ہے جو ازلاً شقی ہے اسکو تمام نصائح بے سود ہیں ۔ خدا تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا ۔ جو شخص کفر وگناہ سے دلی محبت اور نور وایمان سے قلبی نفرت رکھتا ہے خدا تعالیٰ بھی اسکو گمراہ کر دیتا ہے ۔ سعادت و شقاوت کی پیدائش خدا کے حکم سے ہے لیکن ان کے اسباب کا ارتکاب کر کے بندہ خود ان دونوں میں سے کسی ایک کا مستحق بن جاتا ہے ۔ آیت میں اخبار بالغیب واقعی پیشگوئی اور کفر وشرک سے ترہیب بھی ہے اس امر کی طرف ایک لطیف ترین اشارہ بھی ہے کہ محرومان قسمت کے رہنمائی کے تینوں ذرائع بیکار ہوتے ہیں نہ تو ان میں خود ہی اتنی عقل ہوتی ہے کہ غور کر کے راہ راست اختیار کریں نہ ان کی آنکھوں میں اسی قوت بینائی ہوتی ہے کہ آیات الٰہی اور تماشائے قدرت کو

دیکھ کر حق و باطل کا امتیاز کر سکتے ہوں اور نہ ان کے کانوں میں ایسا مادہ شنوائی ہوتا ہے جس سے مخبر صادق کے کلام حق کو سن سکیں فَخَسِرُوْا خُسْرَانًا مُّبِیْنًا جب خدا تعالیٰ کفار کے احوال بیان کر چکا تو اب گمراہوں کے دوسرے فرقے یعنی اہل نفاق کی حالت بیان فرماتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور

بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

روز قیامت پر بھی حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں

تفسیر مدینہ میں کچھ لوگ ایسے تھے جو بظاہر مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم اللہ رسول اور روز قیامت پر ایمان لے آئے اور مسلمان ہو گئے اور اس سے مقصود ان کا صرف یہ تھا کہ مسلمانوں میں ملکر دنیوی منافع سے بہرہ اندوز ہوں اور ان تمام سختیوں سے محفوظ ہو جائیں جو کفار پر ہونے والی تھیں۔ یہ گروہ منافقین کا تھا اور ان میں سرگروہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے سے قبل اہل مدینہ نے بالاتفاق اسکو مدینہ کا سردار بنانا چاہا تھا۔ لیکن جب حضور گرامی تشریف لے آئے اور لوگوں کی مردہ تاریک روحوں میں نئی زندگی کی روشنی پیدا کر دی تو اسوقت ابن ابی کا کوئی اعزاز اور امتیاز قائم نہ رہا۔ اسی بنا پر اس شخص کو اہل اسلام سے حسد اور بغض پیدا ہو گیا۔ مگر غلبۂ اسلام کی وجہ سے یہ اپنے خبث باطن کو ظاہر نہ کر سکا اور لوگوں کے ساتھ خود بھی بظاہر مسلمان ہو گیا لیکن یہ اور اس کے رفیق بیہود در پردہ اسلام کی بیخ کنی کرتے رہے اور آفتاب پر خاک ڈالکر چھپانے کی کوشش کرنے لگے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ منافقین قبائل اوس اور خزرج کے بعض افراد تھے اور یہی قول ابو العالیہ، حسن، قتادہ اور سدی وغیرہ ہے۔ بہرحال آیت مذکورہ منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مدینہ اور اطراف مدینہ کے رہنے والے تھے

آیت کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ یعنی منافق کہتے ہیں کہ ہم خدا اور روز قیامت
پر ایمان لے آئے اور احکام میں مسلمانوں کیطرح ہو گئے۔ حالانکہ یہ لوگ نہ تو پہلے ایمان لائے
نہ اب آئندہ مومن ہو سکتے ہیں۔ یہ مومنین کے دائرہ سے ہی خارج ہیں نہ ان کا خدا
پر ایمان ہے نہ قیامت پر نہ نبی و قرآن پر۔

مقصود بیان:۔ منافقوں کی حالت کی مزید توضیح فرمائی تاکہ سچے ایمانداروں
کو ان کے افعال و اقوال دیکھکر دہوکہ نہ ہو۔ جو شخص زبان سے اسلام اور ایمان ظاہر
کرے مگر دل میں بالکل منکر ہو وہ مومن نہیں جو شخص دلمیں متردد اور مذبذب ہو اور
زبان سے اقرار اسلام کرے وہ بھی منافق ہے۔ جس شخص کے دلمیں حُب دنیا طلب عزۃ
جاہ اور غلبہ شہوات کی وجہ سے تصدیق اور یقین نہ ہو اور دنیا کے منافع و مصالح ایمان
پر مقدم سمجھتا ہو وہ بھی مومن نہیں اگرچہ بظاہر اسلامی احکام اور شرائع اسلام سے بجا لاتا ہو

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ

یہ لوگ اللہ سے اور مؤمنین سے دغابازی کرتے ہیں اور (واقع میں) وہ سوائے اپنے

اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○

آپ کے اور کسی کو دغا نہیں دیتے اور ان کو سمجھ نہیں

تفسیر یہ گزشتہ آیت کا تتمہ ہے۔ پہلی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ یہ لوگ مومن نہیں ہیں
اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ دہوکے باز ہیں خدا سے اور مسلمانوں سے
فریب کرتے ہیں حالانکہ درحقیقت یہ اپنے آپ کو دہوکہ دے رہے ہیں لیکن ان کو اسکا
شعور نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ منافق خدا اور مسلمانوں کو دہوکا اور فریب دینا چاہتے ہیں
کہ خبث باطن کے باوجود اظہار اسلام کرتے ہیں اور فی الحقیقت یہ اپنے آپ کو فریب
دے رہے ہیں۔ خدا علام الغیوب ہے اسکو یہ دہوکا نہیں دے سکتے اور نہ مسلمانوں کو فریب دے سکتے
ہیں خدا انکو مسلمانوں کو انکی مکاری کی اطلاع دیتا رہیگا۔ مکر کا اثر نہ خدا پر پڑسکتا ہے نہ مسلمانوں
پر بلکہ الٹا انہی پر پڑیگا۔ دنیا میں بھی انکی رسوائی اور ذلت ہوگی اور آخرت میں بھی عذاب الٰہی

سے ہمکنار ہونا پڑے گا لیکن اس بدیہی بات کا ان کو احساس و شعور بھی نہیں یہ نہیں جانتے کہ خدا کو کون دہوکا دے سکتا ہے اور مکر کرنے سے اپنا ہی نقصان ہے انتہا رجہالت سے اتنی موٹی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

مقصود بیان: جو لوگ مسلمانوں اور صوفیوں کی ایسی شکل بنا کر لوگوں کو دہوکہ دینا چاہتے ہیں وہ خود اپنا نقصان کرتے ہیں دہوکہ بازی قطعاً حرام ہے خصوصاً احکام اسلام میں دہوکہ بازی کرنی سخت جرم ہے وغیرہ۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ

انکے دلوں میں (شک اور نفاق کی) بیماری ہے سو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا ہے

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝

اور ان کو دردناک عذاب اس وجہ سے ہوگا کہ وہ (آیات خداوندی کو) جھٹلاتے تھے

تفسیر یہ گذشتہ آیت کی علت ہے پہلی آیت میں ذکر کیا گیا تھا کہ یہ لوگ اگرچہ ایمان کے مدعی ہیں لیکن درحقیقت یہ مومن نہیں ہیں صرف فریب دہی انکا اصل مقصد ہے لیکن فریب دہی کا وبال انہی کیطرف عائد ہونیوالا ہے کیونکہ انکے دل بیمار ہیں الخ

علماء تابعین مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، حسن بصری، قتادہ، ربیع بن انس اور ابوالعالیہ وغیرہ کے نزدیک آیت مذکورہ میں مرض سے مراد دل کا مرض یعنی شک و نفاق ہے عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ مرض سے مراد جسمانی بیماری نہیں بلکہ دینی مرض مقصود ہے کیونکہ جسطرح بدنی بیماری سے بدن کمزور ہوجاتا ہے اسی طرح دین میں شک کرنے سے دین ضعیف ہوجاتا ہے اور جسطرح معمولی بیماری موت اور زندگی کی بیچ کی حالت ہے اسی طرح نفاق بھی کفر و اسلام کے بین بین حالت کا نام ہے اسی لئے نفاق کو مرض فرمایا وجہ یہ ہے کہ منافقوں کے دل نفاق کیوجہ سے مریض تو تھے ہی اب جوں جوں قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں اور انہوں نے ان آیات کو دل سے نہیں مانا تو ان کا مرض نفاق دن بدن بڑھتا ہی گیا آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ انکی فریب بازی کیوجہ صرف یہ ہے کہ انکی فطرت میں تحت وسلامتی نہیں اور دل پر مرض

تنگ عارض ہے لہذا جقدر فطرت کو درست کرنے والی اور روح کو صحت بخشنے والی باتیں رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی گئیں اور انہوں نے ان سے خلاف ورزی کی تو ان کے اس اصلی مرض کو ترقی ہوتی گئی اور جسطرح جسمانی امراض کا نتیجہ موت ہے اسی طرح روحانی امراض کا ثمرہ اس عالم میں عذاب الیم ہے۔

بات یہ ہے کہ آسمانی پانی ہر درخت اور تخم کی بالیدگی اور نشو و نما کا باعث ہے مگر کسی درخت میں اسی پانی سے کانٹے اور کڑوے پھل پیدا ہوتے ہیں اور جس کا تخم اچھا ہوتا ہے اس سے عمدہ اور خوشبودار پھل نکلتے ہیں، اسی طرح قرآن کریم سے مومنوں کو شفا اور کج فطرت رکھنے والوں کے لئے زیادتی مرض کا سبب ہوتا ہے اور اسکی وجہ صرف انکی فطری تکذیب ہوتی ہے۔

مقصود بیان:۔ ہدایت و گمراہی یا سعادت و شقاوت محض اصلی استعداد اور سرشتی قابلیت کے موافق ہوتی ہے ازلی بیماروں کا مزاج فاسد ہوتا ہے ان سے ویسے ہی افعال ناشائستہ سرزد ہوتے ہیں تمام امور کا خالق خدا ہے گو بظاہر ان امور کی اسناد مختلف ظاہری اسباب کیطرف ہوتی ہے اس امر کیطرف بھی ایک نازک ترین اشارہ ہے کہ بندہ اپنے افعال میں مجبور نہیں ہے بلکہ اختیار رکھتا ہے اور اسی اختیار کیوجہ سے وہ سزا جزا کا مستحق ہوتا ہے، جھوٹ بولنا حرام ہے تکذیب قرآن سے روح بیمار ہو جاتی ہے ہر عمل کی جزا یقینی ہے، خدا ظالم نہیں ہے کہ بن کئے کسی کو عذاب دے بلکہ عذاب کا سبب صرف اعمال ہیں، منافق کا درجہ کافر سے بدتر ہے کافر کو صرف ایک قلبی بیماری ہوتی ہے اور اسکی سزا بھی آخرت میں ملیگی، منافقوں کے دلوں میں دو ہوتی ہیں لہذا سزا بھی دوگنی ملتی ہے آخرت میں جو سزا ملیگی وہ تو بہرصورت کافروں کی سزا سے بڑھکر ہے باقی دنیا میں بھی انکو سزا ملتی ہے جس دین کو دل نہیں چاہتا اسکو بکراہت خاطر قبول کرنا پڑتا ہے اور پھر بادل ناخواستہ جہاد میں شریک ہونا پڑتا ہے اور جبراً اپنے خیر خواہوں سے لڑنا پڑتا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم ملک میں فساد مت پھیلاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم تو (بھلائی اور)

مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝

اصلاح کرتے ہیں درحقیقت یہ لوگ فسادی ہیں لیکن شعور نہیں رکھتے

تفسیر ابن عباس رضؓ ابن مسعودؓ اور دیگر بعض صحابہ کا قول ہے کہ آیت مذکورہ میں فساد سے مراد کفر و معصیت ہے ابو العالیہ کہتے ہیں منافقین کا فساد یہ تھا کہ وہ گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے کیونکہ آسمان و زمین کی صلاحیت تو خدا تعالیٰ کی طاعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ ربیع بن انس، مجاہد اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر نے فساد کے ایک عام معنی بیان کئے ہیں وہ یہ کہ منافقوں نے جب ملک میں خدا کی نافرمانی پھیلائی اور جن امور سے ان کو منع کیا گیا تھا ان کا ارتکاب کیا فرائض الٰہی کو ادا کیا دین اسلام میں شک پیدا کیا۔ مسلمانوں کی تکذیب کی اور جب کبھی موقع آیا کافروں کی امداد کی تو اس سے ملک میں فساد پیدا ہوا جسکو وہ اپنی دانست میں اصلاح سمجھے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ منافقوں پر قلبی مرض یہاں تک غالب آگیا ہے کہ ان کو نیک و بد میں بھی تمیز نہیں رہی کیونکہ جب مسلمان یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خدا تعالیٰ ان سے فرماتے ہیں کہ تم ملک میں فساد نہ ڈالو دوغلا پن نہ کرو اسلام کی تکذیب سے کنارہ کش ہو جاؤ باطن میں بھی کافروں کے طرفدار نہ بنو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو بھلائی اور اصلاح کرتے ہیں حالانکہ درحقیقت یہ لوگ مفسد ہیں ہمیشہ فساد کرتے رہتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا فساد ہو سکتا ہے کہ ان کے دوغلے پن سے کافر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اسلام میں کوئی نور و خوبی نہیں ہے یہ لوگ اسلام میں داخل ہو کر بھی برابر معصیت میں مبتلا ہیں اور اندرونی طور پر ہماری طرف مائل ہیں اگر اسلام میں خوبیاں ہوتیں تو یہ کیوں ہماری طرف رجحان رکھتے ادھر مسلمانوں کو بھی ان کی ذات سے ضرر پہنچتا تھا کہ ایک مدعی اسلام کو بیباک دیکھکر دوسروں کے دلوں سے بھی خوف مٹ جانے کا اندیشہ ہوتا تھا۔ لہٰذا منافق دونوں طرف فساد برپا کرتا تھا کافروں کے اندر بھی غلط فہمی پھیلاتا تھا اور مسلمانوں

کو بھی ورغلاتا تھا۔

مقصود بیان:۔ احکام الٰہی کی پابندی اور اخلاق کی درستی سے عالم میں اصلاح ہوتی ہے اور گناہوں کے ارتکاب سے انتظام عالم میں خلل آتا ہے۔ جب انسان اپنے عیب کو عیب نہیں سمجھتا تو تباہ ہو جاتا ہے شعور و احساس کا فوت ہونا بری بلا ہے۔ کافروں سے دینی معاملات میں دلی دوستی کرنا قطعاً حرام ہے دوغلے پن کا نتیجہ سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں نکلتا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم (بھی) ایمان لاؤ جسطرح (اور) لوگ ایمان لائے ہیں (تو) کہتے ہیں

أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ

کیا ہم بھی ایمان لے آئیں جس طرح بے وقوف ایمان لے آئے ہیں سمجھ لو یقیناً

هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ○

یہی بے وقوف ہیں لیکن جانتے نہیں

تفسیر اس آیت میں منافقوں کی حالت کا بیان ہے یعنی جب منافقوں سے ناصح کہتا ہے کہ صحابہ کیطرح تم بھی سچے دل سے خدا تعالیٰ پر، ملائکہ پر، خدا کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر روز قیامت اور جنت و دوزخ وغیرہ پر ایمان لاؤ فتنہ و فساد ترک کر دو ان فانی لذات سے کنارہ کش ہو جاؤ اور مردان خدا کیطرح عالم فانی کو چھوڑ کر عالم باقی کو اختیار کرو اور غیر فانی لذتوں کے حصول کیلئے تن من دھن سب کچھ قربان کر دو۔ تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بیوقوفوں کیطرح ایمان لے آئیں خیالی جنت و دوزخ کیلئے مقاصد دنیا چھوڑ بیٹھیں دنیا دین سے مقدم ہے آخرت کی نعمتیں کس نے دیکھی ہیں جسکو یہاں عیش و آرام ہے بس ہر جگہ عیش و آرام ہے یہ لطف زندگانی یہ مزے اور یہ جلسے کون چھوڑے ادھار

ہر نقد کو کون ہاتھ سے دے یہ لوگ تو احمق ہیں کہ دنیوی عیش و آرام اور چین و راحت چھوڑ کر شب و روز ایک موہوم خدا کی یاد میں موہومی مقاصد کے لئے مشغول ہیں اپنے منافع پر بھی نظر نہیں کرتے تمہارے لئے تو یہی مناسب ہے کہ دنیا سازی سے کام لیں ایک طرف ہو جانا عقلمندی کے خلاف ہے اپنی قوم سے بھی ملے رہیں اور مسلمانوں سے بھی کیونکہ اگر مسلمان مغلوب ہو گئے تو برادری والوں کی نظر سے نہیں گریں گے اور اگر مسلمانوں کا دور دورہ ہوا اور ان کا وقت آیا تو بھی ہمارا مدعا ہاتھ سے نہ جائیگا۔ اسکی تردید میں خدا تعٰ فرماتا ہے کہ در حقیقت احمق و بیوقوف یہی لوگ ہیں انجام بین نہیں، عاقبت اندیش نہیں، فانی اور زوال پذیر لذتوں کو لازوال نعمتوں پر مقدم سمجھتے ہیں اس عالم بقا کے مقابلے میں جسکا زمانہ غیر متناہی ہے ان لذائذ فانیہ پر مفتون و فریفتہ ہونا اور اس یقینی امر کے لئے تیاری نہ کرنا نہایت حماقت و سفاہت ہے۔ جسطرح نادان بچے ذرا سی ناپاک مٹھائی سے بہل جاتے ہیں اور قیمتی جواہرات ہاتھ سے ہاتھ سے دیدیتے ہیں اسی طرح ان لوگوں کی حالت ہے یہ نہیں سمجھتے کہ عالم آخرت برحق ہے وہاں جانا حق ہے رسول بھی برحق ہیں اور انکا وعدہ بھی سچا ہے تو پھر مذبذب رہنا اور دو غلا پن کرنا سراسر حماقت ہے لیکن یہ لوگ امراض روحانی میں گرفتار ہیں۔ ان کو برے بھلے کا امتیاز نہیں رہا انکو انجام کی خبر نہیں۔

مقصود بیان:۔ جس کام کا نتیجہ اچھا ہوا اسی کا اختیار کرنا عقلمندی ہے۔ حماقت و عقلمندی کا معیار یہ دنیوی عقل نہیں ہے بلکہ جس شخص میں دینی عقل ہو دینی عقلمند ہے خواہ دنیا کے معاملات میں بیوقوف ہو اور جس شخص کو مذہبی فہم و دانش نہیں وہ بیوقوف ہے خواہ دنیا کے کاموں میں تیز ہو صحابہ کا ایمان یا ان جیسا ایمان ہی معتبر ہے ان کے طریقہ کے علاوہ اور تمام ایمان کی شاخیں لغو ہیں۔ اتباع صحابہ لازم ہے اس میں دقیق پیرایہ میں ایمان لانے کی طرف بھی اشارۃً امر کیا گیا ہے۔ انجام بینی اور عاقبت اندیشی عقل کا کام ہے۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۚ وَإِذَا

اور یہ لوگ جب مسلمانوں سے ملتے ہیں (تو) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لاچکے اور جب

خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا

تنہائی میں اپنے شیطانوں (سرداروں) کے پاس جاتے ہیں (تو) کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں

نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ

ہم تو (مسلمانوں سے) تمسخر کرتے ہیں ان کے تمسخر کی (اللہ ان کو جزا دیتا ہے

وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

اور (اور) ان کو ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بہکے پھریں

تفسیر یہ منافقوں کی حالت کا تتمہ ہے پہلے ان سے کہا گیا تھا کہ برے خصائل کو چھوڑ دو فتنہ و فساد خدا کی زمین پر بپا نہ کرو۔ اپنے گناہوں سے انتظام عالم میں خلل نہ ڈالو۔ اس کے بعد کہا گیا کہ ایمان لے آؤ نیک اعمال کرو لیکن منافقوں نے اس نصیحت پر عمل نہ کیا بلکہ نفاق اور دوغلا پن قائم رکھا۔ چنانچہ اسی نفاق کی صورت کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے ابو مالک کہتے ہیں کہ آیت میں شیاطین سے مراد منافقوں کے سردار اور رئیس ہیں۔ ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ منافقوں کے ساتھی بھی شیاطین میں داخل ہیں اور وہ یہودی بھی مراد ہیں جو مالداری کیوجہ سے منافقوں کے سردار بنے بیٹھے اور اسلام کے متعلق ان کے دلوں میں شک ڈالتے اور تکذیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آمادہ کرتے تھے ابن جریر کہتے ہیں کہ ہر جنس میں جو سرکش اور متمرد ہو وہ اس جنس میں شیطان ہے۔

خلاصہ مطلب یہ کہ جب منافق مسلمانوں سے ملتے تھے تو ان کے خوش کرنے کو کہتے تھے کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں۔ لہذا جو مال غنیمت تم کو جہاد میں حاصل ہوا ہے اس میں سے ہم کو بھی حصہ دو لیکن جب اپنے سرداروں کے پاس تنہائی میں جاتے تھے تو ان سے کہتے تھے کہ درحقیقت دین میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم مسلمان نہیں ہوئے اسکے جواب میں سرداران سے کہتے تھے کہ تم تو مسلمانوں کے پاس جاکر دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہو اور ان سے ایمان کا عہد کر چکے ہو پھر ہم کیسے یقین کر لیں کہ تم دین میں ہمارے ساتھ ہو۔ یہ

بدباطن فرقہ جواب دیتا تھا کہ تم اطمینان رکھو واقعی ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو مسلمانوں سے لبطور دل لگی اور مذاق کے لاالہ الا اللہ کہتے ہیں کیونکہ وہ بیوقوف اور سیدھے سادے آدمی ہیں ہماری اس بات کو سچ جانکر ہم کو اپنے پوشیدہ راز بتا دیتے ہیں اور دلی ارادوں سے مطلع کر دیتے ہیں اور فوائد میں شریک بنا لیتے ہیں ۔ اسکی تردید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے کیا ہنسی اور دل لگی کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو کیا بیوقوف بنا رہے ہے خدا اس دہوکہ بازی اور استہزا کی جزا دے رہا ہے کہ ایسی خراب حالت میں ان کو چھوڑ رکھا ہے کہ وہ اپنی سرکشی اور حماقت میں سرگرداں پھرتے رہیں جس کا نتیجہ دنیا میں بھی خراب ہے مسلمانوں اور کافروں میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی سخت عذاب ہے لیکن انکو اسکا علم نہیں کہ ہمارے ساتھ یہ مراعات کیوں ہیں ۔

مقصود بیان :۔ خدا تعم ضرور اعمال انسانی کی سزا دیتا ہے ۔ اگر آدمی گناہ میں گھستا چلا جائے تو خدا تعم بھی ڈھیل چھوڑتا چلا جاتا ہے انسان بعض دینوی فوائد کے حصول سے خوش ہوتا ہے اور درحقیقت وہ فوائد اس کے لئے زہر قاتل کا حکم رکھتے ہیں ۔ خدا تعم کے مقدس لوگوں سے ہنسی کرنی خدا تعالیٰ سے ہنسی کرنی ہے اور ان کا ادب خدا کا ادب اور ان سے محبت کرنی خدا سے محبت کرنی ہے خدا تعم اپنے نیک بندوں کی طرف سے خود بدلا لے لیتا ہے ۔ وغیرہ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی

فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝

پس نہ سود مند ہوئی ان کو انکی تجارت اور نہ وہ ہدایت یاب ہوئے

تفسیر یہ بھی سزائے نفاق کا ضمیمہ ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی حاصل کر لی یعنی وہ جوہر انسانی جو ہر انسان کے لئے خدا تعم کیطرف سے ایک نظری ہدایت ہے اگر اسپر عوارض اور موانع پیش نہیں آتے تو اسکی وجہ سے ہر انسان

نیکی اور حیات ابدی کے راستہ پر چل سکتا ہے۔ ان منافقوں نے اپنی بد اعمالیوں سے اس نور فطرت کو بجھا دیا اور جو طبعی ہدایت ان کو حاصل کرنی چاہیئے تھی اسکو نظر انداز کر کے اپنے اندر اخلاق رذیلہ اور ملکات فاسدہ پیدا کر لئے اور اپنے دل میں خیال کیا کہ ہم نے یہ سودا بڑا اچھا کیا۔ منہ سے کلمہ توحید کہدیا اور اسکی بدولت دنیوی منافع حاصل کر لئے اس سے زیادہ سود مند تجارت اور کیا ہو سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس تجارت میں ان کو نفع نہ ہوا انہوں نے اپنی عمر عزیز اور بے بہا نور فطرت صرف کر کے دنیا کے زوال پذیر منافع اور نفسانی فوائد حاصل کر لئے۔ یہ تجارت فائدہ کی نہ ہوئی بلکہ درحقیقت فطرتاً ان کو تجارت کرنی آتی ہی نہیں ہے کیونکہ تجارت یہ تھی کہ اپنی جان اور مال کو خدا کی راہ میں صرف کر کے حیات ابدی حاصل کرتے مگر انہوں نے اصل مال (فطرت سلیمہ) کو بھی برباد کر دیا۔

مقصود بیان:۔ انسان اگر خواہشات انسانی اور ترغیبات شیطانی کو اپنے دل سے دور کر دے تو پھر نور فطرت اسکو سیدھے راستہ کیطرف لے جاتا ہے۔ گمراہی اور ہدایت فطری چیزیں ہیں۔ اگر فطری نور ہدایت کو انسان بجھا دے تو پھر ہدایت ملنے کا کوئی راستہ نہیں رہتا ہر انسان کو ہدایت حاصل کرنے کی خود کوشش کرنی چاہیئے عمر نہایت عزیز اور بے بہا چیز ہے جسکا عوض صرف روحانی روشنی اور حیات ابدی ہو سکتی ہے۔ دنیوی مال و دولت اور عیش و آرام حاصل کرنے کیلئے اس جوہر گرانبہا کو صرف کرنا حماقت ہے۔

منافقوں کی حالت کی مزید تشریح کیلئے خدا تعالیٰ نے آئندہ آیات میں دو مثالیں بیان فرمائی ہیں جس شخص کو کسی قدر ایمان کے موافق اسرار الٰہی کا کچھ علم ہو وہی ان مثالوں کی حقیقت کافی طور پر سمجھ سکتا ہے۔ پہلی مثال ذیل کی آیات میں مذکور ہے

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ
ان لوگوں کی مثال اس شخص کی ایسی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب اس نے اپنے
مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ
ارد گرد کو روشن کر دیا لے گیا اللہ تعالیٰ ان کی روشنی اور چھوڑ دیا ان کو

فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبْصِرُوْنَ ۝ صُمٌّۢ بُكْمٌ

تاریکیوں میں کہ وہ دیکھ نہیں سکتے　بہرے　گونگے

عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝

اندھے ہیں　کہ وہ نہیں پھر سکتے

تفسیر ابن عباس رضؓ و ابن مسعود رضؓ اور قتادہ رحؒ اور سدی رحؒ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو اس زمانہ میں کچھ لوگ اسلام میں داخل ہو گئے لیکن بعد کو وہ منافق ہو گئے تو انکی مثل ایسی ہوئی جیسے کسی شخص نے تاریک رات میں آگ جلائی اور جب کوڑے کرکٹ کے جلنے کی وجہ سے آس پاس روشنی پیدا ہو گئی تو تمام خوف انگیز اور ایذا رساں چیزیں اسکو صاف نظر آنے لگیں لیکن کچھ ہی دیر کے بعد آگ بجھ گئی تو اب اسکی حالت یہ ہو گئی کہ کسی موذی چیز سے بچنے کی اس میں طاقت نہ رہی اور نہ کوئی ایذا رساں چیز اسکو دکھائی دینی ممکن رہی یہی حال منافق کا ہے کہ اول شرک کی تاریکی میں پڑا تھا پھر مسلمان ہوا تو حلال و حرام اور نیک و بد کو پہچاننے لگا پھر دوبارہ کفر میں پڑ گیا تو حلال و حرام اور خیر و شر کا امتیاز باقی نہ رہا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ منافقوں کی حالت میں آگ کی روشنی فقط یہی تھی کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ یہ منافق کی مثل ہے جو کبھی دیکھتا ہے اور کبھی نہیں دیکھتا پھر اسکی قلبی نابینائی اسپر چھا جاتی ہے۔ عکرمہ، حسن، ربیع بن انس اور عبد الرحمن بن زید سے یہی قول مروی ہے۔ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ آیت میں فقط ایسے ہی منافقوں کا انحصار نہیں ہے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے بلکہ ایسے منافق بھی آیت کے حکم میں داخل ہیں جنہوں نے صرف زبان سے اظہار اسلام کیا تھا اور دل سے ایمان نہیں لائے تھے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جن منافقوں کی نسبت یہ گمان ہے کہ وہ پہلے ایمان لائے تھے پھر کافر ہو گئے جیسے کہ ابن عباس وغیرہ کے قول سے ظاہر ہے تو در حقیقت نور ایمان ان کے دل کے اندر جاگزیں نہیں ہوا تھا بلکہ یہ ایک قصد تھا جو

حواس بیں اور دماغی مشاعر میں پیدا ہوا تھا وہیں سے ایک روشنی ظاہر ہوئی تھی اور دوسری قسم میں ایسا بھی نہ تھا ورنہ درحقیقت دلی تصدیق کا نور ان دونوں میں سے کسی کو حاصل نہ ہوا تھا کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی کار خیر کا ارادہ کرتا ہے اور پھر انسانی حواس اور نفسانی خطرات اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ آدمی اپنی واقعی حالت بھی دریافت نہیں کر سکتا۔ بہر حال آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان منافقوں کی حالت ایسی ہے جیسے کسی نے آگ جلائی ہو اور جونہی اسکی روشنی سے آس پاس کی چیزیں نظر آنے لگیں فوراً روشنی گل ہو گئی اور آگ بجھ گئی اور وہ شخص حیران پریشان رہ گیا کوئی چیز سجھائی نہیں دیتی۔ دوست دشمن اور اچھے برے کا امتیاز نظری جاتا رہا۔ یہی حالت منافق کی ہے کہ وہ نور فطرت جو خدا تعالیٰ نے ہر انسان کے دلمیں ودیعت رکھا ہے ذرا چمکا تھا اور ہر خیر و شر کے پہچاننے اور سعادت و شقاوت پر مطلع ہونے کا وقت آیا تھا تو اسی وقت خدا اللہ نے اسکو بجھا دیا یعنی ان کے نفاق، تعصب عناد اور حب جاہ و مال کے اندھیاؤ نے اس چراغ فطرت کو بالکل گل کر دیا۔ اب یہ بالکل بہرے ہو کر رہ گئے کسی ہادی اور رہنما کی بات تک نہیں سن سکتے اور گونگے بھی ہو گئے کہ اپنے قلبی مرض کو حکیم روحانی سے بیان کر کے علاج پذیر بھی نہیں ہو سکتے اور اندھے بھی ہو گئے کہ آثار قدرت دیکھ کر راہ پر نہیں آ سکتے اور جب ہدایت کے تمام راستے بند ہو گئے تو اب انکے ہدایت پر آنے کی کوئی صورت نہیں رہی آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہدایت کی مشعل جلائی اور رسول گرامی ﷺ کو مبعوث فرما کر دین اسلام کو روشن کیا تو تمام مخلوق کو اس روشنی میں منزل مقصود کا راستہ ملگیا۔ لیکن منافق اندھے بن گئے کیونکہ جب آنکھ میں روشنی اور نور نہیں تو مشعل سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے اور اگر نرے اندھے ہوتے تو بھی غنیمت تھا کیونکہ اندھا کسی کو پکار کر اس کی رہنمائی میں منزل مقصود تک پہونچ سکتا ہے مگر جب بہرہ اور گونگا بھی ہو تو اس کے راہ پر آنے کی بالکل امید نہیں ہو سکتی۔ حاصل یہ کہ منافقوں کے پاس نہ عقل کی آنکھ ہے کہ سیدھا راستہ خود پہچان کر اسلام لے آئیں نہ کسی رہنما کیطرف رجوع ہے کہ کسی

اللہ والے کا دامن پکڑ کر اس کی رہنمائی میں منزل تک پہونچ جاتے ہیں اور نہ خود حق بات پر کان لگاتے ہیں پھر بھلا ایسے شخص کے راستہ پر آنے کی کیونکر امید ہو سکتی ہے

مقصود بیان :- دین اسلام روشنی ہے اور کفر تاریکی۔ اگر آدمی خود عقل سے سیدھا راستہ تلاش نہ کر سکے تو کسی دوسرے سے پوچھنا چاہیئے ورنہ کم از کم اگر کوئی واقف کار خود بخود رہنمائی کرے تو اسکی بات کان رکھکر سننا چاہیئے۔ نور ایمان کو نفاق، تعصب اور دیگر اندرونی اخلاقی گناہوں کی تیز ہوائیں گل کر دیتی ہیں۔ جب انسان خود گمراہ ہونا چاہے تو خدا بھی اسکو اندھیرے میں چھوڑ دیتا ہے اور ایمان کی روشنی اس سے چھین لیتا ہے۔ خدا جسکو اسکی بداعمالیوں کیوجہ سے گمراہ کر دیتا ہے پھر اسکو رہ راست نہیں مل سکتی منافق کے اندر روحانی روشنی نہیں ہوتی کہ جسکی وجہ سے حق و باطل اور خیر و شر کا وہ امتیاز کر سکے وغیرہ۔

اس مثال کے بیان کرنے کے بعد خدا تعالیٰ منافقوں کے احوال کی توضیح کے لئے دوسری مثال بیان فرماتا ہے۔

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ

یا (ان کی مثال) آسمانی بارش جیسی ہے کہ جسمیں اندھیرے اور گرج اور بجلی ہے اپنے کانوں میں

أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ

انگلیاں کئے لیتے ہیں کڑک سے مارے موت کے ڈر سے اور اللہ

مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ

گھیرے ہوئے ہیں منکرین کو قریب ہے کہ بجلی اُچک لے جاوے ان کی آنکھیں

كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ

جب چمکتی ہے انکے لئے (تو) اسمیں چلنے لگتے ہیں اور جب اندھیرا ہو جاتا ہے ان پر (تو) کھڑے رہجاتے ہیں

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ

اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے کان اور آنکھیں سلب کر لیتا

تفسیر مدینہ کے دو منافق بھاگ کر مدینہ کیطرف چلے راستہ میں بارش آگئی جسمیں کڑک چمک اور گرج بہت زیادہ تھی اندھیرا گھپ ہو گیا۔ یہ دونوں حیران پریشان کھڑے رہ گئے۔ جب ذرا بجلی چمکتی تھی تو دو قدم چل لیتے تھے اور جب پھر اندھیرا چھا جاتا تھا تو کھڑے ہو جاتے تھے اور گرجنے کی ہولناک دہل کے مارے موت کے ڈر سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے۔ آخر حیران ہو کر کہنے لگے کہ کاش صبح ہو اور بادل کھلے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں واپس جا کر بیعت کر لیں چنانچہ صبح ہوئی تو یہ حاضر خدمت ہوئے اور ان کی بیعت کر لی تو ان کی مثال اللہ تعالیٰ نے آیات مذکورہ بالا میں فرمائی۔

علامہ نیشاپوری اور محقق سیوطی نے بیان کیا ہے کہ اس آیت میں پوری حالت کی پوری حالت سو تو تشبیہ موجود ہی ہے مگر ہر ہر حصہ کو دوسرے حصہ سے بھی مشابہت ہے چنانچہ نزولِ قرآن جو زندگی جاوید کا سبب ہے اسکو بارش سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ بارش سے تمام نباتات وحیوانات کی زندگیاں اور نشوونما وابستہ ہے اور نزول قرآن حیات ابدیہ کا ذریعہ ہے اور قرآن میں جو کفر و نفاق مذموم کا بیان ہے وہ تاریکیاں ہیں پھر اس کفر و نفاق پر جو عذاب دوزخ کی سخت وعید و تہدید ہے وہ مثل رعد ہے اور قرآن کے اندر جو وحدانیت الٰہی اور آیات قدرت کے جو روشن دلائل مذکور ہیں وہ مشابہ برق ہیں۔ یہ وہی دلائل و براہین ہیں جو ان کے دلوں کو ہلا کر بے قابو کر دیتے تھے لیکن پھر بھی وہ انکو سننا نہ چاہتے تھے اور اس وعید و تہدید کے سننے سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے اور اس خوف سے اپنی عورتوں اور بچوں کو مارتے تھے کہ کہیں ان آیات کو سن کر وہ اسلام کیطرف مائل نہ ہو جائیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ بارش اور چمک دمک موت تھی۔ پھر اگر قرآن میں کوئی بات اپنی خواہش کے موافق ان کو ملجاتی تو وہ قدم اسلام پر

چلنے لگتے اور آخیر میں جب انکی خواہش کی تاریکی ہجوم کرتی تھی رک جاتے تھے لیکن یہ رکنا انکے لئے مفید نہ تھا کیونکہ خدا کو ان پر ہر طرح سے قابو تھا اور خدا کی گرفت سے بچکر وہ جا نہیں سکتے تھے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان منافق لوگوں کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جو بارش سے ڈر کر دکہ جس میں سراسر نفع ہے گو بظاہر کڑک چمک اور رات کی تاریکیاں بھی ہیں کسی قحط سالی کے مقام میں چلے جائیں بس یہی حالت ان لوگوں کی ہے کہ قرآن سے جو کہ آسمانی بلکہ روحانی پانی اور روح کو تر و تازہ کرنے والی بارش ہے اور قرآن کے اوامر و نواہی اور عبادات و احکام کی شقتوں سے ڈر کر کفر کے گھر میں اور نفاق کی اندھیری کوٹھری میں چھپنا چاہتے ہیں اور قرآن کی نفس کش باتوں سے دکہ جو کڑک اور گرج کے مشابہ ہیں) اور اسکی قدرتی روحانی روشنی سے دکہ جو بجلی کیطرح ہے، ڈرتے ہیں اور اسکو باعث موت خیال کر کے نفاق اور غفلت کی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونستے ہیں تا کہ یہ آواز کان میں نہ پڑے اور اس سے نہ مر جائیں۔ اب یہ موت اگرچہ نفس امارہ کی موت ہے روح کی موت نہیں ہے بلکہ روح کیلئے تازگی، شادابی اور حیات ابدی ہے اور موت بھی ہو تو خدا سے کیونکر بھاگ سکتے ہیں اس کے احاطۂ قدرت سے کوئی باہر نہیں خصوصاً کفار کو تو وہ ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے پھر یہ حرکت سراسر حماقت اور نہایت درجہ کی سفاہت ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ منافق نفسانی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ جیسے وہ مسافر جو اندھیری رات میں جا رہا ہو بارش برس رہی ہو بادل گرج رہے ہوں بجلی چمک رہی ہو ان مصائب سے یہ نہایت پریشان ہو جاتا ہو اگر ذرا بجلی چمکتی ہو تو وہ چار قدم آگے بڑھا لیتا ہو لیکن پھر حیران پریشان کھڑا رہجاتا ہو۔ اسی طرح منافق حیران ہیں۔ جب ذرا وعظ و نصیحت ہوتے ہیں تو سنبھل جاتے ہیں لیکن تھوڑی ہی دیر میں نصیحت کا اثر دل سے مٹا کر اسی گمراہی کی تاریکی میں گھس جاتے ہیں یہ نہیں خیال کرتے کہ بارش میں گرج چمک اور کڑک سب کچھ ہوتا ہے لیکن نتیجہ میں کھیتوں کی سرسبزی شادابی اور درختوں کی تر و تازگی ہوتی ہے اسی طرح اسلام میں ابتداءً محنت سختی اور افلاس سب ہی کچھ ہے لیکن نتیجہ و انجام فلاح دارین ہے۔

مقصود بیان دکھ کے ساتھ سکھ اور رنج کے ساتھ راحت ہے۔ ظاہری تکلیف اندرونی راحت کا اگر سبب ہو تو بہتر ہے ابتدائی مشقت انجام کی آسائش کا باعث ہو تو اس کو اختیار کر لینا چاہیئے احکام اسلامی اگرچہ قیود معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن روح کو عذاب سرمدی سے آزاد کرنیوالے ہیں اسلئے قابل برداشت ہیں۔ موت سے کسی شخص کو کسی تدبیر سے رہائی ملنی ناممکن ہے

لَذَھَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ میں ایک لطیف تر اشارہ اس بات کیطرف بھی ہے جسقدر چیزیں اسباب وعلل کے ساتھ وابستہ ہیں کور بصیرت والے تو انہی اسباب وعلل کو ان چیزوں کا فاعل حقیقی اور موجد و مولد جانتے ہیں کیونکہ ان کی عقل کی آنکھوں میں نور حقیقی نہیں ہوتا ان کی نظر بس اسی سبب اور مسبب و علت و معلول تک رسائی رکھتی ہے لیکن جنکی چشم بصیرت وا ہے وہ کوتاہ نظری سے کام نہیں لیتے اور ان تمام اسباب کی علت تلاش کرتے ہیں اور ان اسباب وعلل کو واسطۂ محض جانکر مسبب الاسباب کیطرف وجود اشیاء کو منسوب کرتے ہیں کیونکہ درحقیقت اسی کے قبضۂ قدرت میں تمام اشیاء و سببیا کا وجود و بقاء وغیرہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ع ۲ ۱۳

یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں

تفسیر یہ لَذَھَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ کی دلیل ہے مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وہ موت کے خوف سے بجلی کو دیکھکر آنکھیں بند کر لیتے ہیں یا ان کی آنکھیں چونده جاتی ہیں اور کڑک و گرج کی آواز سنکر کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں تاکہ اسکی دہل سے مرنہ جائیں لیکن خدا ان کی آنکھوں کا نور بینائی اور کانوں کی سماعت زائل کر سکتا ہے خواہ کتنی ہی محفوظ رہنے کی کوشش کریں کیونکہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے

مقصود بیان :- خدا کے قبضہ اختیار کا دائرہ غیر متناہی ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے لیکن مصلحت خاص کیوجہ سے نہیں کرتا وہ دنیا کے تمام کافروں منکروں اور قوانین الہامی سے روگردانی کرنیوالوں کو یکدم ہلاک کر سکتا ہے لیکن اپنی حکمت بالغہ کیوجہ سے ایسا نہیں کرتا خدا نے انسان کی ہدایت اور کامیابی کے تمام ذرائع مہیا کر دیئے لیکن انسان انکو اپنے لئے

قید سمجھ کر اس سے بھاگتا ہے اور حیات ابدی کو اپنے لئے موت سمجھتا ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَ

اے لوگو! تم اپنے اُس رب کی پرستش کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

اُن لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے ہوئے ہیں تاکہ تم متقی بن جاؤ

تفسیر ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں یَاأَیُّهَا النَّاسُ سے مکہ والوں کو خطاب ہوتا ہے اور یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مدینہ والے مخاطب ہوتے ہیں کیونکہ مکہ میں مسلمان کم اور کافر زیادہ تھے اس لئے بصورت عموم خطاب کرنا مناسب تھا اور مدینہ میں مسلمان زیادہ اور کافر کم تھے اس لئے صرف مسلمانوں کو خطاب کرنا موزوں تھا۔ لیکن حق یہ ہے کہ قرآن کے خطابات کا محل و مورد اگرچہ خاص ہے لیکن حکم عام ہے۔ جہاں عام لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے وہاں تمام دنیا کے انسان خطاب میں داخل ہیں اور جہاں صرف مسلمانوں کو یہ خطاب کیا ہے وہاں تمام دنیا کے مسلمان حکم میں داخل ہیں۔

گذشتہ آیات میں سب سے پہلے مسلمان کی حالت بیان کی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ قرآن اہل تقویٰ اور متبعین شریعت کے لئے باعث ہدایت ہے پھر کافروں کی حالت بیان کی گئی۔ آخیر میں منافقوں کے نفاق کی کیفیت کا اظہار کیا گیا۔ اب سب کو مجملاً مخاطب کیا گیا کیونکہ تینوں فرقوں کے احوال بیان کرنے سے عموماً عقلمند انسان سعادت اور ہدایت کے مشتاق بن گئے تھے۔ لہذا مقصود اصلی یعنی توحید و عبادت کا بیان مناسب معلوم ہوا تاکہ توحید و عبادت سے وہ وصف تقویٰ جسکا اشتیاق پیدا ہو گیا تھا اور جس سے سعادت ابدی اور ہدایت بھی معرض ظہور میں آتی ہے حاصل ہو جائے اور چونکہ عبادت کا استحقاق اسی وقت خصوصیت کے ساتھ ہو سکتا ہے جبکہ تمام لوگ اپنے وجود اور بقا و جود میں خدا کے محتاج ہوں اس لئے اول کا بیان لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ تک کیا اور دوسری بات کا بیان آئندہ آیات میں آتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے ہمارے لوگو! اپنے رب کو واحد جانو اور اسی کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک

نہ کرو نہ اعتقاد میں نہ صفت میں نہ فعل میں کیونکہ وہی تمہارا اور تمہارے اسلاف کا پیدا کرنے والا ہے
اسی نے تمام سابق و لاحق انسانوں کو پیدا کیا لہذا وہی الوہیت و عبادت کے لائق ہے کیونکہ
ظاہر ہے کہ جو خالق ہوگا وہ مخلوق نہ ہوگا دوسرے اپنے ایجاد وجود اور ہستی میں اسکے محتاج ہیں وہ
وجود میں دوسروں کا محتاج نہیں لہذا قابل پرستش وہی ذات مقدس ہو نہ کہ تمہارے خیالی معبود اور وہی پروردگار اور
یہ بھی سمجھ لو کہ تمہاری اس عبادت گذاری اور اطاعت شعاری سے اسکا کوئی ذاتی فائدہ وابستہ
نہیں ہے بلکہ تمہارا ہی نفع ہے تمکو صفت تقویٰ حاصل ہو جائیگی اور آتش جہنم سے بچ جاؤگے
کیونکہ جب بندہ اپنی روح اور اپنے تمام اعضاء جسمانی سے خداوند تعالیٰ کیطرف متوجہ
ہوتا ہے اور اس کے آگے سر نیاز خم کرتا ہے تو اسکی روح پر انوار الٰہی کی چمک پڑتی ہے اور
روح کے روشن ہونے سے تقویٰ اور سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ
معبودیت کے استحقاق کا معیار خالقیت ہے جب خدا تعالیٰ نے تمہاری ہستی عدم سے پیدا کی
تو تمہاری ہستی کا معبود بھی وہی ہو سکتا ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً

جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کی چھت بنائی

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ

اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس پانی سے میوے پیدا کیے تمہارے رزق کے لئے

تفسیر یہ استحقاق معبودیت والوہیت کی دوسری صورت کا بیان ہے یعنی معبودیت
کے استحقاق کا معیار ایک تو خالقیت ہے اور دوسرا ربوبیت یعنی بقاء زندگی کے
اسباب مہیا کرنا اور ہستی انسانی کو تدریجاً کمال تک پہونچا دینا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا
ہی نے تمکو پیدا کرنے کے بعد تمہاری بقاء حیات کے تمام اسباب مہیا کئے ہیں زمین کو
تمہارے آرام کے لئے نرم فرش بنایا ایک چوتھائی زمین کو پانی سے باہر نکال دیا
اور پھر اس کو نہ اس قدر نرم کیا کہ دلدل ہو جائے نہ ایسا سخت اور ناہموار کیا کہ رہنا
ناممکن ہو جائے اور انسان لڑک پڑے بلکہ ایسا موزوں و مناسب بنایا کہ۔

سب لوگ آرام سے اس پر رہتے سوتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے ہیں۔ پھر آسمان کو خیمہ کی طرح تمہارے لئے چھت بنا دیا روشنی و تاریکی کا انتظام کیا اس کے بعد تمکو اس سطح زمین پر رکھا اور روزمرہ تمہاری پرورش اور تربیت کا انتظام بھی کر دیا اوپر سے پانی برسایا اور اس سے رنگارنگ کے پھول وپھل پیدا کئے جن کو تم کھاتے استعمال کرتے ہو اور مزے اڑاتے ہو حاصل مطلب یہ نکلا کہ خدا ہی نے تم کو پیدا کیا نیست سے ہست بنایا اور اسی نے تمہاری بقاء حیات کے ذرائع پیدا کئے رہنے کی جگہ، کھانے کیلئے رنگارنگ کی غذا اور پہننے کے لئے لباس عطا فرمایا۔ لہذا تم اپنی ایجاد ہستی اور بقاء ہستی میں اسی کے محتاج ہو اور جب تمہاری کل ہستی اسی کے احسان کی منت کش بلکہ اسی کے احسان پر موقوف ہے تو پھر اسی کو مستحق الوہیت سمجھو شرک نہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

تو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور تم علم رکھتے ہو

تفسیر یہ گذشتہ دلائل کا نتیجہ ہے یعنی جب استحقاق الوہیت و معبودیت خدا کو ہے تمام مخلوق کو پیدا کرنا آسمان کو خیمہ اور زمین کو فرش بنا کر اس بہترین مکان میں تم کو رکھنا اور قسم قسم کے کھانے کھلانا جب اسی کا فعل ہے تو تمہارے واسطے بھی لازم ہے کہ تم خیالی معبودوں اور وہمی دیوتاؤں کو اس کے ساتھ ذات صفات اور افعال میں شریک نہ بناؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ تمہاری ہستی اور بقاء ہستی کا فاعل حقیقی وہی ہے۔

مقصود بیان یہ۔ خدا واحد لاشریک ہے تمام عالم کو پیدا کرنے والا اور پرورش جسمانی و روحانی کرنے والا ہے۔ اس نے آسمان زمین پانی اور سبزہ درخت اور اس کے پھل پہاڑ اور اسکی پیداوار سب کچھ انسانوں کے فائدے کے لئے بنایا ہے وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ دنیا اسکی محتاج ہے اور جو کسی کا محتاج نہ ہو ہی

قابلِ معبودیت ہوتا ہے۔ پانی ابر سے پیدا ہوتا ہے۔ پانی سے پھل پھول اور سبزہ پیدا ہوتا ہے۔ انسان کی پیدائش کی اصلی غرض انفرادی پرہیزگاری ہے اور انفرادی پرہیزگاری پرستشِ الٰہی سے پیدا ہوتی ہے جس قدر پرہیزگاری بڑھتی جائیگی، اور خواہشات نفسانی سے دماغ صاف ہوتا جائیگا وحدانیت الٰہی کا مشاہدہ ہوتا جائے گا۔ یہ تمام مصنوعات اور آیات بینات وجود الٰہی اور توحید ربانی کی کھلی ہوئی دلیلیں ہیں اور اسی کے لئے استحقاق معبودیت ثابت کرتی ہیں۔ آیت میں خدا تعالیٰ نے نازک ترین انداز میں اپنی نعمتوں اور بخششوں کا اظہار عبادت کا حکم اور اسکا انجام کار محبت الٰہی پیدا کرنے کے مضامین استحقاق الوہیت، تمام عالم کی پیدائش کی ابتدا، اپنے وجود قدرت، ارادہ علم اور دیگر صفات کمال کا بیان کر دیا اور بت پرستی بلکہ مخلوق پرستی کی ممانعت بھی کر دی۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا

اور اگر تم شک میں ہو اُس کتاب سے جو ہم نے اپنے بندہ پر اُتاری ہے تو لے آؤ

بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اس جیسی ایک سورت اور بلا لو اپنے حمایتوں کو اللہ کے سوا

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا

اگر تم سچے ہو پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور کبھی کر ہی نہ سکو گے تو اس آگ سے ڈرو

النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ

جس کا ایندھن آدمی (کافر) اور پتھر (بت) ہیں۔ جو

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝

کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے

تفسیر گذشتہ آیت میں خدا تعالیٰ نے عبادت کا حکم دیا تھا اور اپنی توحید کا اعلان کر کے ایمان لانے کی دعوت دی تھی لیکن عبادت مقبول عند اللہ کا امتیاز و فرق صرف عقل سے نہیں ہو سکتا اس میں نبی اور الہام کی سخت ضرورت ہے جب تک نبی کا توسطہ نہ ہو یہ مادی مخلوق اور نور مجرد سے کوئی تعلق نہیں رکھ سکتی اس لئے ضرور ہوا کہ رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دلیل سے ثابت کی جائے اور یہ ظاہر کیا جائے کہ قرآن جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا ہے وہ منجانب اللہ ہے تم پر رسول اللہ کا اتباع اور قرآن کریم کی پیروی لازم ہے بس یہی وجہ ہے کہ اعلان توحید کے بعد اقرار رسالت کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ فرمایا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا الخ۔ یعنی اگر تم کو قرآن میں کچھ شک ہو جو ہم نے اپنے بندہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمایا ہے اور یہ شک تمہارا بداہتہً نور عقلی پر مبنی ہو تو ہم تم کو بتا چکے ہیں کہ عقل والے کے لئے سوچنے کے بعد کوئی شک باقی نہیں رہتا اور اگر تم کو اوہام بشری اور وساوس شیطانی کی وجہ سے کچھ شک ہو تو جسمانی اوہام سے منہ موڑ کر ذرا قلب سلیم کی جانب رجوع کرو تو نور عقل سے یقیناً تمہارا شک زائل ہو جائیگا کیونکہ شک صرف اس امر میں تم کو ہے کہ یہ کتاب خدا کی بھیجی ہوئی ہے۔ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خود ساختہ ہے۔ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ تم بھی اس کے مثل ایک سورۃ بنا لاؤ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ نے کسی کی تربیت کا منت کش نہیں بنایا تم بھی خوب واقف ہو کہ محمد صلعم نے کسی بندہ سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اور تم لوگوں نے پڑھ پڑھا کر فصاحت و بلاغت میں دعویٰ کمال پیدا کیا ہے اس لئے اگر محمد صلعم باوجود ان پڑھ اور امی ہونیکے قرآن اپنی طرف سے بنا سکتے ہیں تو تم باوجود کمال کے اس سے بہتر فصیح و بلیغ بنا سکتے ہو لہذا ایک سورت ہی کم از کم اسکی مثل بنا لاؤ اور تمہارا بنا ہوا تو وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ تو اپنے مددگاروں کو دیوتاؤں کو فصحاء و بلغاء کو جمع کر کے ان سے بھی امداد حاصل کرو اور دوسری قوموں کی مدد ہی سے اسکی مثل بنا لاؤ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ محمد کا خود تراشیدہ ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ ۔ اب اگر مقابلہ نہ کر سکو یعنی جب تم کو اعجاز کلام سے معلوم ہو گیا کہ تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکے اور ہرگز نہیں کر سکتے تو قطعًا معلوم ہو گیا کہ یہ کلام الٰہی ہے اور بداہۃً ثابت ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر برحق ہیں تو اُن سے سرتابی کرنی اُن کی نبوت کا انکار کرنا اور اُن کے احکام کی تعمیل نہ کرنی عذاب جہنم کا موجب ہے لہذا تم کو اس سے بچنا چاہیئے کیونکہ جہنم کی آگ معمولی آگ نہیں ہے بلکہ ایسی آگ ہے ؛۔

الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے معمولی دنیوی آگ کا کوئی تحمل نہیں کر سکتا پھر ایسی آگ کس طرح قابل برداشت ہو سکتی ہے جو پتھروں اور آدمیوں سے روشن ہو گی اور پتھروں میں تمہارے دیوتاؤں کی مورتیاں، پہاڑوں کے پتھر اور گندھک وغیرہ کی چٹانیں بھی ہوگی جن میں سے بعض کا جلنا تمہاری سوختگی کا باعث ہو گا اور بعض کے جلنے سے تمہارے بدن جل کر کوئلہ کی طرح ہو جائینگے ۔ اور یہ بھی خوب سمجھ لو کہ یہ آگ ہر شخص کے لئے نہیں ہو گی بلکہ ؛۔

اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ○ اس کی تیاری صرف اُن لوگوں کے لئے ہے جو احکام اسلام، نبوّت محمدیہ، اعجاز قرآن اور حقانیت شرع کے منکر ہیں لہذا تم کو انکار نہ کرنا چاہیئے (تفسیر مجاہد، قتادہ، ابن جریر، ابن کثیر، زمخشری، رازی، نیز تفسیر ابن مسعود، ابن عباس وحسن بصری وغیرہ)

پوری آیت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم کو اس کلام میں جسکو ہم نے اپنے بندہ محمدؐ پر نازل کیا ہے کچھ شک ہو کہ یہ خدا کی طرف سے ہے یا نہیں تو قطع نظر دیگر معجزات اور نشانیوں نبوت کے تم خاص اس کلام کا ہی مقابلہ کر کے دیکھو کیونکہ ہر قسم کا کلام بنانے میں تم محمد صلعم سے کم نہیں تم بھی اہل زبان ہو اور تم بھی خاص اُسی شہر اور اُسی ملک اور اُسی قوم کے افراد ہو کہ جسکے محمدؐ ہیں بلکہ تم اُن سے اس قوت کلامیہ میں کہیں بڑھ چڑھ کر ہو تم شعر و شاعری، بلیہ

سخن پروری کے مشتاق ہو اور محمد صلعم کو ابتدائے عمر سے ہم عبادت ریاضت
اور گوشۂ تنہائی میں ساکت و صامت دیکھتے ہو۔ تم ہر مجلس و میلے میں شاعری
اور خطابت کا مقابلہ کرتے جاتے ہو اور محمد صلعم تو طبعًا اس سے نفرت کرنیوالے
ہیں لیکن اس قوت کلامی کے باوجود تم سے ایک سورت کی برابر بھی کلام نہیں بنایا جاتا
تم کو نہایت زور اور دعوے کے ساتھ مقابلہ کے لئے بلایا جاتا ہے اور اجازت
بھی دی جاتی ہے کہ ایک نہیں بلکہ سب مل کر کوشش کرو اور پھر اپنے ان معبودوں
سے بھی مدد لو جن کو تم ہر قسم کی قدرت اور اختیار کا مبدء اور ہر طرح کا حاجت روا
جان کر پوجتے ہو پھر جب تم سے ایک سورۃ کی برابر نہ بن سکا اور نہ کبھی بن سکیگا
تو یقین کرلو کہ یہ اُس شخص کا کلام ہے جو تمام عالم سے قدرت میں زائد ہے۔ اُس کا
مقابلہ اور اُس کے کلام کی تکذیب کرنا اپنے لئے جہنم میں ٹھکانا بنانا ہے جس کی
آگ بہت سخت اور تیز ہے معمولی آگ نہیں ہے اُس میں آدمی اور پتھر جلتے ہیں
تم کو لازم ہے کہ اُس آگ سے بچنے کا سامان کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور قرآن کو سچا جانو اور احکام اسلام پر صدق دل سے ایمان لاکر کاربند ہو جاؤ
کیونکہ منکروں کیلئے وہ آگ تیار کی گئی ہے۔ جب تم منکر نہ ہوگے تو اُس آگ میں داخل بھی نہ ہوگے۔

نکات:۔ (۱) شہداء کے معنی مختلف آتے ہیں۔ حاضر، مددگار، مدد کرنے والا، حاکم
گواہی دینے والا۔ آیت میں چاروں معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی جو فصیح و بلیغ حاضر اور
موجود ہوں اُن کو بلاؤ اور اُن سے مدد لو یا تم اپنے مددگاروں کو مدد کے لئے بلا لو یا
فیصلہ کرنیوالوں کے پاس اس مقابلہ کا فیصلہ کرنے کیلئے جاؤ دیکھو وہ کیا فیصلہ کرتے
ہیں یا گواہوں کو بلاؤ تاکہ وہ اظہار کریں کہ تمہارا کلام قرآن کی طرح ہے یا نہیں۔
(۲) آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کرکے نازل ہوا ہے
جس کی صورت یہ بھی کہ لوح محفوظ سے تو یکدم بیت المعمور تک نازل ہوا تھا مگر وہاں سے
دنیا میں حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کرکے نازل ہوا (۳) جن امر میں مخالفین کو تردد ہوتا
تھا اُسی میں اُن کو عاجز بنا کر قرآن کا سچا ہونا ثابت کر دیا۔ (۴) معجزۂ قرآنی ثابت

کرکے رسول اللہ صلعم کی نبوت ثابت کر دی (۵) خدا کے سوا جسقدر باطل معبود لوگوں نے بنا رکھے ہیں اور اُن سے مرادیں مانگتے ہیں یا قادر مطلق یا مختار عام جانتے ہیں ان سب کی نہایت خوبی سے تردید کر دی (۶) کفر کی سزا دوزخ کو قرار دیا۔ (۷) اس بات کو واضح کر دیا کہ دوزخ پیدا ہو چکی ہے۔ وغیرہ

مقصود بیان: کسی کو قرآن کی حقانیت، اسلام کی صداقت اور رسول اللہ صلعم کی سچائی میں شک وشبہ نہ کرنا چاہئے۔ انکار کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ بڑا سا بڑا نبی مرسل یہاں تک کہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا تعالیٰ کے بندے اور عباد مکرم بندے تھے۔ مختلف مصالح اور حکمتوں کے ماتحت حسب ضرورت قرآن تھوڑا تھوڑا ٹکڑے ٹکڑے ہوکر دنیا میں نازل ہوا لیکن یہ بات باعث شک نہیں ہوسکتی۔ تمام دنیا کے انسان جنات بلکہ تمام مخلوقات بھی جمع ہوکر قرآن کی ایک سورت کی برابر بھی فصاحت بلاغت مضامین کی جامعیت، ربط عبارت شستگی معنی اور افادۂ عام کے اعتبار سے کوئی کلام نہیں بنا سکتے۔ مقابلۂ قرآن سے عاجز ہونے کی یہ ایک زبردست پیشین گوئی ہے جو ابتک صادق ہوئی اور آیندہ بھی صادق ہوگی۔ پیشین گوئی کی صداقت بھی ایک معجزہ ہے جہنم صرف اعتقادی یا عملی منکروں کے واسطے تیار کیا گیا ہے۔ اسلام کی حقانیت میں شک وشبہ کرنا بھی کفر ہے۔ دوزخ کی آگ کی کیفیت اس آگ کی کیفیت سے جدا ہے وغیرہ

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ

اور (اے محمدؐ!) بشارت دیجئے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے کہ بیشک اُن کیلئے باغ ہیں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا

جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جب کبھی ان کو اس میں سے کھانے کو کوئی پھل دیا جائے گا

قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ

کہنے لگینگے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے کھانے کو ملا تھا اور وہ دیے جائینگے ایکسے ہی جیسے پھل اور اُن کے لئے

فِيهَآ أَزْوَٰجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ۝

اُس میں پاکیزہ بیبیاں ہوں گی اور وہ اُسی میں ہمیشہ رہینگے

تفسیر گذشتہ آیات میں کفار کی حالت بیان کی گئی تھی اور اُن کو نصیحت کیگئی تھی کہ جہنم سے بچنے کا سامان کریں۔ ان آیات میں مومنوں کی حالت کا بیان ہے اور مقصود یہ ہے کہ اس کا اظہار کر دیا جائے کہ وہ نافرمانی کا نتیجہ تھا تو یہ فرماں برداری کا ثمرہ ہے تاکہ ترہیب کے ساتھ ترغیب بھی ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:
وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ۔ یعنی جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کے کلام اور اُسکے رسول کی تصدیق کی اور حکم الٰہی کے موافق اعمال صالحہ کیے اُن کو بشارت دیدو کہ:
أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ کہ اُنکے لئے جنت میں مکانات ہیں اور اُن مکانات کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ جنت کی نہریں کوہ مشک کے نیچے سے جاری ہیں۔ یہی قول حضرت ابن مسعودؓ کا ہے (ابن ابی حاتم)
كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِن ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوا هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِن قَبْلُ۔ یعنی جتنی مرتبہ اہل جنت کو جنت کے پھل دیے جائینگے وہ کہینگے کہ یہ تو وہی ہیں جو ہم کو اس سے پہلے دیدیے گئے تھے۔ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہ نے آیت کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ جب اہل جنت کے پاس جنت کا کوئی خاص قسم کا پھل لایا جائیگا اور وہ اُسکی ظاہری شکل وصورت پر نظر کرینگے تو آپس میں کہینگے کہ یہ تو ویسا ہی پھل معلوم ہوتا ہے جو ہمکو اس سے پہلے دنیا میں دیا گیا تھا (سدی) حضرت قتادہ و عبدالرحمن ابن زید، اور شیخ طبری نے اسی معنی کو پسند کیا ہے لیکن حضرت عکرمہ اور ربیع بن انس وغیرہ نے آیت کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اہل جنت کو جنت کا میوہ ایک وقت عطا ہوگا جسکی لذت اور مزہ سے وہ واقف ہو جائینگے پھر دوسرے وقت اُسی شکل وصورت کا پھل اُن کو دیا جائیگا جسکو دیکھ کر وہ کہینگے کہ یہ تو وہی نظر آتا ہے جو ہم کو اس سے پہلے مل چکا ہے۔
وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا یعنی اہل جنت کو یہ رزق باہم ایک دوسرے کا ہمشکل ملیگا

لیکن ذائقہ اور کیفیت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔

وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ یعنی اہل جنت کے لئے جنت میں بہترین مرغوب خاطر مکانات اور عمدہ عمدہ میوے اور غذائیں ہی فقط نہ ہونگی بلکہ اور بھی مرغوب طبع چیزیں اُن کو ملینگی۔ پاک صاف ستھری اور ہر قسم کے میل کچیل اور غلاظت وکثافت سے مبرا بیویاں بھی اُنکو وہاں نصیب ہونگی جنکے اندر انسانی لوازم میں سے کوئی نجاست نہ ہوگی اور یہ تمام نعمتیں عارضی نہ ہونگی کہ کچھ مدت کے بعد زائل ہوجائیں یا اُن سے لیلی جائیں یا اہل جنت کو جنت سے نکال دیا جائے بلکہ جنتی

وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ جنت کے اندر ہمیشہ ہمیش رہینگے موت سے مامون اور زوال نعمتوں سے محفوظ ہونگے نہ اُن کو کفر کا خوف ہوگا نہ مرنے کا ڈر بلکہ یہ تمام نعمتیں دائمی اور سرمدی ہونگی۔

آیات مذکورہ کا حاصل مطلب اور خلاصہ یہ نکلا کہ جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے اچھے کام بھی کئے احکام اسلام کی تعمیل کی اور اوامر و نواہی کے پابند رہے اُن کو مرنے کے بعد اُس عالم میں ایسے باغ عنایت ہونگے جنمیں نہریں بہتی ہوتی ہونگی اور ان باغوں کے میووں میں عجیب لطف ہوگا کہ شکل و صورت اور رنگ و بو تو یکساں ہوگی اور مزے الگ الگ ہونگے یہانتک کہ جب کوئی میوہ اُن کو ملیگا تو ہم شکل ہونے کی وجہ سے وہ یہ سمجھیں گے کہ یہ تو ہم ابھی کھا چکے ہیں مگر کھانے کے بعد اُن کو نیا لطف حاصل ہوگا اور اُن کو جسطرح مکانات اور کھانے عمدہ عنایت ہونگے اسی طرح اُنس و دلچسپی کے لئے پاکیزہ بیویاں بھی ملینگی کہ جو ہر قابلِ نفرت چیز سے پاک ہونگی کوئی کراہت انگیز چیز نہ اُنکی صورت میں ہوگی نہ سیرت میں اور یہ اہل جنت غم پیری، خوف موت، الم افلاس اور اندیشۂ انقطاع سے قطعاً محفوظ ہونگے ہمیشہ ہمیش عیش و آرام کے ساتھ جنت میں رہینگے۔

مقصود بیان:۔ ایمان صرف اعتقاد کا نام ہے۔ اعمال صالحہ جزو ایمان نہیں ہیں بغیر اعمال صالحہ کے بھی صرف تصدیق قلبی اور اقرار زبانی سے آدمی مؤمن ہوسکتا ہے ہاں تکمیل ایمان اعمال صالحہ سے ہوتی ہے۔ جنت کی بشارت اُنہی لوگوں کیلئے ہے جو ایمان بھی رکھتے ہوں اور اعمال صالحہ کے بھی مالک ہوں۔ مؤمنوں کیلئے ایک جنت

نہیں ہے بلکہ بہت سی جنتیں ہیں۔ جنت کے پھل رنگ بو اور شکل میں ملتے جلتے ہونگے اور مزے میں مختلف۔ جنت کی عورتیں تمام کثافت بشری سے پاک صاف ہونگی۔ اہل جنت نہ کبھی مرینگے نہ کبھی جنت سے نکالے جائینگے۔ آیت میں ایمان اور اعمال صالحہ کی دعوت احسن اسلوب کے ساتھ دی گئی ہے اور مومن باعمل کے ثواب کا بھی بیان کر دیا گیا ہے تاکہ گذشتہ آیات کے پڑھنے سے انسانی طبیعتوں پر جو خوف طاری ہوگیا ہو وہ اس بشارت سے جاتا رہے اور انسان بیم و امید کے درمیان راستہ اختیار کرکے مومن کامل بن جائے جنت کی چیزوں کی حقیقت اور اندرونی کیفیت دنیوی اشیاء کے حقائق اور کیفیات سے بالکل غیر ہو گی۔ اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ میں علم مبدء کی طرف اشارہ تھا اور اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ الخ سے علم معاش کیطرف۔ ان آیات میں علم معاد کا بیان مقصود ہے وغیرہ۔ اگلی آیت میں خداوند تعالیٰ منافقوں کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اظہار حقیقت فرماتے ہیں

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا

نہیں شرماتے سے کی مثال دینے مچھر کسی بیشک اللہ

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ

اب جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ تو یقین رکھتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے (اور) انکے پروردگار کیطرف سے

كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا

اور جو کافر ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ اللہ کو اس انوکھی مثال سے کیا غرض تھی اللہ بہتیروں کو ایسی

وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ؕ وَمَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ

مثالوں سے گمراہ کرتا اور بہتیروں کو ہدایت دیتا ہے مگر ان بدکاروں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا جو

یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ ۪ وَیَقْطَعُوْنَ مَاۤ

پختہ قول و قرار کرنے کے بعد پیمان خدائی کو توڑ دیتے ہیں اور جن تعلقات کو جوڑنے کا حکم دیا ہے

اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي

انہیں قطع کر دیتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے

الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

پھرتے ہیں یہی لوگ زیاں کار ہیں

تفسیر اس سے پیشتر جبکہ خدا تعالیٰ نے منافقوں کی حالت کی وضاحت کے لئے دو تمثیلیں بیان فرمائی تھیں اور پھر اثبات نبوت کے لئے فرمایا تھا کہ اگر اس قرآن کو منجانب اللہ تسلیم نہیں کرتے تو تم بھی اس کی مثل ایک سورت بنا لاؤ لیکن وہ عاجز ہو کر مقابلہ نہ کر سکے تو ایسی حالت میں اور کوئی بات تو بن نہ پڑی مگر یہ عیب نکالا کہ اگر یہ خدا کا کلام ہے تو تعجب ہے کہ خدا ایسا جلیل القدر ہونے کے باوجود ایسی چھوٹی چھوٹی مثالیں دیکر اثبات مدعا کرتا ہے ۔ اس کے علاوہ ایک صورت یہ بھی تھی کہ قرآن میں لوگوں کو سمجھانے کے لئے جانوروں کی تمثیلیں مختلف آیات میں بیان فرمائی تھیں ۔ کہیں یہ کہا گیا تھا کہ کافروں کے معبود ایسے ضعیف اور بے بس ہیں کہ ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے بلکہ اگر مکھی اُنکے منہ پر بیٹھ جائے تو اڑا بھی نہیں سکتے کہیں یہ کہا گیا تھا کہ کافر کا دین مکڑی کے جالے کیطرح ہے ۔ ان تمثیلوں کو سن کر بعض لوگ کہنے لگے کہ مسلمانوں کا خدا بھی عجیب خدا ہے جسکو ایسی حقیر چیزوں کے نام لینے میں مطلق شرم نہیں آتی ۔ اس وقت آیات مذکورہ کا نزول ہوا ۔ خدا تعالیٰ اُن کے جواب میں فرماتے ہیں :-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۔ کہ خدا تعالیٰ کسی مثال کو بیان کرنا نہیں چھوڑ سکتا خواہ وہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی زیادہ حقیر چیز کی یہ بیوقوف اتنا نہیں سمجھتے کہ ہمارے نزدیک ہماری ساری مخلوق برابر ہے خواہ مچھر ہو یا اس سے بھی زیادہ حقیر کوئی اور چیز ہو ۔ چھوٹا بڑا ہماری نظر میں برابر ہے کیونکہ سب خدا ہی کی مخلوق ہے سب کو اُسی نے پیدا کیا ۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۔ اب ایماندار لوگ جانتے
ہیں اور جنکو معرفت الٰہی حاصل ہے وہی سمجھتے ہیں کہ یہ پروردگار کی جانب سے حق ہے۔ نورِ
معرفت سے بھی ' لوگ حقائق اشیاء کو جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس نے اصل مقصود کیا ہے۔
وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ مگر باقی رہے کافر تو وہ
کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسکے ساتھ مثال بیان کرنے سے کیا ارادہ کیا ہے کیونکہ ان کو
جہالت کی وجہ سے آیت کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔
یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا ۙ وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ؕ خدا تعالیٰ اس کے ذریعہ سے بہتوں کو گمراہی
میں چھوڑ دیتا ہے اور بہتوں کو راہ راست دکھا دیتا ہے۔ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہ
صحابہ فرماتے ہیں کہ جنکو خدا ہدایت کرتا ہے وہ مومنین ہیں کہ امثلہ قرآن کی تصدیق سے
اُن کا نورِ ہدایت اور دوبالا ہو جاتا ہے اور جن کو گمراہ فرماتا یا گمراہ چھوڑتا ہے وہ منافقین
ہیں کہ کلام الٰہی کے انکار سے اُنکی تاریکی ضلالت میں اور تاریکی کا اضافہ ہو جاتا ہے۔
وَمَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ۙ یعنی اس سے خدا تعالیٰ سوائے فاسقوں کے
اور کسی کو گمراہ نہیں کرتا صرف فاسقوں کو اس نور تک رسائی کی اجازت نہیں دیتا اسلئے
وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ابو العالیہ اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ فاسقین سے مراد یہاں
وہ لوگ ہیں جنہوں نے دانستہ کفر کیا۔ گویا فاسقین سے عام طبقہ مراد ہے خواہ یہودی
ہوں یا علماءِ عیسائیت یا منافق۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ حد سے خارج ہو گئے
تھے اسلئے خدا نے انکو گمراہ اور بھٹکتا چھوڑ دیا۔ مفسر مواہب الرحمٰن کا قول ہے کہ
جو شخص امر حق اور سنت صحیح سے باہر ہو وہ فاسق ہے لیکن فسق کے مراتب ہیں جو شخص عمل
سنت سے خارج ہو وہ اعتقادی مبتدع ہے اور جو شخص حرام کا مرتکب ہو اسکو اصطلاح میں
فاسق کہتے ہیں اور جو شخص عقائد اسلام سے خارج ہو وہ منافق ہے اور اسمیں کفار و مشرکین بھی داخل ہیں۔
اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ ۪ وَیَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ
یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ یعنی ہماری بیان کردہ مثالوں پر بھی اعتراض کرتے
اور گمراہ ہوتے ہیں جن کا شیوہ اور دستور العمل فسق و معصیت ہے یہ لوگ اللہ کے اس قرار کو

توڑتے ہیں جو ازل میں کیا تھا اور جس چیز کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا تھا اسکو کاٹتے ہیں اور تفرقہ کرتے ہیں۔ انبیاء میں سے بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ صلہ رحمی نہیں کرتے۔ اقارب کے ساتھ نیک برتاؤ اور سلوک نہیں کرتے اور نہ محمدؐ پر ایمان لائے ہیں۔ جس عہد شکنی کا آیت میں ذکر ہے اس سے کونسی عہد شکنی مراد ہے اور اس حکم میں کون لوگ داخل ہیں؟ تو اکثر علماء کا قول ہے کہ آیت میں تمام مشرک کافر اور منافق مراد ہیں۔ اور عہد سے مراد ایک تو وہ عہد ہے جو ازل کے روز سب آدمیوں سے خدا نے اپنی توحید اور اتباع احکام کا لیا تھا۔ دوسرے دنیا میں آیات الٰہی اور پیغام رسالت بھی میثاق الٰہی میں داخل ہے۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ آیت میں صرف منافق مراد ہیں اور منافق کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک تو غالب ہونے کی دوسرے مغلوب ہونے کی۔ غلبہ کے وقت تو منافق میں چھ اخلاق رذیلہ ہوتے ہیں اگر اُس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے، خدا کے عہد کو توڑتا ہے، اہل قرابت سے قطع تعلق کرتا ہے۔ زمین پر فتنہ و فساد برپا کرتا ہے۔ بات کہتا ہے تو جھوٹی کہتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اُسکو پورا نہیں کرتا۔ اگر منافق مغلوب ہوتا ہے تو صرف تین باتیں اُسکے اندر رہ جاتی ہیں۔ جھوٹ، وعدہ خلافی اور خیانت۔ سدی کہتے ہیں کہ عہد سے وہ اقرار ایمان مراد ہے جو قرآن کے اندر مذکور ہے۔ ابن جریر نے منافقوں کے ساتھ یہود و نصاریٰ کو بھی داخل کیا ہے۔ ابن حبان کا بھی یہی قول ہے اور یہی صحیح ہے۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ یعنی ایسے ہی لوگ خسارہ میں ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خاسر کا لفظ اگر اہل اسلام کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس سے کفر مراد ہوتا ہے اور اہل اسلام کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس سے گناہ مراد ہوتا ہے اور یہاں مقدم الذکر معنی مراد ہیں۔ یعنی کفر۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ مچھر یا اُس سے بھی چھوٹی چیز کے ساتھ مثال دینے سے نہیں رک سکتا کیونکہ مثال سے غرض ایک حال کا اظہار ہوتا ہے اور ہر معقول کو محسوس بنا کے دکھانا اور سمجھانا مقصود ہوتا ہے جیسا حال ہوگا اُسی قسم کی چیز سے

مثال دی جائیگی خواہ وہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی ۔ مثال دینے میں خوبی یہ ہونی چاہئے کہ جس چیز کی مثال دی ہے وہ اس تمثیل کے مناسب ہو ۔ لہذا جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور خدا نے اُن کو نورِ فطرت سے منور کیا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ مثال درست ہے اور خدا تعالیٰ نے ہمارے سمجھانے کے لئے بیان کی ہے ۔ اور جو کافر ہیں نورِ بصیرت سے محروم ہیں وہ طعن کرتے ہیں کہ خدا کو ایسی رکیک مثالوں سے کیا غرض ہے ۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ نظر رکھنے والے لوگ اُن پر غور و فکر کر کے بہترین نتیجہ نکالتے ہیں اور کور بصیرت رکھنے والے نکتہ چینیاں کر کے فوائد سے محروم رہتے ہیں ۔ اور یہ گروہ ناسقوں کا ہوتا ہے جو میثاقِ ازلی کو توڑتے ہیں ۔ زمین پر چوری ، فتنہ فساد ، کفر و ظلم ، الحاد و بیدینی پھیلاتے ہیں اور جس بات کے قائم رکھنے کا خدا سے انہوں نے وعدہ کیا تھا اور خدا نے بھی ان کو حکم دیا تھا اُس کو قائم نہیں رکھتے نہ حقوقِ الٰہی ادا کرتے ہیں نہ حقوقِ عباد ۔ لہذا یہی لوگ بدنصیب اور نقصان اٹھانیوالے ہیں ۔ دنیا میں بھی اپنے اعمالِ بد کا خمیازہ بھگتیں گے اور آخرت میں بھی عذابِ سرمدی میں مبتلا ہوں گے ۔

مقصودِ بیان :- خدا تعالیٰ کی نظر میں تمام مخلوق مساویانہ حیثیت رکھتی ہے ۔ نورِ فطرت رکھنے والے اور معرفتِ الٰہی سے متمتع ہونے والے حقائقِ اشیاء اور اغراضِ الٰہی کو اپنے نورِ معرفت سے جانتے ہیں جن لوگوں کے نورِ فطرت پر جہالت کے پردے پڑے ہیں وہ مصالحِ الٰہی کو نہیں سمجھ سکتے ۔ حدودِ الٰہی سے سرتابی کرنے والے ناسق ہیں ۔ اوامر و نواہی کی پابندی نہ کرنے والے بھی فاسق ہیں ۔ جو شخص خود احکامِ شرع سے سرکشی کرتا ہے اور نورِ فطرت پر جہالت کے پردے ڈالتا ہے خدا اُس کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے ۔

آیت میں امورِ ذیل کی تعلیم بھی بہترین اور لطیف انداز میں دی گئی ہے :-
حقوقِ صحبت ، حقوقِ ملت ، حقوقِ اخوت ، حقوقِ قرابت ، حقوقِ وطن اور حقوقِ اللہ کی ادائگی کا حکم ۔ دروغ بافی ، افترا پردازی ، فتنہ انگیزی ، خونریزی

اخفاءِ حق، شرک، کفر اور دیگر روحانیت سوز اخلاق کی ممانعت، اقرار توحید و رسالت، انبیاء اور کتب الٰہیہ پر ایمان، صلۂ رحمی کرنے اور آیات الٰہیہ میں غور کرنے کی ہدایت وغیرہ۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ

تم اللہ کا انکار کس طرح کرتے ہو حالانکہ تم زندہ نہ تھے پھر اسی نے تم کو زندگی عطا کی

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

پھر وہی تم کو مُردہ کریگا اور دوبارہ وہی زندہ کریگا اور اسی کی طرف تم کو لوٹکر جانا ہوگا

تفسیر گذشتہ آیات میں جب قرآن پاک کا اعجاز اور منزل من اللہ ہونا ثابت ہوگیا اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب بھی ہوگیا تو اب یہاں سے آیت یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ تک خدا تعالیٰ اپنی اُن نعمتوں کا اظہار کرتا ہے جو تمام دنیا کے لئے عام ہیں۔ کوئی شخص اور کوئی قوم ان کے لئے مخصوص نہیں۔ اور ان نعمتوں کے ذکر کے دوران میں مبدء و معاد کے متعلق بہت سی باتیں بھی بتاتا ہے تاکہ قرآن کا اعجاز خوب دلنشین ہوجائے۔ (حقانی بیضاوی) كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ یعنی تم خدا تعالیٰ کی وحدانیت، خالقیت اور دیگر صفات کا کس طرح انکار کرتے ہو۔ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا حالانکہ تم بے جان تھے بالکل معدوم تھے نہ تم میں کوئی حس تھی نہ حرکت فَاَحْيَاكُمْ پھر خدا ہی نے تم کو زندگی عطا کی۔ نیست سے ہست کیا۔ مطلب یہ کہ خدا تمہارا موجد اول خالق ہے ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ پھر کچھ زمانہ کے بعد تم کو وہی ماریگا اسکی گرفت سے تم بچ نہیں سکتے۔ بلکہ دائرۂ اختیار میں ہو وہ تم کو مار سکتا ہے پھر تم کو حیات جدید عطا کریگا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پہلے تم مردہ خاک تھے پھر خدا نے زندہ کیا پھر دوسری بار اجل مقرر کے وقت موت آئیگی پھر دوبارہ

قیامت کے دن زندگی عطا کی جائیگی۔ بس یہی دو موت اور دو زندگیاں آیت میں مراد ہیں یہی تفسیر حضرت ابن مسعودؓ اور ایک جماعت صحابہ و تابعین سے منقول ہے
ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ یعنی کچھ زمانہ کے بعد پھر اُسی کے پاس تم کو واپس لیجایا جائیگا اور وہاں سے ہو تمکو اقرار ربوبیت اور اقبال توحید کرو گے۔ لیکن اُس وقت کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ پہلے ہم نیست تھے پھر خدا نے ہم کو موجود کیا اور پھر مرنا ہے اور پھر قیامت کے دن زندہ ہو کر حساب دینا، خدا کے پاس جانا اور جزا سزا بھگتنا ہے تو پھر کیوں ایمان نہیں لاتے کیوں انکار کرتے ہو۔ یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ جس نے ایسے انعامات کئے اس قدر ہم پر احسانات کئے اور آیندہ اُسی سے بہتری کی اُمید اور بُرائی کا خوف ہو اور وہی تمام کفر و ایمان اور اچھے بُرے اعمال کی جزا سزا دینے والا ہو پھر اُسی کی نافرمانی کی جائے اور اُس کے رسول کی خلاف ورزی کر کے قرآن و رسالت کا انکار کیا جائے یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔

مقصود بیان: - انسان حادث اور ممکن ہے۔ خدا نے اسکو نیست سے ہست کیا ہے۔ خدا نے ہی یہ زندگی عطا فرمائی ہے زندہ کرنا اور مارنا خدا ہی کے اوصاف ہیں حشر جسمانی اور حساب کتاب برحق ہے، خدا کے پاس ضرور لوٹ کر جانا پڑیگا۔ آیت میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ تمام روحیں خدا ہی کے پاس سے آئی تھیں اور اُسی کے پاس پھر سب کو جانا پڑیگا۔ آیت میں احوال مبدء، معاش، معاد اور کیفیت معاد کی طرف بھی ایک دقیق تلمیح ہے۔ اس جگہ صرف ایجاد و خلق کا مضمون بیان کیا گیا۔ آئندہ آیت میں لقاء و جود کا بیان آتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ

وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی تمام چیزیں بنائیں پھر آسمانوں کے بنانے کا ارادہ کیا

فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَھُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۲۹ ع ۳

تو سات آسمان ہموار بنا دیے اور وہ ہر چیز سے واقف ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں بیان فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ہی انسان کو خلعت ہستی سے سرفراز فرمایا ہے اس کا وجود اسی کا بارکش احسان ہے، لہٰذا وہی معبود و مسجود ہونے کے لائق ہے۔ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تم کو معدوم سے موجود تو کیا ہی تھا لیکن موجود کرنے کے بعد یوں ہی سرگرداں اور بے سر و سامان نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ تمہاری روح اور جسم کے لئے تمام عالم ارضی کو پیدا کیا تاکہ تم اس سے فوائد حاصل کرو۔ نباتات، معدنیات حیوانات سب تمہارے منافع کے لئے، نفس نباتی، نفس حیوانی اور جمادات میں صورت کمالیہ اور تاثیرات گوناگوں تمہارے ہی فائدہ کے لئے پیدا کیں۔ جنمیں سے بعض کا تو استعمال تمہارے لئے براہ راست فائدہ رساں ہے اور بعض کا استعمال بالواسطہ نفع بخش ہے۔ زہر و تریاق، جڑی بوٹی، جواہرات اور فلزات، غلہ، پھل، میوہ اور مختلف سبزیاں سب تمہارے ہی فائدہ کے لئے ہیں اور فقط یہ ہی نہیں بلکہ زمین کو ایک مجموعی حیثیت سے پیدا کرنے کے بعد اس نے آسمان بنانے کا ارادہ کیا اور فوراً سات آسمان ٹھیک بغیر کسی خرابی، ناہمواری اور رخنہ کے بنا ڈالے تاکہ آسمانی آباء کے اثرات ارضی امہات قبول کریں اور اس سے تمہارے مفید مطلب اشیاء پیدا ہوں، پھلوں میں پختگی پیدا ہو، سمندروں میں مد و جزر ہو، بخارات و دخانات سے بارش، بجلی، کڑک، گرج، برف اور اولا بن کر فائدہ رساں اشیاء کی پیدائش کا سبب ہو اور ان چیزوں کو خدا نے لاعلمی میں نہیں پیدا کیا بلکہ خدا تعالیٰ ہر چیز کی حالت پیدائش، غرض پیدائش اور کیفیت پیدائش کو خوب جانتا ہے اسلئے اس کا یہ فعل بیکار نہیں اور نہ اسکو اس خلق عالم میں کوئی دشواری ہو سکتی تھی۔ خلاصہ یہ کہ خدا ہی تم کو ہست کرنیوالا ہے اور تمہاری پرورش

روحانی اور جسمانی کیلئے اُس نے یہ تمام کائنات عالم پیدا کی پھر یہ امر کس قدر تعجب خیز ہے کہ تم اُسکو چھوڑ کر دوسری مخلوق کی پرستش کرتے رہو اور اُس سے سرتابی کرتے رہو حالانکہ تمہارا وجود اور تمہارے وجود کے اسباب اُسکی قدرت سے باہر نہیں۔

مقصود بیان :۔ زمین کی پیدائش آسمانوں کی پیدائش سے پہلے ہے اگرچہ درستی اور ہمواری بعد کو ہوئی ہے۔ دنیا کا ذرہ ذرہ خدا نے انسان کے فوائد کیلئے بنایا ہے اور تربیت ارواح و اجسام انکے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کرتا ہے۔ ہر چیز انسان کی تربیت میں سرگرم عمل ہے پھر خدا کی ناشکری کرنی عاقل سے بعید ہے۔ آسمان سات ہیں اور ہموار ہیں۔ کوئی رخنہ یا کمزوری یا نیچا اونچا پن اُنمیں نہیں ہے۔ خدا تمام چیزوں کی پیدائش وقت پیدائش اور کیفیت پیدائش سے واقف ہے۔ کوئی ذرہ کلی ہو یا جزئی مادی ہو یا غیر مادی اُسکے علم سے خارج نہیں ہے۔ اُسکو ہر ہر چیز کا تفصیلی علم ہے۔

اصل میں عالم کی تمام چیزیں انسان کے لئے مباح پیدا کی گئی تھیں لیکن بعد کو منافع خصوصی اور مصالح ذاتی کی وجہ سے بعض کو حرام کر دیا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً

اور (اے محمدؐ! یاد کر) جب تیرے ربّ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانیوالا ہوں

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَ

فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ اُسکو نائب بناتے ہیں جو اسمیں فساد پھیلائے اور خون بہائے حالانکہ

نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

ہم تو آپکی تسبیح و تقدیس بیان کرتے ہیں اللہ نے فرمایا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

تفسیر احسانات الٰہی کے تین مراتب ہیں نیست سے ہست کرنا، بقاء ہستی کے تمام اسباب و لوازم پیدا کرنا، اعزاز و افزائی فرمانا۔ چنانچہ متقدم الذکر دونوں احسانات کو گذشتہ

آیات میں بیان کر دیا گیا یہاں تیسرے احسان کا ذکر ہے - فرشتوں کو خدا تعالیٰ نے جسم نوری بنایا ہے اُنکے اندر مادی کثافت اور شہوانی و غضبی کدورت نہیں ہے - خواہشات نفسانیہ سے وہ بالکل پاک ہیں اُنکے افعال میں سہو و خلل بھی ممکن نہیں وہ عقل خالص ہیں اوہام و خیالات کا وہاں ہجوم ہے کہ عقل پر پردہ پڑ جائے نہ جذبات نفسانی اُن کو بیجا امور میں لا سکتے ہیں کھانے پینے کی ضرورت ہو لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۔ اور جب ایسی پاک اور نور محض مخلوق پر خدا تعالیٰ نے انسان کو فضیلت عطا فرمائی تو اس سے بڑھ کر اور کیا اعزاز افزائی ہوسکتی ہے اور تکمیل احسان کا اس سے زیادہ اور کونسا ذریعہ ہوسکتا ہے - خدا تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جمعہ کی اخیری ساعت میں پیدا کیا اور اُنکے اندر تین قوتیں پیدا کیں - ملکیت شہوت اور غضب - اب اگر آدمی قوت شہوانیہ کا اتباع کرتا ہے اور قوت ملکیہ کو مغلوب کر لیتا ہے تو اسکا نام گناہ ہے - یا قوت غضبیہ کو غلبہ دیتا ہے تب بھی گناہ میں مبتلا ہوتا ہے پھر حاکم شرع یا صرف اسکی عقل اگر اسکو اعتدال پر لے آئیگی تو صفت غضب عدل اور رحمت سے بکے ظہور ہوگا - لہذا اگر حاکم نے موافق شریعت حکم دیا تو وہ نائب شرع اور خلیفۂ الٰہی ہے اور ظالم بصفت غضب متصف ہے اور مظلوم بصفت رحمت اور اگر انسان نے خود ہی اپنی عقل کے حکم سے توبہ کی تو وہ خود خلیفۂ الٰہی ہوا - اسی معنی کی طرف آیات ذیل میں لطیف اشارہ ہے -

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ۔ یعنی تم کو اے محمدؐ! اظہار کرنا چاہیے کہ جب ملائکہ سے تمہارے پروردگار نے فرما دیا تھا کہ میں زمین پر خلیفہ نائب اور جانشین پیدا کرنیوالا ہوں - سدی نے اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ وغیرہ صحابہ کے اقوال سے استنباط کر کے آیت کی تفسیر میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے عرض کیا الٰہی یہ خلیفہ کیسا ہوگا؟ خدا تعالیٰ نے فرمایا خلیفہ درحقیقت اُسکی ذریات اور نسل ہوگی - شیخ سیوطی قدس سرہٗ نے اسی کو اختیار کیا ہے - طبری فرماتے ہیں کہ روایت مذکورہ کی بناء پر آیت کے معنی یہ ہونگے کہ میں اپنی طرف سے زمین پر ایک خلیفہ مقرر کرنیوالا ہوں جو میری مخلوق کے درمیان میرے حکم کے موافق عدل جاری کرنے میں میرا نائب ہوگا - اس کا مطلب یہ نکلا کہ حضرت آدمؑ

اور اُن کی نسل میں سے جو لوگ شرع کے موافق احکام عدل جاری کرنیوالے ہیں سب خلیفہ ہیں لیکن بعض مفسرین نے خلیفہ کے معنی یہ بھی لکھے ہیں کہ خلیفہ سے نائب خدا مراد نہیں ہے بلکہ حضرت آدمؑ کی اولاد جو ایک دوسرے کی جانشین ہے یہی مراد ہے۔

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ فرشتے بولے کہ کیا تو زمین پر اپنا جانشین ایسی مخلوق کو بنائیگا جو وہاں اپنے گناہوں سے فتنہ و فساد کریگی اور خون ریزی کریگی اور اگر عبادت و معرفت مقصود ہے تو اُسکے لئے ہم کافی ہیں، ہم تیری تسبیح و حمد اور تقدیس کرتے رہتے ہیں۔

مجاہد وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ روئے زمین پر خدا تعالیٰ نے اول جنات کو آباد کیا تھا جب ان میں فسق و فجور کی کثرت ہو گئی تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان کو پہاڑوں اور جزیروں میں لیجا کر آباد کرو اور زمین پر انکی جگہ تم آباد ہو جاؤ۔ غرض جنات کے قائم مقام فرشتے ہوئے اور ان سب کا افسر ابلیس کو بنایا گیا جو ہزاروں برس عبادت میں صرف کرچکا تھا۔ آخر کار حب ابلیس کے نفس شیطانی میں تکبر پیدا ہوا اور سمجھا کہ مجھکو آسمان و زمین اور جنت کا اتنا بڑا ملک صرف اس وجہ سے عطا ہوا ہے کہ میں اللہ کے نزدیک اُسکی ساری مخلوق سے افضل ہوں۔ اُسوقت خدا تعالیٰ نے ابلیس اور تمام گروہ ملائکہ پر اپنا خلیفہ یعنی حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور چونکہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے علم ہو چکا تھا کہ آدمؑ کی نسل میں نیک و بد دونوں قسم کے لوگ ہونگے نیز جنات کا فسق و فجور اور انجام دیکھ ہی چکے تھے اور اپنے معصوم ہونے سے واقف ہی تھے اس لئے بطور تعجب اور دریافت حکمت کے عرض کرنے لگے کہ ہم معصوم بندوں پر ایسی قوم کو ترجیح دینی جسمیں عصیان اور اطاعت دونوں قسم کے مادے موجود ہیں معلوم نہیں کس مصلحت پر مبنی ہے۔ اسکے علاوہ فرشتوں کو یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ اللہ پاک کیسی ہی مخلوق کیوں نہ پیدا فرمائے بہر حال اُسکو علم و واقفیت میں ہم سے فوقیت نہیں ہو سکتی کیونکہ ہم محض عقل اور صرف نور ہیں، ہماری سرشت میں علم سے روکنے والا کوئی حجاب نہیں پھر ہم نے اپنی عمر میں دیکھا ہے جو اب پیدا کی ہوئی

مخلوق کو نصیب نہیں ہو سکتا حالانکہ خداوند تعالیٰ کو اسی مٹی کے پتلے میں اپنا فیضان بھرنا اور اپنی تجلیات ذاتیہ کا عکس ڈالنا مقصود تھا اسلئے مختلف رنگ کی مرکب ایک مٹھی خاک لی اور مختلف اقسام کے پانی سے اُس کا خمیر کر کے ایک پُتلا بنایا اور اُسمیں خاص روح پھونکی اور اس مشتِ خاک کی فرشتوں پر فضیلت ظاہر کرنے کو دنیا بھر کی چیزوں کے نام آدمؑ کو بتا دیے۔ اس کے بعد فرشتوں سے مقابلہ کرایا تو علی الاعلان تمام فرشتوں پر آدمؑ کی علمی فضیلت کا اظہار ہوا اور فرشتوں کے ظاہر و پوشیدہ ہر دو خیالات کا جواب ہو گیا۔ چنانچہ اسی فضیلت اور اسباب فضیلت کیطرف اجمالی اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:۔

قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ یعنی خداتعالیٰ نے فرمایا کہ اس خلافت کے اندر جو اسرار حکمت ہیں اُنکو میں ہی جانتا ہوں تم اُن سے واقف نہیں میں تجلیات ذاتیہ کا اظہار اور عکس اس مشتِ خاک پر ڈالوں گا اور اس خاکی نسل میں نبی، صدیق، شہید عابد، زاہد، ابرار، اولیاء، صلحاء، علماء، مقرب بندے اور خشوع خضوع کرنیوالی ہستیاں میں پیدا کروں گا۔ تم جامع صفاتِ رحمت ہو اور یہ خاکی پتلا میری تمام صفات کمال کا جامع ہوگا لہذا اسکی تسبیح و تقدیس تمہاری تسبیح و تقدیس سے افضل ہوگی۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو سب چیزوں کے نام بتا دیے پھر ان کو پیش کیا فرشتوں پر

فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

اور فرمایا کہ ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم (اپنے اس قول میں) سچے ہو

تفسیر حسب تجویز خدا تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا جسکی کیفیت حدیث میں اس طرح آئی ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرشتے کو حکم دیا کہ زمین سے ہر جگہ کی تھوڑی تھوڑی مٹی لیکر ہر قسم کے پانی سے خمیر کر کے اُس کا ایک پُتلا بنائے۔ حسب الحکم فرشتے نے مکہ اور طائف

کے درمیان بمقام نعمان اسی طرح کا ایک پتلا بنایا اور خدا تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے اسکی صورت ہاتھ پاؤں، ناک، کان، منہ اور آنکھیں بنائیں اور کچھ مدت تک اس خشک پتلے کو اسی حالت میں رکھا۔ فرشتے اس عجیب و غریب صورت کو دیکھ کر حیران ہوتے اور تعجب کرتے تھے کہ خدا جانے اسمیں کیا حکمت دراز ہے جو خلیفہ بنایا جائیگا اور ابلیس اسکو دیکھ کر دل میں کہتا تھا کہ یہ کیا حقیر چیز ہے لیکن جب قلب کو دیکھا تو حیران ہوگیا کہ عجب نہیں اسمیں کوئی لطیفہ ربانی ہو۔ اسکے بعد خدا تعالیٰ نے روح کو اس پتلے میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ جب روح اس تنگ و تاریک خاکی حجرے میں بحکم الٰہی داخل ہوئی۔ اسی وقت حضرت آدم کو چھینک آئی۔ حضرت آدمؑ نے الہام الٰہی سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا۔ خدا تعالیٰ کیطرف سے یَرْحَمُکَ اللّٰہُ جواب عطا ہوا۔ پھر حضرت آدمؑ کو حکم ہوا کہ تم فرشتوں کی جماعت کے پاس جاکر اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہو۔ جو کچھ وہ جواب دیں تمہاری اولاد اور نیز تمہارے لئے یہی باہم تحیت ہے۔ حضرت آدم نے فرشتوں کی جماعت سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا اور فرشتوں نے وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ جواب دیا۔

پھر خدا تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے دل میں القاء کر دیا کہ فلاں چیز کا یہ نام ہے اور فلاں چیز کا یہ نام ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اسماء سے یہی نام مراد ہیں جو لوگوں میں متعارف ہیں۔ مثلاً انسان، چوپایہ، زمین، آسمان، پہاڑ، میدان خشکی، تری۔ گھوڑا، گدھا، دیگ، ہانڈی، پیالہ وغیرہ (ابن ابی حاتم و ابن جریر) مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ہر چیز کا نام سکھایا۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ ملائکہ کے نام بھی سکھائے تھے۔ حمید شامی کہتے ہیں کہ تاروں کے نام بھی بتائے تھے لیکن ابن جریر نے اس معنی کو پسند کیا ہے کہ حضرت آدمؑ کو انکی اولاد اور ملائکہ وغیرہ سب کے نام سکھائے تھے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی سرشت میں خدا تعالیٰ نے اجزاء مختلفہ اور قوائے متباینہ رکھے تھے جن سے ان کو طرح طرح کے معقولات، محسوسات، حقائق اشیاء، ان کے خواص اور نام، اصول علم، قوانین صنعت اور انکے آلات کی کیفیت کا علم حاصل ہوئے پھر جب حضرت آدمؑ کو فضیلت علم حاصل ہوگئی جو تمام صفات کمالیہ کی سرتاج ہے اور

جسپر مدار خلافت ہے تو خدا تعالیٰ نے ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے دوبارہ عام میں پوچھا کہ تم مجھکو ان چیزوں کے نام تو بتاؤ - اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں (اور تسبیح و تقدیس کو علمِ اشیاء لازم ہے) اس لئے ہم مستحق خلافت ہیں - اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کے معنی مختلف روایتوں میں مختلف آتے ہیں۔ حسن و قتادہ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے بڑھکر علم والا پیدا نہیں کریگا تو تم اپنے علم سے ان چیزوں کے خواص اور افعال بیان کرو۔ ضحاک کی روایت میں یہ معنے مذکور ہیں کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ خدا تعالیٰ زمین پر خلیفہ نہیں پیدا کریگا تو ان چیزوں کے نام بتاؤ - ابن مسعودؓ ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ سے یہ معنی منقول ہیں کہ تم ان لوگوں کے نام بتاؤ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ آدمؑ کی اولاد سب کی سب زمین پر فساد و خونریزی کریگی - ابن جریرؒ نے بیان کیا ہے کہ ملائکہ کو ارشاد ہوا تھا کہ تم انکے نام بتاؤ اگر تم اس قول میں سچے ہو کہ میں نے تمہارے سوا کسی دوسرے کو زمین پر خلیفہ کیا تو اسکی ذریت میں فساد و خونریزی ہو گی اور جبکہ تم ان چیزوں کے خواص افعال ہی نہیں جانتے جو تمہارے سامنے موجود ہیں تو پھر جو چیزیں آیندہ ہونگی ان کو کس طرح جان سکوگے اور علم نہ ہوگا تو تسبیح و تقدیس کسطرح بدرجۂ کمال کر سکو گے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ

فرشتے بولے تو پاک ذات ہے نہیں ہم کو علم مگر جتنا تو نے ہم کو سکھا دیا

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

بے شک تو ہی علم والا (اور) حکمت والا ہے

تفسیر لیکن چونکہ فرشتوں میں وہ قوت نہ تھی جس سے حقائق اشیاء اور جزئیات امور کا علم ہو سکے اسلئے نہ بتا سکے اور عرض کرنے لگے کہ تیری ہی شان پاک ہے ہم کو تیرے تعلیم کردہ علم کے سوا اور کچھ واقفیت نہیں البتہ تو ہی علیم و حکیم ہے۔ ملائکہ نے ادب کے ساتھ پہلے تسبیح کہی جس سے معلوم ہو کہ ہر عیب و نقص جناب باری سے دور ہے

اور اسکی شان خوبی وکمال کا مجموعہ ہے اور جب خدا تعالیٰ کسی مخلوق میں علم پیدا کرتا ہے تو وہ مخلوق اسی قدر علم رکھتی ہے جتنا اُس کو عطا کیا گیا۔

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ

ارشاد ہوا کہ اے آدم! بتا دو ان کو ان چیزوں کے نام۔ جب بتائے آدمؑ نے انکو ان چیزوں کے نام

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ

تو اللہ نے فرمایا کیوں! کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کی چھپی چیزوں کو

الْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝

جانتا ہوں اور مجھکو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

تفسیر جب فرشتوں کا عجز ظاہر ہوگیا اور انھوں نے اپنی کم علمی اور بے مائگی کا اعتراف کرتے ہوئے اقرار قصور کرلیا تو خدا تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو حکم دیا کہ انکو ان اشیاء کے نام بتا دو اور ان اشیاء کے نام سے ان کو مطلع کرو۔

فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ یعنی حسب الحکم حضرت آدمؑ نے فرشتوں کو جب ان مخلوقات کے نام بتائے۔ زید بن اسلم کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ نے تمام چیزوں کے نام بتانے شروع کئے اور فرمایا تم جبرئیل ہو تم میکائیل ہو، تم اسرافیل ہو، اسی طرح تمام اسماء بتلائے یہاں تک کہ حقیر ترین پرندوں کے نام بھی بیان کردیے۔ مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بصری اور قتادہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ تو خدا تعالیٰ نے فرشتوں کو متنبہ کرنے کے لئے فرمایا تم اپنے دل میں کیا سمجھے تھے کیا میں نے تم سے پہلے ظاہر نہ کر دیا تھا کہ میں ہر چیز کی حکمت و مصلحت اور زمین و آسمان کے ہر پوشیدہ راز سے واقف ہوں اور تمہارے دلوں کے مطالب اور

ظاہر حال سے بھی آگاہ ہوں۔ آیت کے اخیر ٹکڑے کی تفسیر میں صحابہؓ نے مختلف معانی بیان کئے ہیں
ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ملائکہ کو اشارہ ہوا تھا کہ تمہارا ظاہر بھی مجھکو معلوم ہے
اور باطن میں جو ابلیس نے چھپا یا ہے وہ بھی مجھے معلوم ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ
یہ کبر و غرور اگرچہ نورانی ملائکہ میں نہ تھا بلکہ فقط ابلیس میں تھا لیکن جب کوئی جم
اکٹھی ہوتی ہے تو اُن میں سے بعض کا فعل سب کی طرف مبہم طور پر منسوب کر دیا جاتا
ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ یہ لشکر بہت تجربہ کار ہے لڑا بھڑا مارا مرا اور کہا گیا کہ بھگا یا
ہوا ہے۔ حالانکہ کل لشکر ایسا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس گروہ ملائکہ میں کبر و غرور
صرف ابلیس نے ہی چھپا یا تھا مگر اجمالی نسبت سب کی طرف کر دی گئی۔ اسی کے
قریب وہ قول ہے جو تفسیر سدی میں ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ کا منقول ہے کہ
فرشتوں نے جو بات ظاہر کی تھی وہ تو یہی تھی کہ جو لوگ خونریزی اور فساد کریں گے
اُن کو خلیفہ کس طرح بنایا جائیگا اور جو امر مخفی رکھا تھا اُس سے مراد کبر و غرور ہے جو ابلیس
کے دل میں تھا۔ یہی قول سعید بن جبیرؒ، مجاہدؒ، سدیؒ، ضحاکؒ اور سفیان ثوریؒ
سے منقول ہے۔ ابو العالیہ، ربیع بن انس، حسن بصری اور قتادہ فرماتے ہیں کہ
ملائکہ کا ظاہر قول تو یہی تھا کہ ہم لوگ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں پھر کیا حکمت ہے کہ ایسی مخلوق کو
خلیفہ ہو جو فساد و خونریزی کرے گی اور باطنی بات یہ تھی کہ ہم سے زیادہ عالم اور بزرگ کوئی مخلوق نہ ہو گی

مقصود بیان :- فتنہ و فساد قوت شہوانی کا کام ہے اور خونریزی
قوت غضبیہ سے تعلق رکھتی ہے اور علم قوت عقلیہ کا فعل ہے۔ ان تینوں امور کے
ذکر کرنے سے یہ مراد ہے کہ انسان میں تینوں قوتیں رکھی گئی ہیں علم تمام صفات
کمالیہ سے اشرف و افضل ہے اور اسی پر استحقاق خلافت کا دارومدار ہے کیونکہ علم کے
بغیر فیصلہ نہیں ہو سکتا اور فیصلہ صحیح کرنے کی قوت نہ ہو تو استحقاق خلافت نہیں
ہو سکتا۔ علم کا درجہ عبادت سے بھی بڑھ کر ہے۔ اسی وجہ سے تسبیح و تقدیس سے
افضل علم کو قرار دیا گیا۔ حضرت آدمؑ کو کل اشیاء کا علم عطا کیا گیا تھا۔ انسان
کا علم فرشتوں سے زیادہ ہے اور عام انسان عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ آیت میں

ایک خفیف اشارہ اس امر کی تعلیم کیطرف بھی ہے کہ اعتراف قصور اور توبہ سے قبل خدا کی تسبیح کرنی چاہیئے اور اُسکو تمام عیوب و نقصانات سے پاک کہا جائے اسکے بعد اپنی غلطی کا اعتراف کرنا چاہیئے۔ کل علم خدا تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ حکمت کا مرتبہ علم سے بڑھکر ہے اسی وجہ سے علیم کے بعد حکیم کا لفظ ذکر کیا گیا۔ خدا تعالیٰ کے علم سے باہر تمام عالم میں کوئی ذرہ نہیں ہے۔ ظاہر باطن اور اول آخر سب کا خدا کو علم ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ

مگر ابلیس نے نہ کیا انکار کیا اور غرور کیا اور ہو گیا کافروں میں سے

تفسیر یہ چوتھی نعمت ہے پہلے حضرت آدم کے واسطے علمی عزت افزائی تھی اور یہ علمی قدر بخشی ہے کہ فرشتوں سے سجدہ کرانے کا حکم ہوتا ہے۔ کیونکہ جب آدم کی علمی فضیلت ثابت ہو چکی تو خدا تعالیٰ نے اُن کو اپنی نیابت عطا فرمائی اور سب کو اس تخت نشینی سے مطلع کر کے سجود و تعظیم کی نذر پیش کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ حضرت آدم کی فضیلت کا عملی طور پر مظاہرہ ہو جائے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ نہی انکار کرنے والے یا خلافت آدم میں چون و چرا کرنے والے فرشتوں سے فرمایا کہ اب آدم کا استحقاق خلافت ظاہر ہو گیا اب تم سب اسکی تعظیم و تکریم کرو اور سجدہ تعظیمی اسکے سامنے بجالاؤ۔ حسب الحکم فوراً سب فرشتے سجدہ میں گر پڑے کیونکہ نور محض تھے اُن میں سرکشی اور سرتابی کا مادہ نہ تھا مگر ابلیس نے انکار کیا (ابلیس بھی فرشتوں میں داخل تھا اگرچہ اسکی سرشت ناری تھی اور فرشتوں کی خلقت نوری لیکن عبادت و ریاضت اور اطاعت و مجاہدہ کی وجہ سے فرشتوں کی جماعت میں داخل کر لیا گیا تھا اور اسکو بھی فرشتوں میں شمار کر لیا گیا تھا) اور غرور

کہنے لگا کہ میں ان کو سجدہ نہیں کروں گا یہ خاکی ہے میں ناری ہوں، یہ اب کی مخلوق ہے اور میری عمر طویل ہے۔ میں ہزاروں برس عبادت و ریاضت میں گزار چکا ہوں۔ پھر اس عجیب الخلقت کثیف پتلے کو کسطرح سجدہ کرسکتا ہوں اور درحقیقت خدا تعالیٰ کو تو پہلے ہی علم تھا کہ یہ منکرین کے گروہ میں داخل ہے۔ احکام الٰہی سے سرکشی کرنے والا ہے۔

تقریر مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم جو فرشتوں کو ملا تھا وہ مناظرہ و مباحثہ کے بعد کا واقعہ ہے لیکن بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جونہی حضرت آدمؑ کے خاکی پتلے میں خدا تعالیٰ نے روح ڈالی فوراً فرشتے سجدہ میں گر پڑے اور بعد کو مناظرہ و مباحثہ کی نوبت آئی۔

مقصود بیان: حسد سب گناہوں سے بڑا گناہ ہے جس نے شیطان کا ستیاناس کر دیا اور اُسکو راندۂ بارگاہ بنا دیا۔ خدا کی مرضی پر راضی رہنا چاہئے شیطان اسکی مرضی پر راضی نہ ہوا اسلئے اُس کا نتیجہ خراب ہوا۔ انسان اپنے علم، عبادت، ریاضت اور اطاعت پر مغرور نہ ہو۔ کیونکہ اعتبار انجام کا ہے معلوم نہیں انجام کیسا ہو۔ شیطان کی ہزاروں برس کی عبادت انجام میں اُسکے لئے مفید نہ ہوئی۔ خدا تعالیٰ کے احکام سے سرتابی کرنی اور اسکی شان میں گستاخی کرنی سخت گناہ ہے۔ انسان کو نعمت الٰہی پر مغرور ہو کر نافرمانی نہ کرنی چاہئے بلکہ ادائے شکر کرنا چاہئے۔ آخر میں تکبر انسان کو کافر کرسکتا ہے۔ حکم الٰہی بجالانے میں جلدی کرنی چاہئے۔ ڈھیل اور سستی نہ کرنی چاہئے۔ کوئی حیلہ و حجت بھی نہ ہونی چاہئے۔ احکام الٰہی جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اُن میں قیاس آرائی اور دماغ تراشی سے کام نہ لے کیونکہ اُن کی اصلی حقیقت معلوم ہونا محال ہے سوا خدا کے اُن سے کوئی واقف نہیں۔ خدا تعالیٰ کی صنعت و حکمت میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں اور نہ اسکی اجازت ہے۔ اُس کی حکمت بالغہ کا ہم کو علم نہیں۔ اسی وجہ سے بعض اشیاء کی پیدائش کو ہم نقصان دہ اور غیر مفید خیال کرتے ہیں اور واقع میں اُن چیزوں کا وجود فائدہ رساں اور ضروری ہوتا ہے ہم کو خدا کے علم و حکمت میں کسی گستاخی اور بے باکی کی اجازت نہیں ہے۔ کبر و غرور خواہ سینہ کے اندر چھپا ہوا ہو لیکن بہرحال ممنوع ہے اور ذلت کے

غاریں گرتا ہے۔ آیت کے اخیر ٹکڑے میں ایک دقیق ترین لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ فرشتوں کی تسبیح و تقدیس بطور عبادت ہے ان کے اندر لطیفۂ محبت نہیں ہوتا مَا تَكْتُمُوْنَ کے لفظ سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وغیرہ۔

وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

اور ہم نے کہا اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا

اور با فراغت اس میں سے کھاؤ جہاں چاہو اور اس درخت کے

هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝

پاس کبھی نہ پھٹکنا کہ گنہ گار ہو جاؤ گے

تفسیر یہ گذشتہ آیات کا ضمیمہ اور تتمۂ خلافت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں سکونت اختیار کرو۔ اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں۔ حضرت آدم کو زوج کی کیا ضرورت تھی اور یہ زوجہ کس طرح پیدا ہوئیں؟ اور جنت سے کیا مراد ہے؟ اسکے متعلق مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ابلیس جب جنت سے نکال دیا گیا اور حضرت آدمؑ جنت میں تنہا رہ گئے تو ان کی طبیعت گھبرائی تھی اور عالم میں سلسلۂ توالد و تناسل اور خلافت جاری کرنا اصل مقصود تھا۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے حضرت حواؑ کو پیدا کیا اور فرمایا کہ آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جنت سے مراد بھی وہی جنت ہے جس کا وعدہ مسلمانوں سے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اہل سنت کا یہی قول ہے۔ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا۔ جنت میں سکونت کا حکم صرف ایک ساعت بلکہ اس سے بھی کم مقدار میں جنت کے اندر رہنے سے پورا ہو سکتا تھا اس لئے مذکورہ بالا حکم کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس جنت میں سے فراخی کے ساتھ جہاں تم چاہو کھاؤ

دل چاہے کھاتے رہو لیکن
وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اس درخت کے پاس بھی نہ جانا (کھانا تو درکنار) کیونکہ اگر اس کے پاس جاؤ گے تو خرابی میں پڑ جاؤ گے متقین علماء کا قول ہے کہ درخت کوئی معین نہ تھا بلکہ مراد یہ بھی کہ اس نوع کے درخت کے پاس نہ جانا۔ شجرہ سے مراد سعید بن جبیر، محمد بن قیس، جادہ بن ہبیرہ اور شعبی و سدی کے قول کے مطابق درخت انگور ہے بعض صحابہ کے نزدیک گیہوں کا درخت مراد ہے۔ مجاہد، قتادہ، ابن جریج وغیرہ کا قول ہے کہ وہ انجیر کا درخت تھا۔ بعض لوگوں نے کھجور کا درخت بیان کیا ہے۔

مقصود بیان:۔ حضرت آدم و حضرت حوا کو جنت میں بالکل آزاد رکھا گیا تھا۔ سوائے مخصوص قسم کے ہر چیز کے کھانے کی اجازت تھی۔ جو شخص امور مشتبہہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ یقیناً حرام امور میں پھنس جاتا ہے۔ اسلئے مسلمانوں کو مشتبہہ امور سے بھی پرہیز رکھنا چاہیئے۔ خداوند تعالیٰ کے احکام سے سرتابی کرنے یا خلاف ورزی کرنے سے انسان درحقیقت خود اپنا نقصان کرتا ہے معتوب بارگاہ الٰہی ہوتا ہے اور خسارہ اٹھاتا ہے۔ امر خدا کی تعمیل میں علت غرض تلاش کرنی اور چون و چرا کرنا ناجائز ہے۔ وغیرہ

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا

پھر شیطان نے اُن دونوں کو وہاں سے ڈگا دیا پس نکلوا دیا اُن کو آرام میں سے جسمیں وہ

فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ

تھے اور ہم نے حکم دیا کہ اُترجاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور

لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ

تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنے کو جگہ اور (دنیوی) سامان ایک معین وقت تک ہے

تفسیر

یعنی حضرت آدم و حوّا کو درخت کے پاس جانے کی ممانعت کردی گئی تھی لیکن شیطان نے اُن دونوں کو بہکایا اور کہنے لگا یٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا یَبْلٰى ؀ اے آدم میں تجھکو ایسا درخت بتاتا ہوں کہ جس کے کھانے سے تو ہمیشہ زندہ رہیگا اور تجھکو لازوال سلطنت ملیگی اور یہ الفاظ بھی کہے کہ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ ؀ تم کو تمہارے رب نے اس درخت کے کھانے سے صرف اس وجہ سے منع کیا ہے کہ کھانے کے بعد تم دونوں کے فرشتہ (نور مجسم) ہو جانے یا دائمی طور پر زندہ رہنے کا خوف تھا۔ بالآخر حضرت آدم و حوّا شیطان کے بہکاوے میں آ گئے اور درخت ممنوعہ کھا لیا۔ کھاتے ہی لباس جنت بدن سے دور ہو گیا اور شیطانی اغوار عرس نعمت لازوال سے دور ہونے اور جنت سے نکالے جانے کا سبب ہوا۔

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ

جب حضرت آدم نے شیطان کے بہکانے سے نادانستگی کی حالت میں پھل کھا لیا تو عتاب الٰہی شروع ہوا۔ کیونکہ انبیاء کی بھول اور خطاءِ اجتہادی بھی قابل گرفت ہے۔ جن کے رتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے فرما دیا کہ یہ جگہ تمہارے رہنے کے قابل نہیں ہے چلو اُترو زمین پر جا کر رہو وہاں باہمی عداوت کی تکلیف اٹھاؤ اور موت تک وہیں رہو اور زندگی معیشت کے اسباب فراہم کرو۔ تم اس لباس لطیف، منزل شریف، رزق کریم اور راحت عمیم کے لائق نہیں ہو۔

مقصود بیان: شیطان کے اغوا کرنے کے اسباب بے انتہا ہیں ہر طریقہ سے شیطان بہکاتا ہے۔ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ عتاب الٰہی کا سبب درحقیقت انسان کی نافرمانی ہے جنت پیدا ہو چکی ہے۔ انسان زندگی میں تو زمین پر رہتا ہے لیکن مرنے کے بعد بھی زمین میں ہی رہیگا باہم بغض عداوت فطری ہے۔ وقت خاص تک انسانوں کو جائز منافع دنیا سے متمتع ہونے کی اجازت ہے دنیا ایک سرائے ہے اور انسان اسمیں مسافر ہے اسلئے دنیا کو صرف قرارگاہ سمجھنا چاہئے دائمی یا ٹھکانہ نہ خیال کرنا چاہئے۔ وغیرہ

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

تفسیر یعنی حضرت آدمؑ جب جنت سے نکالے گئے تو فوراً اُن کو اس غلطی بلا قصد کا احساس ہوا بہت پشیمان ہوئے اور مدت تک پریشان حال زمین پر اپنے گناہوں پر روتے اور سرگرداں پھرتے رہے بالآخر خدا تعالیٰ کا دریائے رحمت جوش زن ہوا اور حضرت آدمؑ کے دل میں یہ دعا القاء فرمائی رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ حضرت آدمؑ نے ان کلمات کو ترجمہ کر دعا کرنی شروع کی اپنے قصور کو برا سمجھ کر دلی سوز وگداز اور ندامت آلود اشکوں کے ساتھ آیندہ کیلئے ترک گناہ کا مصمم ارادہ کر کے بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہوئے ۔ خدا تعالیٰ نے توبہ قبول فرمائی کیونکہ خدا تعالیٰ یقیناً توبہ قبول کرنے والا اور بندوں پر ہر حالت میں رحمت و مہربانی فرمانے والا ہے ۔

مقصود بیان :۔ ترک گناہ ، اعتراف جرم ، عزم ترک اور توبہ کی تعلیم اس بات پر تنبیہ کہ دعا بھی خدا کی طرف سے انسان کے دل میں القاء ہوتی ہے یہ بھی اُسی کی رحمت ہے کہ وہ دعا کی توفیق دیتا ہے اور پھر خود ہی توبہ قبول کرتا ہے۔ خدا سے زیادہ کوئی توبہ قبول کرنے والا نہیں ہے ۔ وغیرہ۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ

ہم نے حکم دیا کہ تم سب کے سب یہاں سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری جانب سے

مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ

ہدایت پہنچے تو جو کوئی چلے گا میری ہدایت پر تو اُن کو نہ کوئی ڈر

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے

تفسیر حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوگئی تھی لیکن زمین پر رہنا، جنت سے نکالا جانا دوزخ کا خوف اور اسباب معیشت کی فراہمی بہ سبب اُن کی تکالیف اور افکار کے اسباب تھے اسلئے ارشاد ہوتا ہے کہ تم زمین پر چلے جاؤ اور کچھ فکر نہ کرو وہاں بھی تم پر میری نظر عنایت رہیگی اور میری رحمت شامل حال ہوگی لیکن اگر میری جانب سے تمہارے پاس میری ہدایت یعنی انبیاء، علماء، کتب اور عقل فطری پہنچے تو اسکا اتباع کرنا جو کچھ ہوگیا وہ ہوگیا۔ اب آئندہ کو ایسا نہ کرنا۔ میری ہدایت کے بموجب چلنا۔ کیونکہ جو شخص میری ہدایت اور اسباب ہدایت کے بموجب چلیگا اُسکو کبھی دوزخ کا خوف نہ ہوگا اور نہ جنت سے محرومی کا غم ہوگا۔ میں اُسکو پھر دوبارہ ان مصائب ارضی اور اسباب معیشت کی فراہمی سے آزاد کرکے جنت میں داخل کردونگا اور دوزخ سے محفوظ رکھونگا۔ البتہ دنیا میں اُسکو وہی ملیگا جو مقدر میں لکھا جاچکا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ

اور جو نافرمانی کرینگے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

وہی دوزخی ہوں گے وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے

تفسیر ہاں جو شخص میری ہدایت کو نہ مانیگا، احکام انبیاء، ہدایت کتب اور عقل سلیم کی رہنمائی قبول نہ کریگا اور ہماری نشانیوں کی تکذیب کریگا آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کو جھوٹا بتائیگا اور آثار قدرت کا جو ذات واحد قدیم پر دلالت کرتے ہیں انکار کریگا وہ یقیناً ہمیشہ ہمیش کے لئے دوزخی ہوگا کبھی اسکو رہائی نہ ملیگی۔ دوزخ کی آگ فراق الٰہی کی آگ، غم والم کی آگ اور سب سے بڑھ کر اپنے کفر و شرک کی آگ میں جلتا رہے گا۔

ھدیٰ ایتا:۔ اوپر کی آیت میں ھُدیٰ سے مراد بروایت ابوالعالیہ انبیاء اور کتب الٰہیہ ہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں ھُدیٰ سے مراد حضرت ذات محمدیؐ ہے۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ قرآن مراد ہے

مقصود بیان : ۔ ہدایت محض توفیقِ الٰہی سے کسی بندہ کے بس کی بات نہیں ہے اور خدا کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور باقی گمراہی ہی گمراہی ہے کسی شخص کی عقل ہدایت کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ آلائش مادی اور اوہام نیز ساوس سے آلودہ ہے ۔ جنتی جنت میں ہمیشہ رہینگے ۔ نجات اُنہی کا حصہ ہے جو ہدایت الٰہی کے پیرو ہیں کافر ہمیشہ دوزخ میں رہینگے دوزخ سے کبھی رہائی نہ ملیگی ترہیب و ترغیب اتباعِ شریعت کی تعلیم، نجات کا وعدہ، عذاب کی، سب کچھ آیت کے مضمون سے مقصود ہے :۔

بعض ضروری امور حضرت آدمؑ زمین پر ضرور تشریف لائے تھے اور بروایت قوی کوہ سراندیپ (سیلون یا لنکا) میں اُترے تھے ۔ لیکن آپ نے سکونت کہاں اختیار کی ؟ اسکی کوئی تحقیق نہیں ۔ حضرت حوّا جدّہ میں اتری تھیں اور وہیں سکونت پذیر ہوئی تھیں اسی لئے جدّہ کو جدّہ کہتے ہیں ۔ کیونکہ جدّہ عربی زبان میں دادی کو کہتے ہیں ۔ چونکہ تمام آدمیوں کی دادی وہاں نازل ہوکر اقامت گزین ہوئی تھیں اسی لئے اس مقام کا نام جدّہ رکھا گیا ۔ حضرت آدم و حوّا کی ملاقات مقام عرفات میں ہوئی اور وہیں فراقِ جنت کے بعد ہر ایک نے دوسرے کو پہچانا ۔ کعبہ حضرت آدمؑ نے بہدایت حضرت جبرئیل بنایا تھا ۔ سب سے پہلے دنیا میں یہی تعمیر ہوئی ۔ حضرت آدمؑ کی زبان عربی تھی ۔ جب سے نکل کر جدّہ میں یا فلسطین یا شام میں ہر دو حضرات نے سکونت اختیار کی تھی ۔ بعض لوگوں کے نزدیک مصر کو وطن بنایا تھا ۔ حضرت آدمؑ کی عمر نو سو تیس سال کی ہوئی ۔ قبر کا پتہ معلوم نہیں ۔ حضرت حوّا کی قبر کے کچھ نشانات جدّہ میں موجود ہیں جب خدا تعالیٰ توحید ، نبوت اور معاد کے دلائل بیان کر چکا اور اس کی تائید میں ایجاد ، ابقاء وجود اور عام نعمتوں کا ذکر کر چکا اور انسان کی عزت افزائی کا بھی پورا بیان ختم ہو گیا تو اب خصوصیت کے ساتھ بنی اسرائیل کو ان کی مخصوص نعمتیں یاد دلا کر اس طرف متوجہ فرماتا ہے کیونکہ کائنات انسانی میں بنی اسرائیل سے زیادہ انعامات الٰہیہ کا مورد کوئی نہیں ہوا ہے بنی اسرائیل میں جتنے پیغمبر گذرے کسی کی نسل میں اتنے پیغمبر نہیں ہوئے ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ

اے اسرائیل کی اولاد میری اُن نعمتوں کو جن میں نے تم پر کی ہیں یاد کرو

عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّاىَ

اور تم میرا اقرار پورا کرو میں تمہارا اقرار پورا کروں اور تم مجھی سے

فَارْهَبُوْنِ ۝ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا

ڈرتے رہو اور ایمان لاؤ اُس (قرآن) پر جو میں نے اُتارا ہے جو تصدیق کرتا ہے اُس

مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا

(توریت) کی جو تمہارے پاس ہے اور نہ ہو جاؤ اس کے پہلے منکر اور نہ لو

بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ۝

میری آیتوں کے عوض میں تھوڑا مول اور تم مجھی سے ڈرتے رہو

تفسیر اسرائیل حضرت یعقوب کا لقب تھا یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ ایل کے معنی اللہ اور اِسرا کے معنی بندہ۔ یعنی عبداللہ۔ اولاد اسرائیل سے مراد یہود ہیں اور خطاب اُن یہود کو ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ اور اطراف مدینہ میں موجود تھے۔ شیخ عبدالحق نے سیر میں نقل کیا ہے کہ مدینہ میں یہودیوں کی سکونت حضرت موسیٰ یا حضرت سلیمان کے زمانہ سے تھی کیونکہ غرق فرعون کے بعد جب وہ ملک شام میں آکر آباد ہوئے اور شام سے کعبہ کی زیارت کے لئے آتے تو راہ میں بمقام یثرب وہ آثار پائے گئے جو توریت میں خاتم الانبیا کے وطن ہجرت کے متعلق مذکور تھے۔ نیز وحی نبوت سے بھی اُن کو اطلاع دی گئی اسلئے یہود کی ایک جماعت نے اپنے پیغمبر سے درخواست کی کہ ہم لوگ یہیں رہنا چاہتے ہیں تاکہ پیغمبر آخرالزماں کی بعثت و نبوت پر ایمان لائیں۔ اجازت ملنے کے بعد یہ لوگ یہیں رہ پڑے اور ہر نبوت خاتم الانبیا کا شوق ان کا دلگیر تھا اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ جب کوئی مرنے

مرنے لگتا تھا تو وہ اپنی اولاد کو وصیت کر دیتا تھا کہ تیرے زمانہ میں حضور خاتم الانبیاء کا ظہور ہو تو میرا اسلام عرض کر کے میرے اسلام لانے کی کیفیت عرض کر دینا۔ اسی طرح ایک مدت دراز گذر گئی۔ ان کی آبادی کے بعد یمن کے دو باشندے اوس و خزرج بھی یہاں آکر آباد ہو گئے۔ یہودیوں کی بھی نسل رفتہ رفتہ بڑھ گئی اور یمنی قبائل بھی کثیر ہو گئے اوس و خزرج کی اولاد یہودیوں پر غالب آئی لیکن کچھ زمانہ کے بعد اوس و خزرج میں باہم نفاق و شقاق ہوا اور جنگ و جدال کے معرکے ہونے لگے۔ کچھ یہود اوسیوں کے اور کچھ خزرجیوں کے طرفدار ہو گئے۔ یہ یمنی قبائل بُت پرست تھے اور یہودی اپنے دین پر قائم تھے اور جب کبھی یمنیوں سے تنگ ہوتے تھے تو اُن کو بددعا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ الٰہی ہم کو نبی آخر الزمان کے طفیل سے ان لوگوں کی شرارت سے محفوظ رکھ۔ اور ان یمنیوں سے کہتے تھے کہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ ہم پیغمبر آخر الزمان کی زیر حمایت تم لوگوں سے جہاد کریں گے۔ لیکن جب حضور گرامی صلعم کی بعثت ہوئی تو اس زمانہ میں کچھ یمنی لوگ مدینہ کے باشندے قریش سے معاہدہ کرنے اور حج ادا کرنے کی غرض سے مکہ آئے اور چونکہ یہودیوں سے خاتم النبیین کی شناخت اور علامات سُن چکے تھے اسلئے فوراً ایمان لے آئے۔ یہودیوں کے دلوں میں عداوت کی آگ اس بات سے اور زیادہ بھڑک اٹھی اور انصار کو بہکانے کیلئے توریت میں تحریف کر کے اور معانی بگاڑ کے بیان کرنا شروع کر دیے۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں نے دانستہ انکار کیا۔ اب خدا تعالیٰ نے وہ تمام نعمتیں اجمالی طور پر یاد دلائیں جو حضرت موسیٰ کے وقت سے دور محمدی تک یہودیوں کے شامل حال رہی تھیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ یعنی اے یہودیو! میری اُس نعمت کو یاد کرو جو تمہارے باپ دادوں کو میں نے عنایت کی تھیں۔ عذاب فرعون سے اُنکو نجات دی، فرعون کو غرق کیا، اُن کے واسطے دریائے نیل کا راستہ کھولا، اور نہ فرعون اُن کو قتل کر ڈالتا۔ بیابان جنگل میں من و سلویٰ یعنی غذا بے محنت اُن کو عطا کی اور نہ

بھوکوں مرجاتے ۔ ان کے علاوہ بہت سے انعام اُنپر کئے اور توریت میں یہ سب مذکور ہیں جن کو تم پڑھتے ہو اور تم کو معلوم ہیں ۔ اگر یہ انعام نہ ہوتے تو اُن کی نسل عالم ہستی ہی میں نہ آتی اور نہ تمہارا وجود ہوتا ۔ لہذا اُن انعامات کو یاد کرو ۔

وَأَوْفُوا بِعَهْدِي اور میرے اُس میثاق کو پورا کرو جو تم نے کیا تھا کہ نماز باقاعدہ پڑھنا ، زکوٰۃ ادا کرنا ، میرے رسولوں پر ایمان لانا اور خدا تعالیٰ کو قرض حسنہ دینا ۔ اگر اس عہد پر قائم رہوگے تو أُوفِ بِعَهْدِكُمْ میں اُس عہد کو پورا کرونگا جو میں نے تمہارے بارہ نقیبوں سے کیا تھا کہ میں تمہارے تمام گناہ معاف کردونگا اور تم کو جنت میں داخل کرونگا ۔

وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ○ اور مجھی سے امید وار رہتے ہوئے خوف بھی کرو شیطانی اوہام کی وجہ سے کسی کو اپنی رجاء اور خوف کا مرکز نہ بناؤ ۔ یہ مت خیال کرو کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو جاؤ گے تو عام یہودی تمہاری سیادت سے نکل کر محمد صلعم کے تابع ہو جائینگے اور جو کچھ تم کو نذرانہ دیا کرتے تھے وہ بند ہو جائیگا اس حقیر دنیوی مال کا لالچ نہ کرو بلکہ دائمی نجات کی مجھ سے امید رکھو اور میرے ہی عذاب کا خوف کرو ۔ ایسا نہ ہو کہ جو عذاب گذشتہ بنی اسرائیل پر نازل ہوا ہے وہ تم پر بھی نازل ہو جائے ۔

وَآمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ یعنی اس قرآن پر ایمان لاؤ جو اُن صحیفوں اور کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس موجود ہیں تمہاری کتابوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو نشانات صفات اور علامات مذکور ہیں اور جس شریعت کا ذکر ہے اسکی تصدیق اس قرآن سے ہوتی ہے ۔ (ابو العالیہ مجاہد ربیع بن انس اور قتادہ سے اس آیت کی تفسیر اسی طرح مروی ہے) لہذا تم اس کو سچ جانو اور انکار کرنیوالوں میں سے تم اول نہ ہو یعنی اہل کتاب میں سے تم انکار کرنے میں سب سے اول نہ ہو کیونکہ رسول اللہ صلعم کی شناخت کا علم جسطرح تم کو حاصل ہے اوروں کو وہ یہ تحقیق نہیں ہے (ابن عباس و ابو العالیہ)

وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ○ یعنی دنیا کا فائدہ چندروزہ اور ناپائدار

پذیر اور بمیعاد ہے تم رشوتیں لیکر میری آیات کو نہ بدلو۔ صفات و نشانات محمد صلعم جو
تمہاری کتابوں میں مذکور ہیں دنیوی مال کی لالچ سے اُن کو تحریف نہ کرو اور اس قلیل متاع
کو میری آیات پر ترجیح نہ دو اور مجھی سے ڈرتے رہو کیونکہ مشیت الٰہی کے خلاف کسی کو
ایک ذرہ نہیں مل سکتا۔ خالق و رازق وہی موجد و مبدع وہی ہے۔

مذکورہ آیات کا خلاصہ مطلب تفسیری یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اے
بنی اسرائیل اب میں نے تمہارے دین کی اصلاح اور افراط و تفریط کو چھوڑ کر درمیانی راستہ
بتانے کیلئے قرآن اور نبی آخر الزمان کو بھیجا ہے۔ تم میری گذشتہ مہربانیوں و عنایتوں
پر خیال کر کے میرے اس عہد کو پورا کرو جو میثاق کے دن تم نے مجھ سے کیا تھا کہ ہم تیری
اطاعت کرینگے تیرے پیغمبروں کا حکم مانینگے اور پھر وقتاً فوقتاً اس عہد کی تجدید و توثیق
بھی تم کرتے رہے ہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو میں بھی اپنا عہد پورا کرونگا۔ دنیا میں تمہاری
عزت و شوکت اور زائل شدہ سلطنت واپس دیدونگا اور آخرت میں تم کو حیات
ابدیہ اور نجات حقیقیہ سے سرفراز کرونگا۔ اور اس عہد کا فائدہ یہ ہے کہ اس نبی آخر
الزماں اور قرآن پر ایمان لاؤ جو تمہارے اصول دین مطابق توراۃ اور دیگر کتب سماویہ
کی تصدیق کرتا ہے۔ جب یہ بات ہے تو اب تم اہل علم یا اہل کتاب ہیں سے سب سے اول منکر
بنکر اغراض دنیوی کے عوض جو بالکل بمیعاد ہیں میری آیات کو نہ بیچو اور میرے عذاب سے خوف کرو۔

مقصود بیان:- ایفاء عہد کی تعلیم، گذشتہ انعامات الٰہی کو یاد کرنے کا حکم،
امید و خوف کا مرکز صرف ذات خداوندی کو قرار دینے کا وجوب، قرآن پر ایمان لانے
کا امر، اس امر کی تصریح کہ قرآن احکام توریت کا مصدق ہے۔ اگرچہ فروعی اختلافات ہے
احکام شریعت کو مالی لالچ یا کسی اور امر کی طمع کی وجہ سے چھپانا، بدلنا، فروخت کرنا،
حرام ہے۔ عالم ناسوت سے بیزار ہو کر عالم لاہوت کیطرف رجوع کرنا چاہئے یعنی شرک جلی
سے احتراز کیا جائے۔ یہ تقویٰ کا پہلا مرتبہ ہے۔ گناہ و شرک خفی سے احتراز کیا جاتے یہ دوسرا
مرتبہ ہے یعنی غیر اللہ کے توسل سے نظر اٹھالی جائے۔ یہ تیسرا مرتبہ ہے یعنی اپنی ہستی کو بھی فراموش
کر دیا جائے یہ چوتھا مرتبہ ہے۔ لفظ فَاتَّقُونِ سے چاروں معنی کی طرف اشارہ ہے۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ○

اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ

تفسیر یعنی تبلیغ میں غلط نہ ملاؤ اور نہ حق کو دانستہ چھپاؤ۔ پہلی آیات میں صحت نظریات کا حکم تھا۔ یہاں درستی عملیات کا امر کیا جاتا ہے۔ علماء یہود کا دستور تھا کہ کتب انبیاء میں عمداً کسی خاص مدعا اور غرض کو ثابت کرنے کیلئے گھٹا بڑھا دیا کرتے تھے یا جو کتابیں کسی حادثہ کی وجہ سے تلف ہو جاتی تھیں یا ناقص ہو جاتی تھیں اُن کے نام پر اپنی تصنیف کردہ کتابوں کو ملا دیا کرتے تھے۔ کبھی شرح کے طور پر کچھ لکھ دیتے تھے لیکن متن و شرح اور قدیم و جدید میں کوئی امتیازی نشان نہ بناتے تھے جس سے معلوم ہو سکے کہ کونسا حصہ اصلی ہے اور کونسا حصہ بڑھایا ہوا ہے اور تمام بنی اسرائیل میں کوئی حافظ بھی نہ تھا نہ اصلی کتب دینیہ ملتی تھیں بلکہ جس کاہن اور راہب و عالم کے پاس جو حصہ بچا ہوا تھا۔ ان وجوہ کی بناء پر کتابوں میں گھٹانا بڑھانا خصوصاً کسی مالی لالچ کے وقت بہت آسان تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل حضورؐ کے متعلق کتب انبیاء میں بشارتیں دیکھ کر بنی اسرائیل سرکار عالیؐ کے ظہور کے منتظر تھے اور محامد محمدی بیان کیا کرتے تھے لیکن ظہور نبوت کے بعد رشک خاندانی، حسد ذاتی اور طمع دنیوی کی وجہ سے اُن بشارتوں کو الٹ پلٹ کرنے لگے اور کچھ کا کچھ کہنا شروع کر دیا اور مسائل فقہیہ میں تاویلات و توجیہات کرنے لگے اسلئے خداتعالیٰ نے فرمایا کہ حق میں اپنی طرف سے باطل کو نہ ملایا کرو اور جان بوجھ کر حق کو مت چھپایا کرو کیونکہ تمہاری گمراہی سے اور ہزاروں گمراہ ہوتے ہیں (حقانی و معالم التنزیل مع زیادت) اسکی وجہ یہ ہے کہ اول تو حق کو چھپانا گناہ ہی ہے پھر جان بوجھ کر پوشیدہ کرنا دوہرا سخت گناہ ہے۔ پھر ایمان سے خود محروم ہونا کس قدر نقصان ہے۔ پھر دوسروں سے حق کو چھپانا اور سچ کا اظہار نہ کرنا انکی محرومی اور ثبات کفر کا سبب ہے، یہ بھی بڑا گناہ ہے پھر دوسروں کو دھوکہ دیکر کفر میں ڈالنا اور آیات الٰہی کو کوڑیوں کے مول بیچنا اور

ملک میں حسنا وپھیلنا گناہ در گناہ ہے۔ اسلئے مذکورہ بالا ارشاد ہوا۔

مقصودِ بیان: معاملاتِ الٰہی میں خلط وخبط نہ کیا جائے۔ کشف کو خیال سے، فہم کو وہم سے، فراست کو قیافہ سے، الہام کو وسواس سے اور حقیقت شک سے، بندگی کو ربوبیت سے، شریعت کو رسم وعادت سے، اخلاص کو ریاکاری سے اور کرامات کو مکاری سے خلط ملط نہ کیا جائے بلکہ بقول شیخ سہل آخرت کو دنیا سے مخلوط نہ کیا جائے

① وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ

اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھا کرو

تفسیر اس سے پہلے کی آیت میں بری باتوں کی ممانعت تھی۔ اس آیت میں اچھی باتوں کے اختیار کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور عبادات مالی وبدنی فرض کیجاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حق کو باطل سے نہ ملاؤ، خالص دل سے ایمان لاؤ اور باقاعدہ ترتیل اور تعدیل ارکان کے ساتھ وقت کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز پڑھو تاکہ تمہارے دل نرم پڑ جائیں، دلوں کی سیاہی زائل ہوجائے اور زکوٰۃ بھی ادا کرو تاکہ مال میں برکت ہو اور فقراء ومساکین کے حقوق ادا ہو کر مساواتِ انسانی کا مظاہرہ ہوجائے اور فقط یہی نہیں کہ گھر نماز پڑھ لیا کرو بلکہ صحابہ کی جماعت کے ساتھ جن کی نماز میں رکوع ایک جزو ضروری ہے شامل ہو کر نماز پڑھا کرو۔ اپنے مذہب کی نماز جس میں رکوع نہیں ہے ترک کردو مسلمانوں کے ساتھ مل کر پڑھو۔

مقصودِ بیان: نماز وزکوٰۃ کی فرضیت، جماعت کا وجوب، مساواتِ انسانی کا مظاہرہ وغیرہ۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ

کیا تم حکم دیتے ہو لوگوں کو بھلائی کا اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب (الٰہی)

الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ

پڑھتے ہو تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو اور تم سہارا پکڑو صبر اور نماز کا

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ

اور بیشک نماز ضرور دشوار ہے مگر ان عاجزی کرنیوالوں پر (نہیں) جن کا خیال ہے

اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ ع

کہ وہ ضرور اپنے پروردگار سے ملینگے اور بلاشبہ اُس کی طرف لوٹیں گے

تفسیر یہ آیت علماء یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ علماء یہود باشندگان مدینہ اُن یہودیوں سے جو ایمان لائے تھے کہا کرتے تھے کہ تم دینِ اسلام پر قائم رہو، اطاعت محمدیہ کئے جاؤ یہی سچا مذہب ہے۔ لیکن خود اسلام سے گریز کرتے تھے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

یعنی کیا تم لوگوں کو تو اسلام لانے، اسلام پر ثابت قدم رہنے، اطاعت الٰہی، تقوی اور امور خیر کے اختیار کرنے، صوم و صلوٰۃ کے ادا کرنے اور رشوتیں لیکر حق پوشی نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہو اور خود ان ہدایات پر عامل نہیں ہوتے اور اختیار خیر کے موقع پر گویا اپنے نفسوں کو بھولجاتے ہو خود اُن پر عمل پیرا نہیں ہوتے حالانکہ تم تورات پڑھتے ہو جسکے اندر دیگراں را نصیحت و خود را فضیحت کی کس قدر ممانعت ہے کیا تم نہیں سمجھتے کہ اپنے آپ کو عذاب میں ڈالنا کیسی بُری حرکت ہے کیونکہ اگر سمجھتے ہوتے تو اس حرکت سے باز آجاتے۔ مطلب کا خلاصہ یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل تم تورات کی تلاوت کرتے اور اُنہیں اعمال صالحہ کی نہایت تاکید ہے اور خود عمل نہ کرنے اور محض دوسروں کو نصیحت کرنے پر جری نہایت بد ہے مگر تم خود عمل نہیں کرتے دوسرے لوگوں کو وعظ و تدریس کرنے کیلئے آمادہ رہتے ہو کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ وجہ یہ ہے کہ تمہارے نفس سرکش ہیں وہ ان اعمال حسنہ، قیدِ شریعت اور روحانی صفائی کو پسند نہیں کرتے۔ لہذا اس کا روحانی علاج یہ ہے کہ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ط تم روزہ نماز سے نفس کو مشقت کشی کا عادی بناؤ کیونکہ روزہ میں کھانے پینے اور جماع سے باز رہنا، صبر کرنا اور نفسانی خواہشات

کو روکنا پڑتا ہے اور پھر نماز میں مشغول ہو کر تمام اعضاء جسم کو عبادت میں مصروف رکھنا روح کو خداتعالیٰ کیطرف متوجہ رکھنا تسبیح و تقدیس کرنا قرآن پڑھنا دل کو حاضر رکھنا ان سب کا مجموعہ روح کیلئے تازگی بخش ہے نفس کی تیزی کو توڑ دیتا ہے حب مال وجاہ کو زائل کر دیتا ہے اور ہر قسم کی نفسانی خواہش کو جو عمل خیر سے مانع ہوتی ہے پژمردہ کر دیتا ہے۔

شیخ سیوطی رح فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں صبر سے روزہ مراد ہے کیونکہ روزہ خواہشات کو توڑ دیتا ہے یعنی اس سے سرداری و مال کی خواہش ٹوٹ جائیگی اور نماز کا حکم اسلئے دیا کہ اس سے بارگاہ الٰہی میں خشوع و خضوع پیدا ہوتا ہے لہذا علم کا غرور جاتا رہیگا اور نماز روزے کے مجموعہ سے یہودیوں کے تینوں اخلاق ذمیمہ زائل ہو جائینگے نہ حب مال و جاہ رہیگی نہ غرور علم۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ نماز سے مراد تمام فرائض دینی ہیں اور صبر سے مراد خواہشات نفسانی کی بندش ہے مطلب یہ ہے کہ پہلے خواہشات شیطانی کو زائل کر دو پھر فرائض دینی کو ادا کرو۔ گویا اوامر و نواہی کے پابند ہو جاؤ۔

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الخ۔ اور یہ نماز بھی کافروں اور منافقوں کے واسطے دشوار بات ہے۔ اسکے متحمل بھی وہی لوگ ہوتے ہیں جو خدا کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم کو خدا سے ملنا ہے۔ ابن عباس اور مجاہد کے نزدیک خاشعین سے وہ سچے مؤمن مراد ہیں جو آیات الٰہی کو سچا اور دل سے مانتے ہیں۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ خاشعین سے وہ لوگ مراد ہیں جو عذاب الٰہی سے ڈرتے ہیں۔ ابن حیان کے نزدیک اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بارگاہ الٰہی میں عجز و انکسار کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔ ضحاک نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ نماز سب پر ثقیل ہے سوائے ایسے لوگوں کے جو خشوع خضوع کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے اور اسکے وعدہ وعید کو سچا جانکر اسکے عذاب سے ڈرتے اور اسکے ثواب کے امیدوار رہتے ہیں۔

مجاہد و ابن جریر وغیرہ کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں لفظ ظن آیا ہے اسکے معنی یقین کے ہیں۔ بیضاوی نے آیت میں ظن کے معنی توقع کے لکھے ہیں یعنی جو خدا سے ملنے کے متوقع ہیں۔ رازی کا قول ہے کہ آیت میں ملاقات سے موت مراد ہے و ظن سے مرا

انتظار یعنی جو لوگ موت کے انتظار رہتے ہیں اُن پر نماز گراں نہیں ہے کیونکہ نماز میں اُن کو مناجات الٰہی حاصل ہوتی ہے اور جس بات کے انتظار میں یہ لوگ ہیں اُس کے مقابلہ میں نماز کی شقت ہیچ ہے۔

مقصود بیان: خود پابند احکام ہونے کا حفظ اور بعد کو دوسروں کو نصیحت کرنے کا حکم لیکن اس سے مراد یہ نہیں کہ جو خود پابند نہیں وہ دوسروں کو نصیحت بھی نہ کرنے کیونکہ خود پابند عمل ہونا واجب ہے اور دوسروں کو پابند بنانا دوسرا واجب ہے ایک واجب کے ترک سے دوسرے واجب کی ممانعت نہیں ہو سکتی۔ تمام اوامر و نواہی کی تعلیم قوت شہوانیہ کا زور توڑنے کا حکم، نماز ادا کرنے کا وجوب، اس بات کا حکم کہ مرنے کے بعد یقیناً خدا کے سامنے جانا اور حساب کتاب دینا ہے۔ فروتنی اور عاجزی کرنیوالوں کی مدح، قیامت پر ایمان رکھنے والوں کی لطیف پیرایہ میں تعریف۔ تعمیل احکام شریعت میں اگر تساہل یا تردد ہو تو نماز و روزہ سے استعانت کا حکم وغیرہ۔

يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ

اے بنی اسرائیل تم یاد کرو میری اُن نعمتوں کو جو میں نے تم پر

عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ

کی ہیں اور اس بات کو میں نے تم کو دنیا جہان والوں پر فضیلت دی

تفسیر چونکہ بنی اسرائیل کو اہل علم اور انبیاء زادے ہونے کی وجہ سے دوچند غرور اور تعصب تھا اسلئے خدا تعالیٰ نے دوبارہ اپنی نعمتوں کو یاد دلایا اور فرمایا کہ اے بنی اسرائیل تم میری نعمتوں کو یاد کرو اور اس بات کو بھی یاد کرو کہ میں نے ایک زمانہ میں تمہارے آباؤ اجداد کو اُس زمانہ کے تمام انسانوں پر شرف عطا کیا تھا۔ بڑے بڑے بادشاہ اور متبرک لوگ تمہارے خاندان کو مقدس اور متبرک جانکر ادب سے نذریں پیش کرتے تھے اور تمہارے خاندان کی عزت و حرمت اور علم و نبوت کی شہرت عالمگیر تھی۔ ابو العالیہ، مجاہد

قتادہ، ربیع بن انس اور اسمٰعیل بن ابی خالد کا قول ہے کہ عالمین سے مراد بنی اسرائیل کے زمانہ کے لوگ ہیں، تمام عالم پر فضیلت مقصود نہیں ہے کیونکہ امت محمدیہ بحکم نص تمام امتوں سے افضل ہے

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ

اور اس دن سے ڈرتے رہو کہ کوئی شخص کسی شخص کے کام نہ آئے گا اور نہ قبول ہوگی

مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ⁽¹⁾

اسکی جانب سے سفارش اور نہ لیا جائیگا اس سے کوئی بدلا اور نہ انکی کچھ مدد کی جائے گی

تفسیر یعنی اگر تم اپنی سرکشی اور تعصب سے باز نہیں آتے اور نعم الٰہی کے حق کو ادا نہیں کرتے اور شریعت کی خلاف ورزی اور بت پرستی کرنے کی وجہ سے تم اپنی سلطنت وحشمت اور نبوت کو خاک میں ملا چکے تو خوب سمجھ رکھو اور ڈرتے رہو کہ ایک روز ضرور مرنا ہے اور مرنے کے بعد قیامت کے دن خدا کے سامنے حساب کتاب دینے کے لئے جانا ہے اس روز وہاں کوئی شخص عذاب الٰہی کو کسی طریقہ سے دفع نہ کرسکیگا نہ تو کوئی شخص تمہاری ذمہ داری کرسکیگا کہ تمہاری جانب سے تمام حقوق ومحاسبہ اپنے سر پر لیلے اور نہ کوئی اپنی وجاہت ذاتی کی وجہ سے تمہاری سفارش کرکے عذاب کو معاف کراسکیگا اور نہ کوئی مال ودولت یا کوئی اور معاوضہ دیکر تمہارے جرم کا عوض دے سکیگا اور نہ یہ ممکن ہوگا کہ کوئی خدا سے مقابلہ کرکے تمہاری مدد کرے اور اس صورت سے تمہاری نجات ہوجائے۔ جب دفع عذاب کے یہ کل طریقے ناممکن ہیں اور رہائی کی کوئی شکل نہیں ہے تو پھر تم کو عذاب الٰہی کا خوف کرنا چاہئے اور شریعت محمدی کا پیرو بن جانا چاہئے۔

مقصود بیان:۔ ترغیب وترہیب، بنی اسرائیل پر احسان کرنے کا بیان دفع عذاب کا عدم امکان، اس امر کی تصریح کہ کوئی شخص کافروں کو فائدہ نہ پہنچا سکیگا، خدا پر کوئی غالب نہیں آسکتا، کافروں کی کوئی سفارش نہیں کرسکتا، کوئی کسی کے گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا، کوئی مال عوض نہیں دے سکتا۔ وغیرہ

وَإِذْ نَجَّيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ

اور (یاد کرو) جب فرعون والوں سے ہم نے تم کو رہائی دی وہ تم کو بری تکلیف

الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ

پہنچاتے تھے کہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے

وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ○

اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی

تفسیر حضرت یوسفؑ نے بنی اسرائیل کو مصر میں لاکر آباد کیا تھا اور چار سو برس کے اندر ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی۔ فراعنۂ مصر کو ان پردیسیوں کا مصر میں رہنا پسند خاطر نہ تھا اور خود برسر حکومت ہونے کی وجہ سے ان سے ٹیکس لیتے اور ذلیل کام کراتے تھے۔ عورتوں سے سوت کتواتے اور کپڑا بنواتے اور مردوں سے راج مزدوری کا کام لیتے اور کھیت جتواتے تھے۔ یہ بیچارے اس مصیبت تو مبتلا تھے ہی کہ ایک شب فرعون مصر یعنی ولید بن مصعب بن ریان نے خواب دیکھا اور صبح کو تمام کاہنوں کو جمع کرکے تعبیر پوچھی کہ میں نے بیت المقدس (یروشلم) کی طرف سے ایک آگ آتے دیکھی جس نے تمام مصر کو گھیر لیا اور چن چن کر ایک ایک قبطی (خاندان عمالقہ کے افراد) کو جلا دیا۔ یہ سن کر تمام کاہنوں نے بالاتفاق کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہونے والا ہے جو آپ کی ہلاکت اور زوال سلطنت کا سبب ہوگا۔ فرعون نے یہ سنتے ہی تمام دائیوں کو جمع کرکے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو وہ فوراً قتل کر دیا جائے البتہ لڑکی چھوڑ دی جائے۔ غرض اس شورش میں تو بے ہزار معصوم بچے پیدا ہوتے ہی مارے گئے۔ اس وقت سرداران قبط نے متفق ہوکر فرعون سے التجا کی کہ یہ بنی اسرائیل شودر ہیں تمام ذلیل کام ان یہودیوں سے ہی متعلق ہیں اگر یہ قتل عام اسی طرح جاری رہا اور بچے یونہی مارے جاتے رہے اور بوڑھے لوگ تو مر ہی رہے ہیں تو انجام کار

ذلیل کام بھی ہم ہی کو کرنے ہونگے ۔ یہ سُن کر فرعون نے حکم میں ترمیم کی کہ ایک سال قتل جاری رہا کرے اور دوسرے سال بند رہے ۔ جس سال یہ قتل موقوف تھا اُس سال حضرت موسیٰؑ کے بڑے بھائی حضرت ہارون پیدا ہوئے اور جس سال قتل جاری تھا اُس سال حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے اور خداتعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون سے اپنی لطیف حکمت کی وجہ سے محفوظ رکھا ۔ اسی قصہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے

ارشاد ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل! اُس نعمت کو بھی یاد کرو کہ جب ہم نے تم کو فرعون کے ساتھیوں سے نجات دی تھی وہ لوگ تم کو سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے ۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کیا کرتے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا کرتے تھے لیکن اس مصیبت سے ہم نے تم کو نجات دی اور اس مصیبت و نجات میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی پوری آزمائش تھی۔

مقصود بیان :۔ بنی اسرائیل پر احسان و انعام کا بیان اور رسول اللہؐ کے زمانہ کے یہودیوں کو دعوت اسلام ، اس امر کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ جب انسانی مصائب انتہا کو پہنچ جاتے ہیں اور انسان صبر کرتا ہے تو خدا اُسکی مدد کرتا ہے۔ آیت سے ایک امر یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ خدا کی آزمائش کی مختلف صورتیں ہیں کبھی تو تکلیف و مصائب میں مبتلا کر کے آزمائش کی جاتی ہے اور راحت و آرام پہنچا کر امتحان کیا جاتا ہے ۔ وغیرہ

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ

اور (یاد کرو) جب ہم نے تمہارے واسطے دریا کو پھاڑ کر تم کو تو نجات دیدی اور فرعون والوں

اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

کو غرق کر دیا اور تم دیکھتے رہے

تفسیر حضرت موسیٰ کی بعثت سے قبل فرعون اور فرعون کے ہم قوم بنی اسرائیل پر بڑے مظالم کیا کرتے تھے اور بنی اسرائیل اس امید پر ان مظالم کو برداشت

کرتے رہتے تھے کہ عنقریب ایک پیغمبر ہم میں سے خدا تعالیٰ مبعوث فرمائیگا جسکی
وجہ سے ہم کو اس بلا سے نجات ملجائیگی۔ لیکن موسیٰؑ کی بعثت کے بعد بھی اُنکی تکلیفوں میں
کمی نہ ہوئی بلکہ اور اضافہ ہوتا گیا۔ حضرت موسیٰؑ فرعون کو مختلف معجزات کے ذریعہ ہدایت
کرتے تھے کہ اس ظلم پرستی کو چھوڑنے اور میرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے
تاکہ میں اُن کو اُن کے آباؤ اجداد کے ملک شام میں لیجاؤں لیکن فرعون نے نہ مانا
موسیٰ کے قول سے سرتابی کی بلکہ موسیٰ کے قتل کے درپے ہوگیا۔ بالآخر بحکم خدا
موسیٰ بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر مصر سے باہر نکل گئے اور فرعون کو خبر بھی نہ ہوئی۔
عمرو بن میمون وغیرہ تابعین فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لیکر بحر قلزم پہنچے
سمندر بھرا ہوا تھا اور نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ حضرت یوشع بن نون نے حضرت
موسیٰؑ سے عرض کیا کہ فرمائیے خدا تعالیٰ نے آپ کو کدھر جانے کا حکم دیا ہے؟ حضرت
موسیٰؑ نے سمندر کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت یوشع نے فوراً سمندر میں گھوڑا ڈالدیا
لیکن دھار میں پہنچکر موجوں کے تھپیڑے سے پھر کنارہ پر آگئے۔ تین بار اسی طرح
واقعہ ہوا۔ اُس وقت بنی اسرائیل نے گھبرانا شروع کیا۔ اتنے میں فرعون کا لشکر
نظر آیا جو بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا تھا۔ بنی اسرائیل لشکر کو دیکھکر اور خوفزدہ
ہوگئے اور کہنے لگے اب ہم ضرور گرفتار ہوجائینگے اور موسیٰ سے کہنے لگے کیا
مصر میں قبرستان نہ تھے کہ تم ہم کو یہاں مروانے لائے اب ہم تمہارے کسی بات
کا یقین نہیں کرسکتے۔ حضرت موسیٰؑ نے جھڑکا اور فرمایا ہرگز نہیں ہوسکتا میرے
ساتھ میرا پروردگار ہے وہی مجھے راستہ بتائیگا۔ بالآخر موسیٰ کو حکم ہوا کہ سمندر
میں لاٹھی مارو۔ حضرت موسیٰ نے بارہ قبائل کے بارہ راستوں کیلئے بارہ جگہ لاٹھی
ماری جس سے سمندر بارہ جگہ سے پھٹ گیا، پانی بلکہ کیچڑ بھی خشک ہوگیا ہر گروہ
کا ایک خشک راستہ بن گیا پھر حکم ہوا کہ اب سمندر پار ہوجاؤ۔ سب لوگ خشک
راہوں سے سمندر پار ہوگئے۔ اتنے میں فرعون بھی مع لشکر کے دوسرے کنارہ
پر آپہنچا۔ ہامان نے کہا کہ موسیٰ بزور ساحری اس شان سے پار نکل گیا آپ بقوت

خدائی اُدھر چلنے۔ فرعون اگرچہ پار جانا نہیں چاہتا تھا لیکن حمیت سے شرم کھا کر دریا میں گھس گیا اور وسی خشک راستہ میں گھوڑا ڈال دیا کیونکہ بحکم الٰہی اُس وقت خشک رستے موجود تھے۔ بنی اسرائیل دوسرے کنارہ پر ہراساں و ترساں کھڑے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر میں سمندر برابر ہو گیا اور فرعون مع اپنے لشکر کے غرق ہو گیا لیکن بنی اسرائیل پر پھر بھی خوف طاری تھا۔ جب سمندر سے فرعون کی ناپاک لاش باہر پھینکی گئی تب بنی اسرائیل کو فرعون کی موت کا یقین ہوا اور مطمئن ہوئے یہ واقعہ ماہ محرم روز عاشورہ کا ہے۔ صحیح روایات سے یہ واقعہ بھی ثابت ہے کہ جب بنی اسرائیل سمندر کو پار کر رہے تھے تو خدا تعالیٰ نے ہر خشک راہ میں اِدھر اُدھر سوراخ کھول دیے تھے تاکہ ہر گروہ دوسرے کے عبور کی حالت بھی دیکھ سکے اسی واقعہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

ہماری اُس نعمت کو بھی یاد کرو کہ جب ہم نے بحر قلزم کو تمہارے لئے پھاڑ دیا تھا اُسمیں خشک راستے بنا دیے تھے اور ان راستوں کے ذریعہ سے تم کو فرعون سے نجات دی تھی لیکن وہی چیز جو تمہارے لئے باعث رحمت تھی فرعون والوں کے لئے باعث عذاب ہوئی اور ہم نے تمہاری نظروں کے سامنے اُن کو غرق کر دیا۔

مقصود بیان: قدرت الٰہی کا اظہار۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ جو چیز فرمانبردار بندوں کیلئے باعث رحمت ہوتی ہے وہ سرکش انسانوں کے لئے ذریعۂ عذاب ہوتی ہے حضرت موسیٰؑ کے معجزہ کا ثبوت۔ اس امر پر تنبیہ کہ خدا تعالیٰ انسان کی ایک وقت خاص تک رسی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے لیکن بالآخر گرفت کرتا ہے تو پھر رہائی ناممکن ہوتی ہے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ

اور (یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا پھر تم نے بچھڑا بنا لیا

مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

اسکے بعد اور تم ظلم کر رہے تھے پھر ہم نے اس پر بھی درگذر کی

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

شاید تم احسان مانو اور (یاد کرو) جب ہمنے عطا کی موسیٰ کو کتاب اور قانون تفصیل تاکہ تم ہدایت پاؤ

تفسیر ان آیات میں خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ ؑ کے وہ حالات بیان کرتا ہے جو بحر قلزم سے پار اتر کر ظہور پذیر ہوئے آیات کی تفسیر قبل اصل تعمد جان لینا ضروری ہے

جب موسیٰ بحر قلزم کو عبور کر کے کوہ طور کے پاس پہنچے تو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ کہ تیس روز تک ترک دنیا کر کے تم ہماری عبادت کرو تاکہ اس دوران میں جسمانی اور مادی کثافت کم ہو کر روحانیت غالب ہو جائے اور خدا سے ہمکلامی کی صلاحیت پیدا ہو جائے حسب الحکم حضرت موسیٰ کوہ طور کے جنگل میں عبادت ریاضت اور مجاہدہ کیلئے چلے گئے حضرت موسیٰ کے جانے کے بعد بنی اسرائیل مطلق العنان ہو گئے اور چونکہ انکی فطرت میں محسوس پرستی کا خمیر تھا اس لئے محسوس معبودوں کی تلاش میں سرگرم رہے۔ بنی اسرائیل جب مصر سے آئے تھے تو قبطیوں سے کچھ زیور عاریۃً شادی کے بہانہ سے لیکر آئے تھے وہ زیور بھی ان کے پاس موجود تھا۔ سامری ایک پر فن بازیگر تھا اور حضرت جبرئیل ؑ کو اس نے پہلے دیکھا۔ غرق فرعون کے وقت جبکہ حضرت جبرئیل بشکل بشری گھوڑے پر سوار ہو حضرت موسیٰ ؑ کے پاس آئے تھے اس وقت جبرئیل کے گھوڑے کی خاک قدم اس نے تھوڑی سی اٹھالی تھی وہ بھی اسکے پاس محفوظ تھی بس اس نے حضرت موسیٰ ؑ کی غیبت اور بنی اسرائیل کی بیوقوفی سے فائدہ اٹھایا اور قبطیوں والے زیور کو ڈھالکر ایک بچھڑا بنایا اور اسکے پیٹ میں اثر جبرئیل ؑ کی خاک ڈالدی۔ بچھڑا بولنے لگا۔ سامری نے بنی اسرائیل سے کہا کہ یہی تمہارا اور موسیٰ کا رب ہے۔ حضرت ہارون نے بنی اسرائیل کو بہت سمجھایا کہ بیوقوفو! دیکھو یہ خدا کی آزمائش ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ تو صرف ایک ماہ کیلئے گئے ہیں تم ان کو آنے دو، ایسا کھلا ہوا شرک نہ کرو لیکن کسی نے ان کا کہنا نہ مانا اور مارنے کیلئے تیار ہو گئے۔ حضرت ہارون خاموش ہو گئے ادھر حضرت موسیٰ ؑ کو دس روز کی مزید تاخیر ہو گئی کیونکہ بجائے تیس دن کے خدا تعالیٰ نے توسیع کر کے ایک چلہ مقرر

کر رہا تھا۔ بیوقوف اسرائیلی پہلے ہی محسوس پرستی کی طرف مائل تھے، سامری نے اغوا کرنے میں اور
اضافہ کیا کہنے لگا دیکھو تمہارا اور موسیٰ کا خدا تو یہ ہے۔ موسیٰ بھٹک کر کوہ طور کی طرف گئے ہیں اور
اسی وجہ سے ابتک نہیں آئے۔ بس پھر کیا تھا سوائے بارہ ہزار آدمیوں کے سب بیوقوف
گوسالہ پرستی میں مشغول ہو گئے۔ مدت مقررہ کے بعد جب حضرت موسیٰؑ پہاڑ پر سے احکام کی تختیاں
لیکر آئے تو بنی اسرائیل کو اس باطل پرستی میں دیکھ کر غضبناک ہو گئے، تختیاں پھینکدیں۔
حضرت ہارون پر خوب ناراض ہوئے اور سخت بازپرس کی حضرت ہارونؑ نے معقول معذرت
کی۔ سامری سے دریافت کیا تو اُس نے کل واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے اُسکو بد دعا
دی جس سے وہ کوڑھی ہو گیا اور کوئی اُسکے پاس تک نہ آتا تھا اور نہ وہ کسی کو چھو سکتا تھا،
اسی حالت میں وہ مر گیا۔ بالآخر خداتعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ اس بچھڑے کو دریا میں پھینکدو۔ اور
تمہاری توبہ قبول ہونیکی یہ صورت ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کرو۔ چنانچہ ایک دن میں ستر ہزار آدمی
مارے گئے۔ آخیر میں جب حضرت موسیٰؑ نے بڑی التجا کی تو معافی کا حکم دیا۔ اسکے بعد دوبارہ
حضرت موسیٰؑ پہاڑ پر گئے تو بہت سے احکام لائے جو تختیوں پر لکھے ہوئے تھے اور انہی
احکام کا مجموعہ توراة کے نام سے موسوم ہوا۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہماری اُس نعمت کو یاد کرو جبکہ ہم نے موسیٰ سے ایک چلہ کا وعدہ
کیا اور حکم دیا کہ چالیس شب تم عبادت کرو۔ چالیس شب گذرنے پر تم کو توریت عطا
کیجائیگی جسکے اندر ہدایت اور نور ہوگا۔ حسب الحکم موسیٰؑ کوہ طور کی طرف گئے اُنکے
جانے کے بعد تم نے بنائے ہوئے گوسالہ کو معبود بنا لیا اور خود اپنے لئے خرابی کی۔ جو چیز
قابل پرستش نہ تھی اُسکی عبادت کرنے لگے۔ لیکن پھر بھی ہم نے یہ احسان کیا کہ تمہارے
جرم سے درگذر کی تاکہ تم ہمارے احسان کا شکریہ ادا کرو اور اُس احسان کو بھی یاد کرو کہ ہم نے
تمہاری ہدایت کیلئے موسیٰؑ کو ایک کتاب یعنی توریت دی جسکے ذریعہ سے حق و باطل حلال و حرام
اور احکام شیطانی و رحمانی میں امتیاز ہوتا تھا اور اس سے مقصود صرف تمہاری ہدایت تھی۔

مقصود بیان :- عبادت و صفائی نفس کیلئے چند روز کیلئے علیحدگی و تعلقات
دنیا ترک کر دینے جائز ہیں۔ شرک بڑا ظلم ہے، دین الٰہی اور کتاب حق بڑی نعمت ہے۔

اسکا شکر ادا کرنا واجب ہے یعنی اُسکے مطابق عمل کرنا واجب ہے ۔ مجلس کی شرارت سے بچنا چاہیئے کیونکہ آدمی آدمی کیلئے شیطان سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوتا ہے ۔ اگر کوئی شخص کسی کو ہدایت کرے تو اگر کتاب الٰہی اور قول پیغمبر کے موافق اُسکی بات ہو تو ماننا چاہیئے ورنہ اُسکو جھوٹا اور گمراہ جاننا چاہیئے ورنہ سوائے بربادی کے اور کوئی نتیجہ نہ نکلے گا ۔ جو چیز خلاف عادت واقع ہو اُسکو کرامت ہی نہ سمجھ لینا چاہیئے جب تک شرع کے مطابق نہ ہو ۔ اگر شرک کر کے کوئی مرتد ہو جائے اور پھر نادم ہو کر توبہ کرے تو اُسکی توبہ قبول ہوتی ہے ۔ ہدایت کو کتاب الٰہی ہی سے تلاش کرنا چاہیئے ۔ کتاب الٰہی سے حق و باطل، کفر و اسلام، ہدایت و گمراہی، نور و تاریکی میں امتیاز ہو جاتا ہے ۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو! تم نے بیشک گوسالہ کو معبود

اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ

بنا لینے سے اپنے اوپر ظلم کیا سو تو بہ کرو تم اپنے خالق کی جانب

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ

اور اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے تمہارے خالق کے نزدیک

فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

پھر اللہ متوجہ ہوا تم پر یقیناً وہی تو بہ قبول کرنے والا مہربان ہے

تفسیر جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو کوہ طور پر بنی اسرائیل کے گمراہ ہو جانے سے آگاہ فرمایا اور موسیٰ توریت لیئے واپس آئے اور بنی اسرائیل کو اپنی گمراہی کا احساس ہوا تو افسوس کرنے لگے اور نادم ہو کر توبہ کرنی شروع کر دی ۔ خدا تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول ہونے کے لئے ایک دوسرے کو قتل کرنا لازم قرار دیا کیونکہ جس شخص کو آخرت کا پختہ یقین ہوتا ہے اور اس سے مغفرت کا پختہ وعدہ کیا جاتا ہے تو وہ لامحالہ اس

دار فانی کو چھوڑ کر آخرت کو پسند کرتا ہے اور یہ بھی در حقیقت ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ بالآخر بنی اسرائیل نے اپنے اہل قرابت کو مارنا شروع کیا، ہزاروں آدمی مارے گئے۔ پھر حضرت موسیٰؑ کو رحم آیا اور خدا تعالیٰ سے معافی کی دعا کی اور خدا نے معاف فرما دیا۔ اسی قصہ کو آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اے قوم والو! تم نے گوسالہ پرستی کر کے خود اپنے لئے خرابی پیدا کی ہے اب اپنے خالق کے سامنے توبہ کرو اور (توبہ کی صورت یہ ہے کہ باہم خود بھی ایک دوسرے کو قتل کرو۔ یہی تمہارے لئے خالق کے نزدیک بہتر ہے۔ پھر جب موسیٰؑ کی ہدایت کے موافق تم نے عمل کیا تو خدا نے تمہاری توبہ قبول کی کیونکہ خدا تواب رحیم ہے۔

سعید بن جبیر نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم بھیجا تھا کہ قبول توبہ کی صورت یہ شکل ہے کہ اگر باپ بیٹے سے یا بیٹا باپ سے ملے تو قتل کر دے۔ بنی اسرائیل نے اس حکم کی تعمیل کی اور خدا تعالیٰ نے قاتل و مقتول دونوں کو بخش دیا۔ (ابن جریر) اس روایت کی تفصیل ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں آئی ہے کہ جب قتل کا حکم صادر ہوا تو جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی تھی اُن کو اس حکم سے مطلع کیا گیا۔ انہوں نے سر تسلیم جھکا دیا اور جنہوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی وہ تلوار لیکر اٹھے اور اُس وقت ایک تاریکی چھا گئی اور اُنہوں نے گوسالہ پرستوں کو قتل کرنا شروع کیا یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ کی دعا سے تاریکی دور ہوئی اور قتل کا حکم معاف ہوا۔ مجاہد کی روایت میں مقتولین کی تعداد ستر ہزار ظاہر کی گئی ہے۔ زہری کہتے ہیں کہ تاریکی دور ہونے کے بعد حضرت موسیٰؑ مقتولین کی لاشیں دیکھ کر غمگین ہوئے تو خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ موسیٰ کیوں غمگین ہوتے ہو۔ جو لوگ مقتول ہوئے وہ میرے پاس زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں اور جو لوگ باقی رہے ہیں میں نے اُن کی توبہ قبول فرمائی۔ یہ فرحت آگیں پیام سنکر حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کا غم دور ہوا۔

مقصود بیان :- آیت میں ایک لطیف ترین اشارہ اس طرف ہے کہ جو شخص غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا ہو خواہ ہوا پرست ہو یا جاہ پرست یا زندہ پرست یا مُردہ پرست یا حکومت پرست بہرحال جو غیر اللہ کا پرستار ہو اُس کے لئے مناسب ہے کہ نفس کے گوسالہ کی قربانی کرے۔ قوت شہوانیہ و غضبیہ کے افعال کو دائرۂ شریعت کے اندر محدود کر دے۔ حکم الٰہی کے خلاف نفس سے کوئی کام نہ لے۔ اپنی رضا و ارادہ کو تسلیم حکم الٰہی میں فنا کر دے اس سے حیات جاودانی اور غذا روحانی حاصل ہو جائیگی۔ آیت اس مضمون پر بھی دلالت کرتی ہے کہ خدا اپنے بندوں پر مہربان ہو امور تعلیم فرماتا ہے جن سے حیات جاودانی وابستہ ہے اور گنہگار بلکہ کافر و مرتد بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ ایک اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ چونکہ خدا ہی خالق کائنات ہے اسلئے اُس کو قتل نفس کا حکم صادر کرنے کا اختیار ہے۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى

اور (یاد کرو) جب کہا تم نے کہ اے موسیٰ ہم ہرگز تیرا یقین نہ کرینگے جبتک اللہ کو اپنی آنکھوں سے

اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ

نہ دیکھ لیں — تو تم کو بجلی نے آپکڑا — اور تم دیکھ رہے تھے

ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

پھر تمہارے مرے پیچھے ہم نے تم کو زندہ کر اٹھایا تاکہ تم احسان مانو

تفسیر ابن جریر، بغوی اور سیوطی نے بیان کیا ہے کہ جب گوسالہ پرستی کی معذرت میں بنی اسرائیل کو قتل کرنے کا حکم ہوا تو موسیٰ نے ستر شخص اپنی قوم میں کے منتخب کئے اور ان لوگوں کو لیکر کوہ طور پر معذرت کیلئے گئے۔ ان لوگوں نے موسیٰ سے کہا کہ تم اپنے رب کے کلام کو ہم سنتے ہیں۔ اس ہمکلامی کی وجہ سے موسیٰ کا چہرہ ایسا منور ہو گیا تھا کہ ان کو دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس وجہ سے کہنے لگے کہ ہم نے صرف باتیں سنی ہیں لیکن جبتک خدا کو بالمشاہدہ اور علی الاعلان آنکھوں کے سامنے نہ دیکھ لینگے ہم کو ہرگز یقین نہ ہوگا

اس گستاخی پر ایک بجلی گری اور سب مر گئے۔ حضرت موسیٰؑ نے جو یہ دیکھا تو عرض کیا الٰہی میں ان کو بنی اسرائیل کے سامنے گواہی دینے کے لئے ساتھ لایا تھا اب یہ تو مر گئے میں بنی اسرائیل کو کیا جواب دوں گا تب خدا نے دوبارہ پھر اُن کو زندہ کر دیا یہی واقعہ آیت میں بیان کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ ہماری اُس عنایت کو بھی یاد کرو جب تم نے موسیٰؑ سے کوہ طور پر کہا تھا کہ ہم تمہارے قول پر صرف سننے سے ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس طرح یقین کر سکتے ہیں تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں پھر تم کو اس گستاخی کی سزا یہ ملی کہ بجلی گری اور تم کو ہلاک کر دیا اور تم اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے لیکن ہم نے تم کو پھر زندہ کیا تاکہ تم اس کا شکریہ ادا کرو اور شریعت موسوی کو دل و جان سے قبول کرو۔

ربیع بن انس کہتے ہیں کہ آیت میں صعق سے مراد موت ہے اور ان لوگوں کی موت وہ موت مقررہ نہ تھی جو ہر آدمی کو آتی ہے بلکہ یہ موت بطور سزا ہی کے واقع ہوئی تھی۔ اس کے بعد اُن کو زندہ کر دیا گیا تھا تاکہ قدرت الٰہی کا معائنہ کریں اور اپنی موت مقررہ تک زندگی کے نفوس پورے کریں یہی قول حضرت قتادہ کا ہے

سدی اور محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ جب یہ لوگ بجلی سے جل کر مر گئے تو حضرت موسیٰؑ کھڑے ہو کر رونے لگے اور دعا کرنے لگے کہ الٰہی میں بنی اسرائیل کو کیا کہوں گا ہزاروں وہاں مارے گئے اور جو کچھ اچھے اچھے چھانٹے گئے تھے وہ یہاں ہلاک ہو گئے لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ط اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ط یعنی الٰہی اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھکو پہلے ہی ہلاک کر دیتا کیا تو ہم کو ایسے فعل کی وجہ سے ہلاک کرے گا جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا ہے یہ تو تیرا امتحان ہی امتحان ہے۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے موسیٰؑ پر وحی نازل فرمائی کہ یہ ستر بھی اُنہی گوسالہ پرستوں میں سے ہیں۔ لیکن خدا نے اُنکو پھر زندہ کر دیا الخ۔

مقصود بیان :۔ خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخی موجب سزا ہے ہر شخص کا مرتبہ علیحدہ ہے جب تک استعداد حاصل نہ ہو مشاہدہ کی طلب بھی حرام ہے اور مشاہدہ کی استعداد ہو تو معائنہ کی درخواست ناجائز ہے جوں جوں قابلیت میں

اضافہ ہوتا جائے مراتب قرب بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل تجلی غضبی میں گرفتار
ہوئے تھے۔ موت مقدر سے نہ مرے تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندہ
فرما دیا۔ دنیا میں مشاہدہ الٰہی تو ممکن ہے لیکن معائنہ ناممکن ہے۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ

اور (یاد کرو) ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من و سلوٰی

السَّلْوٰى كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا

اتارا (اور ہمنے حکم دیدیا کہ) ہم نے جو بہترین چیزیں تم کو رزق دی ہیں انمیں سے کھاؤ اور ان لوگوں نے

وَلٰكِنْ كَانُوٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا

ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے رہے اور (یاد کرو) جب ہم نے حکم دیا کہ داخل ہو جاؤ

هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ

اس بستی میں پس کھاؤ اسمیں سے جہاں چاہو با فراغت اور

ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ

گھسو دروازہ میں جھکے جھکے اور حطۃ کہتے جاؤ تو ہم بخشدینگے تمہارے قصور

وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا

اور زیادہ دینگے نیک بندوں کو تو بدل ڈالا شریروں نے قول کو (اور کہنے لگے وہ قول)

غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا

جو نہ بتایا گیا تھا اُن کو پس ہم نے نازل کیا اُن شریروں پر آسمانی

مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى

عذاب ان کی عدول حکمی کے سبب سے اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی

لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ

مانگا تو ہم نے حکم دیا کہ مار اپنی لاٹھی پتھر پر (لاٹھی کا مارنا تھا کہ) کہ اسمیں سے بارہ چشمے

اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَ

بہ نکلے (اور) ہر قوم نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا (اور ہمنے حکم دیا) کھاؤ اور

اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝

پیو خدا کے رزق میں سے (مگر) ملک میں فساد پھیلاتے مت پھرو

تفسیر ان آیات کی تفسیر سے قبل ہم آیات کا پورا قصہ لکھنا چاہتے ہیں تاکہ آیات کا مضمون اچھی طرح سمجھ میں آجائے اسکے بعد آیت کے ہر ٹکڑے کو علیٰحدہ علیٰحدہ بیان کرینگے۔

جب بنی اسرائیل کو قوم عمالقہ سے جہاد کرنیکے لئے ملک شام کو جانے کا حکم ہوا تو چلنے کو تو چلدیئے لیکن راستہ میں قوم عمالقہ کی جسمانی قوت اور شان و شوکت کی اطلاع ہوئی تو تعمیل حکم میں جھجکے، اور تغافل کیا۔ اسپر ان کو بیابان عرب کے ایک سنسان میدان میں چالیس سال تک حیران پریشان پھرنے کی سزا ملی پھرا چلتے تھے لیکن اپنے آپ کو جہاں سے چلے تھے وہیں پاتے تھے آخر کار جب دھوپ کی تیزی اور بھوک پیاس کی شدت سے گھبرا اٹھے تو موسیٰ سے دعا کے خواستگار ہوئے۔ حضرت موسیٰ کی دعا سے سارے دن ان پر بادل سایہ کرتا تھا اور روزانہ فجر سے طلوع آفتاب تک ترنجبین یا کوئی اور شئے جو ضغے کے دانہ کی طرح ہوتی تھی اور درختوں کے پتوں پر جم جاتی تھی جسکو بنی اسرائیل روٹیاں پکا کر کھاتے تھے لیکن چونکہ یہ چیز شہد سے زیادہ شیریں تھی تو اکتا کر یہ سلوا مانگنے کے خواہشمند ہوئے۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے انکے ڈیروں خیموں کے پاس بٹیریں بکثرت جمع ہونے لگیں جنکو نہایت آسانی سے پکڑ لیتے تھے اور دونوں لطیف

چیزوں سے پیٹ بھر لیا کرتے تھے مگر یہ حکم تھا کہ ہر روز اپنے کھانے کی مقدار جمع کر لیا کرو ہاں
جمعہ کے روز دو دن کی خوراک لے لیا کرو کیونکہ ہفتہ کے دن یہ آسمانی رزق نہیں اترے گا اسلئے
صرف جمعہ کے دن تو دو روز کی خوراک لے لیا کرو اور دیگر ایام میں کسی دن اگلے روز کا کچھ فکر نہ کرنا اور
اگلے دن کے لئے کچھ جمع نہ کرنا یہ لوگ عرصہ تک بے محنت آسمانی کھانے کھاتے رہے۔ آخر خلاف حکم الٰہی من و
سلویٰ اکٹھا کرنا شروع کیا۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے کھانا نازل ہونا بند ہو گیا اور جمع کیا کرایا سب
سڑ گیا۔ بالآخر جب مشقت سفر سے تھک گئے اور حضرت موسیٰؑ سے رہائی کی التجا کی تو خدا تعالیٰ
نے حضرت موسیٰؑ کو دریائے یردن کے کنارہ تک پہنچا کر کنعان کی تمام زمین دکھائی اور فرمایا کہ تم خود
تو اس ملک میں جانے نہ پاؤ بلکہ تمہاری موت یہیں ہو گی۔ ہاں بنی اسرائیل سے کہدینا کہ میں تم کو
یہ ملک دیتا ہوں اور عنقریب تم اس شہر یریحو کہ جسکو اریحا کہا جاتا ہے فتح کرو گے لہذا جب تم
اس ملک میں داخل ہو تو خدا کی نعمتیں اور طرح طرح کے میوے کھانا لیکن اسکے شکریہ میں یہ بات
ضرور ہے کہ شہر کے ساتوں دروازوں میں سے جس دروازہ میں داخل ہو تو اپنی فتح و بہادری پر
نہ اترانا بلکہ سجدہ کرتے ہوئے نہایت عاجزی سے خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے
داخل ہونا ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور تم میں سے جو لوگ نیک ہیں انکو اسکے معاوضہ میں
اور زیادہ عطا کریں گے جب حضرت یوشع بن نون کے عہد نبوت میں بنی اسرائیل نے یہ ملک اور
شہر فتح کیا تو بجائے تواضع اور استغفار کے اور بدکار بن گئے اور طرح طرح کی بدکاریاں اور حکم
الٰہی میں دل لگیاں کرنے لگے چنانچہ حِطَّةٌ (استغفار) کی بجائے حِنْطَةٌ فِی شَعْرَةٍ یعنی گیہوں اور جو
کہتے ہوئے داخل ہوئے اور سجدہ کی بجائے بچوں کی طرح سرین کے بل گھسٹتے ہوئے دروازے
میں جا گھسے، اس عدول حکمی پر آسمانی عذاب نازل ہوا اور ان میں پھوڑے کی وبا پھیلی نتیجہ
یہ ہوا کہ ایک دم ستر ہزار آدمی مر گئے، اسکے علاوہ اجنبی بادشاہوں کے ہاتھوں سے تباہ و برباد
ہوئے اور اپنے افعال بد کا نتیجہ بد پایا۔

خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر ایک احسان اور بھی چند بار کیا تھا، وہ یہ کہ بیابان رفیدیم ایلم اور قادس
وغیرہ میں جب بنی اسرائیل تھے اور پانی نہ ملا تھا اور حضرت موسیٰؑ سے پیاس کی شکایت کی تھی تو حضرت موسیٰؑ نے
بحکم الٰہی اپنا عصا پتھر پر مارا تھا جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے تھے کیونکہ بنی اسرائیل کے بارہ ہی فرقے تھے ہر فرقہ کا

ایک جدا گھاٹ پیدا ہو گیا تھا۔ آیات مذکورہ میں انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ اب ہم ذیل میں آیات کی تفسیر کرتے ہیں:۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ یعنی یاد کرو جب کہ ہم نے تمہارے اوپر ابر کا سایہ کیا تھا تاکہ تم دھوپ کی تیزی اور آفتاب کی تمازت سے محفوظ رہو۔ غمام ایک سپید ابر تھا جس سے وادی تیہ میں بنی اسرائیل پر سایہ ہو جاتا تھا۔ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى اور ہم نے تم پر ترنجبین اور بٹیریں نازل کی تھیں۔ ابن عباس رض کی روایت میں ہے کہ مَن ایک چیز تھی جو درختوں پر جم جاتی تھی۔ مجاہد کہتے ہیں مَن ایک قسم کا گوند تھا۔ عکرمہ کا قول ہے کہ گاڑھے شیرہ کی شکل میں اوس کی طرح گرتی تھی۔ سدی کہتے ہیں کہ ادرک کی پتیوں پر گرتی تھی۔ قتادہ کا قول ہے کہ تیہ میں برف کی طرح گرتی تھی جس کا رنگ دودھ سے زیادہ سپید اور مزہ شہد سے زیادہ شیریں ہوتا تھا اور فجر سے طلوع آفتاب تک اس کی ریزش ہوتی تھی۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ مَن ایک چیز شہد کی طرح ہوتی تھی جس کو پانی میں گھول کر پیتے تھے۔ وہب ابن منبہ کا قول ہے کہ مَن باریک میدہ کی طرح نازل ہوتی تھی جس کی روٹی پکا کر کھاتے تھے۔ ابن کثیر نے ایک حدیث مختلف طرق سے استخراج کی ہے کہ کماۃ (کھنبی) بھی مَن کی ایک قسم ہے (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی) ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ سلوی ایک پرند سمانی (لوا یا بٹیر) کے مشابہ تھا۔ ابن مسعود رض وغیرہ صحابہ کا بھی یہی قول ہے لیکن مجاہد، شعبی، ضحاک، حسن، عکرمہ، اور ربیع وغیرہ سے مروی ہے کہ سلوی اسی بٹیر کو کہتے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ سلوی ایک پرند تھا جس کا رنگ مائل بسرخی تھا ہوائے جنوبی اس کو تیہ میں لاتی تھی۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ یعنی ہم نے جو رزق تم کو عطا کیا انہیں سے پاک اور صاف ستھرا کھاؤ نہ بغیر ذبح کے کھاؤ نہ سڑا کر کھاؤ یعنی جمع نہ کرو اس سے یہ چیزیں سڑ جائیں گی۔

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ لیکن ان لوگوں نے حکم نہ مانا نتیجہ یہ ہوا کہ اشیاء مذکورہ سڑ گئیں، اس سے انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا بلکہ اپنے ہی لئے خرابی کی۔ آسمانی رزق بند ہو گیا۔

حاصل یہ کہ جب بنی اسرائیل تیہ میں گرفتار ہوئے تو خدا تعالیٰ نے اُن کو آیات قدرت دکھائیں اور اُن کے ایمان کو پختہ کیا لیکن انہوں نے سرتابیاں اور نافرمانیاں کیں اور کہنے لگے کہ ہم کو یہ غذا پسند نہیں ایک ہی قسم کی غذا کب تک کھائے جائیں، اس کے علاوہ اس سنسان بیابان میں پھرتے پھرتے ہم تنگ آ گئے، مشقت سفر سے اُکتا گئے اب ہم آبادی میں جانا چاہتے ہیں۔ اس پر خدا نے حکم دیا۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ کہ اس آبادی یعنی اریحا یا ایلیا میں داخل ہو۔ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا اور وہاں جا کر جو کچھ چاہو فراخی اور وسعت کے ساتھ کھاؤ کسی چیز کی ممانعت نہیں ہر طرح کا اناج اور میوہ وہاں بکثرت ہے وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ لیکن شہر کے دروازہ میں داخل ہو تو فتح کے غرور میں سرمست نہ ہونا بلکہ نہایت عاجزی اور فروتنی کے ساتھ شکر الٰہی میں جھکے ہوئے داخل ہونا اور استغفار کہتے جانا۔ اگر تم اس حکم کی تعمیل کرو گے تو ہم تمہارے قصور معاف کر دیں گے اور تم نیکوکار ہو جاؤ گے اور مرتبہ محسنین میں داخل ہو جاؤ گے اور محسنین کی نعمتوں میں ہم مزید اضافہ کرتے ہیں لہٰذا تم کو بھی دوبالا نعمت عطا کریں گے اور دیگر ممالک کی حکومت تم کو مرحمت فرمائیں گے۔ ابن عباسؓ وغیرہ صحابہ کے نزدیک سجدہ سے مراد آیت میں رکوع ہے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا الخ لیکن ظالموں نے بات کو بدل ڈالا جو قول اُن سے کہا گیا تھا اُس کو بگاڑ ڈالا حِطَّةٌ کو حِنْطَةٌ فِيْ شَعْرَةٍ بنا لیا اور سجدہ و رکوع کی بجائے سُرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے۔ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا الخ۔ لہٰذا ہم نے ظالموں پر اُن کی نافرمانی کی وجہ سے آسمان سے ایک پلید عذاب نازل کیا طاعون میں اُن کو مبتلا کیا کہ یکدم ستّر ہزار مر گئے صحیحین میں طاعون کو رجز کہا گیا ہے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى الخ یعنی اے بنی اسرائیل تم اُس نعمت الٰہی کو بھی یاد کرو کہ جب تم نے موسیٰؑ سے پیاس کی شکایت کی اور پانی بیابان میں کہیں موجود نہ تھا تو موسیٰ نے ہم سے پانی کے لئے دعا کی ہم نے حکم دیا کہ پتھر پر لاٹھی مارو موسیٰؑ نے حکم کی تعمیل کی فوراً پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور سب لوگوں نے یعنی تمام فرقوں نے علیحدہ علیحدہ اپنا چشمہ دریافت کر لیا

اور ہر ایک کا گھاٹ جدا جدا ہو گیا اور ہم نے کہدیا کہ خدا کا رزق کھاؤ پیو لیکن زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔ اعتقاد توحید میں شیطانی وسوسہ نہ قبول کرو۔ احکام توریت قبول کرنے سے انکار نہ کرو، جہاد سے پہلو تہی نہ کرو اور خدا کی ناشکری نہ کرو۔

حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی دو شاخہ تھی پانچ گز لمبی تھی۔ اس کا دو شاخہ سرا اندھیرے میں چمکتا تھا اور اس کا نام علیق تھا (سراج، معالم التنزیل) مقاتل کا قول ہے کہ عصا کا نام نبقہ تھا حضرت آدمؑ اس کو جنت سے ساتھ لائے اور بطور توارث حضرت شعیبؑ کو پہنچی تھی اور شعیب سے حضرت موسیٰؑ کو ملی تھی مگر یہ سب اسرائیلی روایات ہیں۔

مقصود بیان: قدرت الٰہی کا ثبوت بغیر اسباب کے رزق پہونچانے کا بیان خدا کی رحمت اور رأفت و تربیت کا اظہار۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ احکام الٰہی سے سرتابی کر کے انسان خود اپنا نقصان کرتا ہے خداوند تعالیٰ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ تکبر، رعونت اور غرور کی ممانعت۔ فروتنی، انکسار اور تواضع کا حکم۔ بنی اسرائیل کی سرشت بد اور فطرت سیئہ کا اظہار اور اس بات کی طرف ایک لطیف تلمیح کہ خدا کی گرفت کا دائرہ وسیع ہے اور جس شخص پر دنیوی یا اخروی عذاب ہوتا ہے یا ہوگا وہ اسی کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ رزق الٰہی کی اباحت و حلت کا بیان۔ کفر و شرک عصیان، طغیان، حق تلفی اور بداخلاقی کی ممانعت یہ سب فساد کی شکلیں ہیں۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَٰحِدٍ فَٱدْعُ

اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ایک طرح کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے تو آپ ہمارے

لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنۢبِتُ ٱلْأَرْضُ مِنۢ بَقْلِهَا

لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے زمین کی اگائی ہوئی چیزیں یعنی ساگ

وَقِثَّآئِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ

اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز عطا کرے موسیٰ نے کہا

أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ

کیا تم اس چیز کو جو ادنیٰ ہے بہتر چیز کے بدلے میں لینا چاہتے ہو

اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ

(تم بڑے احمق ہو) اترو کسی شہر میں تو تم کو ملیگا جو کچھ تم مانگتے ہو

تفسیر

خداوند تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بے محنت و مشقت کے لطیف غذا عنایت فرمائی صاف ستھرا شیریں پانی پینے کو مرحمت کیا لیکن فطری جہالت رکھنے والے کور بصیرت انسان کہنے لگے :-

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ موسیٰ ہم ایک قسم کی چیز پر صبر نہیں کر سکتے ہر روز ہم کو من وسلویٰ ہی ملتا ہے ہم کو یہ بات پسند نہیں ہے ہماری طبیعت اور چیزوں کو بھی چاہتی ہے فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا آپ ہمارے لئے خدا سے دعا کیجئے کہ زمین کی سبزیاں، ترکاریاں، ککڑیاں، گیہوں، مسور، پیاز ہم کو عطا کرے اس سے ہمارا ذائقہ بدلے گا اور کچھ لطف حاصل ہوگا۔ ایک قسم کا کھانا کھاتے کھاتے تو ہماری طبیعت اکتا گئی۔ ابن عباسؓ، مجاہد، ربیع بن انس اور سعید بن جبیر کے نزدیک فوم بمعنی لہسن ہے لیکن دوسرے مفسرین نے فوم بمعنی گیہوں لکھا ہے۔ قرطبی نے بروایت عطاء و قتادہ بیان ہے کہ فوم اس غلہ کو کہتے ہیں جس کی روٹی پکائی جاتی ہے خواہ کوئی غلہ ہو۔ بنی اسرائیل نے ان چیزوں کی خواہش صرف اس وجہ سے کی کہ وہ نعمت الٰہی کے لائق نہ تھے جس چیز کے لائق تھے اسی چیز کی خواہش کی کیونکہ یہ لوگ لطافت، نورانیت کی بہ نسبت مادی کدورت کی طرف زیادہ مائل تھے اور ان چیزوں کو اس مادی زبان کے ذائقہ میں دخل ہے اس لئے انہوں نے اپنی فطرت کے مطابق غذا کی استدعا کی۔

قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تم بھی عجیب احمق ہو افضل کو چھوڑ کر ادنیٰ کو اور اعلیٰ کو چھوڑ کر ردی چیز کو چاہتے ہو۔ وہ رزق الٰہی جو لطیف و بابرکت ہے بغیر محنت و مشقت کے

تم کو ملتا ہے اور اُسکا مزہ اور لطافت مناسب روحانیت ہے، اور اُسکو کھا کر تم درجات آخرت حاصل کرنیکے واسطے فارغ البال ہو، ایسے بیش بہا سہل الحصول لطیف غذا کو چھوڑ کر ادنیٰ درجہ کی چیزوں کو مانگتے ہو جو صرف اسی جسمانی زبان کے مزہ سے متعلق ہیں اور اسکے باوجود بغیر مشقت اور محنت کے وہ تم کو حاصل بھی نہیں ہو سکتیں اور وہ لطافت بھی حاصل نہ ہوگی جو عبادت کے مناسب ہے، آخر کیوں اس کو پسند کرتے ہو لیکن بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرمان نہ مانا مجبور ہو کر موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور حکم الٰہی ہوا کہ اِهْبِطُوْا مِصْرًا الخ کسی شہر میں جا کر اترو، وہاں تمہاری خواہش کی چیزیں ملجائینگی۔ مصر سے مصر فرعون مراد نہیں ہے، عام شہر بلکہ چند شہر مراد ہیں کیونکہ بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تھی اور چھ لاکھ آدمیوں کا اجتماع خلاف عادت ہے مراد یہ ہے کہ وادی تیہ کے قریب قریب جو دیہات، آبادیاں اور شہر ہیں اُن میں جا کر اترو۔ ابن کثیر نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے سدی، قتادہ اور ربیع بن انس سے بھی یہی مروی ہے۔

مقصود بیان:۔ جو لوگ فطرتاً نورانیت اور روشنی روح سے محروم ہیں وہ سرمایہ حیات میں سے اُن چیزوں کے خواستگار ہوتے ہیں جن سے اُن کی جسمانی اور مادی کثافت میں اضافہ ہو اور نور روحانیت اور بجھتا چلا جائے۔ قوت شہوانیہ کا مقتضا اور خواہش بیجا طور پر پورا کرنا قوت روحانیت کے مُردہ ہونے کی دلیل ہے۔ یکسوئی اور مادہ پرست انسانوں سے علیحدگی ہی نورِ فطری کو چمکانے اور روشن کرنے کا ذریعہ ہے، اور مادی تمدن رکھنے والوں سے اختلاط مادی قویٰ کو روحانی قوت پر غالب کر دیتا ہے بنی اسرائیل کو بصیرت نہ تھی انکو لطیف و کثیف اور روحانیت و مادیت کا امتیاز نہ تھا اسی لئے لطیف کو چھوڑ کر کثیف کے خواہاں ہوئے۔ تمام انسانوں کی طبیعت جدت اور نیرنگی کی خواہاں ہوتی ہے خواہ مطلوب متروک سے ادنیٰ ہی ہو وغیرہ۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ق وَبَآءُوْ

اور اُن پر محتاجی اور ذلت کی مار پڑی — الٹے وہ اللہ کے

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ

غصہ میں آ گئے — یہ اسلئے ہوا کہ وہ — اللہ کی آیتوں کا انکار

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ

کرتے تھے۔ اور پیغمبروں کا ناحق خون کرتے تھے۔ اور یہ گنہگار نافرمان اور زیادتی کرنیوالے تھے۔

تفسیر

جب بنی اسرائیل نے من وسلویٰ اور لطیف نعمتوں پر صبر نہ کیا اور سبزیاں، ترکاریاں اُن کو منظور خاطر ہوئیں تو آبادیوں سے قریب جاکر اُن کو کاشتکاری وغیرہ کی اجازت دی گئی پہلے خدا تعالیٰ نے اُن کو عزت عطا کی تھی، اُنکے آباؤ اجداد کو حضرت موسیٰ اور یوشع وغیرہ انبیاء کی پیروی کا حکم دیا تھا اور فرمانبرداری کے صلے میں تمام عالم پر اُن کو بزرگی و شرف عطا کیا تھا اور ممالک شام یمن، مصر وغیرہ کی حکومت اُن کے سپرد فرمائی تھی لیکن اُن کی اولاد میں ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے توحید الٰہی کو چھوڑ کر کفر و شرک اختیار کیا اور طاعت و عدل کو چھوڑ کر انبیاء و صالحین کی قبروں کی پرستش شروع کر دی۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے ہر قوم و قبیلے اور ہر شہر و گاؤں میں ایک ہی وقت بکثرت نبی مبعوث فرمائے۔ اِن کے علاوہ خاص خاص علماء اور بھی تھے جو بغیر کسی دنیوی طمع کے اُنکو نصیحت کرتے تھے لیکن بنی اسرائیل کے قلوب اس قدر سیاہ ہو چکے تھے کہ جو کوئی دین توحید کی اُنکو نصیحت کرتا وہ اس کے دشمن ہو جاتے اسکو گمراہ سمجھتے یہاں تک کہ قتل کر دیتے چنانچہ ایک زمانہ میں تین سو علماء اور صلحاء کو قتل کیا۔ جب نوبت اس حد تک پہنچ گئی تو خدا تعالیٰ نے اپنی نعمت و فضیلت اُن سے واپس لیلی اور دریائے غضب میں موج آئی اور مذکورۂ ذیل اُن کا انجام ہوا:۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ الخ یعنی اُن کفر پسند بنی اسرائیل پر ذلت و خواری کی مار پڑی اول ایرانیوں نے ان کو برباد اور ذلیل کیا پھر رومیوں کے غلام ہوئے اور اخیر میں مسلمانوں کو جزیہ دینا قبول کیا اپنی حکومت جاتی رہی نہ وہ پہلی سی عزت رہی نہ حکومت۔

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ یعنی خدا تعالیٰ کا اُن پر غضب نازل ہوا ضحاک اور سعید بن جبیر نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ وہ غضب الٰہی کے مستوجب و مستحق ہو گئے۔ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ غضب الٰہی ان پر طاری ہو گیا۔ ابن جریر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ان حرکات کا آخری رجوع غضب الٰہی کی طرف ہوا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ الخ مطلب یہ ہے کہ یہ سزا اور عذاب ان کے واسطے سخت نہ سمجھنا چاہئے اور نہ اس کو نا انصافی پر مبنی سمجھنا چاہئے بلکہ اُن کے عظیم الشان قصور کو دیکھنا چاہئے کہ آیات قدرت، معجزات نبوت اور کتب الٰہیہ کا متواتر انکار کرتے جاتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے، اسی لئے خدا تعالیٰ نے اُن کو ذلت، مسکنت اور غضب کی سزا دی حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں نے ایک ہی وقت میں تین سو انبیاء کو قتل کیا تھا (ابوداؤد، طیالسی) آیت کے آخری ٹکڑے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فقط انہوں نے کفر اور قتل انبیاء ہی کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ اعمال، اقوال و عقائد میں یہ حد سے آگے بڑھ جاتے تھے حضرت عیسٰیؑ کو یوسف نجار کا بیٹا اور جادوگر کہتے تھے اور حضرت مریمؑ کو بدکاری کا الزام لگاتے تھے یہ سب اُن کی بہتان بندی اور افترا پردازی تھی لیکن اسی بنا پر اُنکے لئے ذلتِ آخرت کے باوجود ذلتِ دنیا بھی مقرر کی گئی اور دین و دنیا میں عذاب الٰہی اُن پر مسلط ہوا۔

مقصود بیان:۔ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا چاہئے تاکہ نعمت باقی رہے کیونکہ اس قوم کو جو نعمت عطا ہوئی ہے جب تک وہ قوم شکریہ پر قائم رہتی ہے اُس وقت تک اللہ تعالیٰ بھی نعمت میں کوئی تغیر نہیں فرماتا لیکن جب وہ قوم خود اس کو بدل ڈالتی ہے اور فسق و فجور میں پڑ کر شرع الٰہی پر قائم نہیں رہتی تو خدا تعالیٰ بھی نعمت زائل کر دیتا ہے۔ ایک خاص اشارہ آیات میں اس طرف بھی ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ کبھی رضاء الٰہی میں اپنے اختیار و پسند کو دخل نہ دے اور خدا داد نعمت کا جو کچھ نتیجہ نکلے اُس پر راضی رہے یہ ہوس نہ کرے کہ بجائے اسکے اگر ایسا ہوتا تو بہتر ہوتا کیونکہ کسی چیز کے خیر و شر سے وہ خود ناواقف ہے اُس کو معلوم نہیں کہ اگر کام اُس کی خواہش کے مطابق ہو گیا تو کیسا نتیجہ برآمد ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ سے ثبات، یقین اور استقامت دین کی دعا کرتا رہے۔ ہاں یہ بھی ضروری ہے کہ جسم خاکی کی تکمیل ایسے امور و اسباب سے کرتا رہے جو حصول نورانیت کے مانع نہ ہوں بلکہ تکمیل معارف کے لئے مددگار ہوں کیوں کہ حصولِ کمالات کیلئے بقائے جسم ضروری ہے۔ آیت سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ عذاب الٰہی اگرچہ سخت ہو پھر بھی جرم

کے مقابلہ میں سخت نہیں ہوتا۔ صرف سزا کو دیکھ کر خدا کو ظالم و بے انصاف نہ کہا جائے بلکہ اپنے قصور کو دیکھا جائے اور اس پر غور کیا جائے کہ یہ سزا ہم کو ہمارے قصور و جرم کی ہی ملی ہے۔

آیت سے تین امور یہ بھی واضح ہوتے ہیں (۱) بنی اسرائیل ناشکری اور کفر و شرک میں مبتلا تھے (۲) انبیاء کو انہوں نے قتل کیا تھا مثلاً زکریا، یحییٰ وغیرہ (۳) قول، فعل اور عقیدہ میں یہ حد سے آگے بڑھ گئے تھے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی

یقیناً جو لوگ مسلمان ہے اور جو یہودی ہوئے اور عیسائی

وَالصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ

اور بے دین (ان میں سے) جو بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاوے

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا

اور نیک کام کرے تو ان کے لئے انکے پروردگار کے پاس ثواب ہے، اور نہ

خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۝

ان کو کچھ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے

تفسیر اس سے پہلی آیت میں یہود کی ذلت اور ان پر قہر الٰہی کا نازل ہونا بیان کیا گیا تھا جس سے یہود کو مایوسی ہوئی کہ اب ہمارا بارگاہ الٰہی میں کہاں ٹھکانا ہے ہم کچھ بھی کریں ہمارے آباؤ اجداد کے جرائم معاف نہیں ہو سکتے اور نہ ہماری یہ دینی و دنیوی ذلت دور ہو سکتی ہے تو آیات مذکورہ میں اس مایوسی کو دور کیا گیا ہے۔

ابن کثیر نے آیات کی اس طرح تفسیر بیان کی ہے کہ خدا کو کسی کی ذات سے عداوت نہیں اور نہ

خاندانی وجاہت وپستی کو اسکے نزدیک کوئی امتیاز و اعتبار ہے بلکہ صرف ایمان و اعمال پر دارومدار ہے کوئی بھی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مؤمن ہوں یا دورِ اسرائیلی کے یہودی یا حضرت عیسیٰ ع کے عہد کے نصاریٰ یا اپنے زمانہ کے صابی بہرحال زبانی دعویٰ معتبر نہیں بلکہ ان میں سے جسکا حقیقی اور خالص ایمان خدا پر اور روز قیامت پر ہوگا اور اعمال نیک ہونگے تو اسکو اجر ضرور خدا کے ہاں سے ملیگا نہ اسکو عذاب کا خوف ہوگا نہ اس بات کا رنج ہوگا کہ ہائے ہمنے کیوں عمر کو ضائع کیا اور غلط مذاہب اور لغو خیالات کی پابندی کو نجات کا راستہ سمجھکر جہنم کو پہنچے۔

یہود درحقیقت یہودا کی طرف منسوب ہیں۔ یہودا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام تھا چونکہ سلطنت یہودا کی اولاد میں رہی تھی اسلئے بادشاہوں کی خوشی کو نیکو لوگوں نے اپنے آپ کو یہودی کہلانا شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ سب قوم کا لقب یہودی ہو گیا۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ ع کے مددگار اور اتباع کرنیوالوں کو کہا جاتا ہے چونکہ ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ ع کی نصرت و مدد کی تھی اسلئے اس لقب سے موسوم ہوئے۔ صابئین کے معنی میں اختلاف ہے۔ مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر اور حسن بصری سے روایت ہے کہ یہ لوگ بے دین تھے ابو العالیہ، ربیع بن انس، سدی، ابو الشعثاء، جابر بن زید، ضحاک اور اسحاق بن راہویہ کا قول ہے کہ صابی جماعت زبور پڑھتی ہے اور اہل کتاب ہے۔ قتادہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ زبور پڑھتے تھے اور قبلہ رخ نماز پڑھتے تھے اور ملائکہ کی پرستش کرتے تھے۔ ابو الزناد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عراقی تھے تمام انبیاء کو مانتے تھے اور یمن کی طرف رخ کر کے پنجوقتہ نماز ادا کرتے تھے بعض لوگ ان کو نوح کی امت قرار دیتے ہیں اور بعض لوگ ستارہ پرست کہتے ہیں۔ بہرحال کچھ بھی ہو آیت سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ صابی اہل کتاب ہی تھے اگرچہ رفتہ رفتہ مذہب میں تغیرات کر کے ستارہ پرست یا ملائکہ پرست یا کچھ اور بن گئے ہوں جس طرح کہ عیسائی اور یہودی رفتہ رفتہ شرک کرنے لگے۔

مقصود بیان۔ خدا کے نزدیک وجاہتِ ذاتی، عزتِ خاندانی اور دولت و حکومت کا اعتبار نہیں۔ جو شخص سچے دل سے مؤمن ہوگا نیک اعمال رکھتا ہوگا وہی خدا کے نزدیک معزز اور باکرامت ہے۔ یہودی، عیسائی اور صابی اپنے اپنے زمانہ میں حق پر تھے اب دورِ محمدی میں یہودیت عیسائیت اور صابئیت کا کمال یہی ہے کہ محمد صلعم پر ایمان لایا جائے

ورنہ نبوت محمدی کی انکار کی صورت میں نہ کوئی حقیقی معنی میں یہودی رہ سکتا ہے نہ کوئی سچا عیسائی نہ صابی۔ زبانی دعویٰ سے کچھ بھی کہہ لیا جائے۔ وغیرہ۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا

اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور تم پر طور کو معلق کر دیا لے لو

مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

جو ہم نے تم کو دیا ہے مضبوطی کے ساتھ اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم بچ جاؤ

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ

پھر اس کے بعد تم نے روگردانی کی تو اگر اللہ کا فضل اور اسکی مہربانی

عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

تم پر نہ ہوتی تو تم ضرور تباہ حالوں میں سے ہوتے

تفسیر

موسیٰؑ کو حکم ہوا تھا کہ کوہِ طور پر آ کر چلہ کشی کرو تو تم کو توریت ملے حسب الحکم حضرت موسیٰؑ وہاں جا کر عبادت میں مشغول ہوئے۔ ادھر یہودیوں نے سامری کے اغواء سے سونے چاندی کا بچھڑا پوجنا شروع کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ کو مطلع کیا گیا کہ اپنی قوم کی خبر لو وہ مشرک بن گئے۔ یہ حکم پا کر حضرت موسیٰؑ واپس آئے۔ دیکھا تو واقعی دگرگوں حالت تھی۔ بالآخر خدا تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اگر یہ مشرک لوگ باہم ایک دوسرے کو قتل کریں تو بیشک آخرت کے دائمی عذاب سے بچ سکتے ہیں۔ ورنہ اسکے علاوہ انکی توبہ قبول ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اسی وقت سب گھبرا گئے کہ کیا کریں۔ آنکھوں دیکھتے اور اپنے ہاتھوں اپنے بھائی بندوں کا خون کرنا تو بہت مشکل ہے اور ایسا کئے بغیر بھی چارہ نظر نہیں آتا۔ غرض موسیٰؑ دست بدعا ہوئے اور حضرت موسیٰؑ کی دعا سے ایک سیاہ بادل اوپر سے اٹھا جس سے تمام قوم پر اندھیرا چھا گیا اور ہاتھ کو ہاتھ نہ

ایک دوسرے کو خواہ باپ ہو یا بیٹا قتل کرنا شروع کیا شام تک ستر ہزار قتل ہوئے تب حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ بارگاہ صمدی میں گڑگڑائے اسوقت بادل دور ہوا اور باقیماندہ قوم کو معافی ملگئی۔ اسکے بعد جب موسیٰؑ نے انکے سامنے آسمانی کتاب یعنی توریت پیش کی اور اسکے احکام پر پابند ہونے کا حکم دیا تو وہ پھر شرارت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے تو ایسے سخت احکام نہیں مانے جاتے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے انکو پابند بنانے کی ایک صورت کی کہ ہلاک کرنا تو مناسب نہ سمجھا بلکہ بچوں کی طرح زبردستی عہد لیا جسکی شکل یہ ہوئی کہ پہاڑ انکے سروں پر معلق کردیا اور فرمایا کہ یا توریت پر عمل کرنیکا عہد کرو۔ ورنہ سب پاکر ہلاک کردیئے جاؤ گے اسوقت چار ناچار ان کو ماننا پڑا۔ اسی قصہ کی طرف آیات میں اشارہ ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ۔ اور اس وقت کے میثاق کو یاد کرو جب ہم نے تمہارے آباؤ اجداد کے سروں پر کوہ طور کو معلق کردیا تھا۔ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر سبزہ ہو اور اس پہاڑ کا نام بھی ہے جہاں حضرت موسیٰؑ کو شرف مناجات حاصل ہوا تھا اور توریت ملی تھی۔ ابن عباسؓ، مجاہد، عطار، عکرمہ، حسن، ضحاک اور ربیع بن انس وغیرہ کے نزدیک یہاں کوہ طور ہی مراد ہے۔

خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ۔ یعنی ہم نے تمہارے آباؤ اجداد سے کہا تھا کہ اب توریت کو عزم قوی اور میثاق فرمان پذیری کے ساتھ لیلو اور مضبوطی کے ساتھ اس پر کاربند ہوجاؤ۔ وَاذْکُرُوْا مَا فِیْهِ اور جو احکام و مسائل توریت میں ہیں ان سے نصیحت حاصل کرو، اخلاق ظاہر و باطن درست کرلو اور معارف و حقائق سے آراستہ ہوجاؤ۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اور امید رکھو کہ اس اطاعت و فرمان پذیری کے ذریعہ سے تم کو عذاب الٰہی سے نجات مل جائے گی۔ سدی نے بیان کیا ہے کہ جب یہودیوں نے قبول احکام سے انکار کردیا تو خدا تعالیٰ نے پہاڑ کو انکے سروں پر معلق کردیا اور قریب تھا کہ انکے سروں پر گر پڑے یہودی گھبرا کر سجدہ میں گر پڑے لیکن کنکھیوں سے دیکھتے رہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور عذاب دور کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہود اب بھی اسی طرح سجدہ کرتے ہیں کہ ایک آنکھ کا کچھ حصہ کھلا رکھتے ہیں اور اس سے دیکھتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی سجدہ بہتر ہے

اسی سے عذابِ الٰہی دور ہوا تھا۔ ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِّنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۔ یعنی اس کے کچھ دنوں کے بعد ہی تم عہد پر قائم نہ رہے اور احکام توریت کی خلاف ورزی کرنے لگے۔ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ اب اگر خدا کا فضل و اس کی رحمت تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو عذاب آخرت کے علاوہ دنیا میں ہی تباہ ہو جاتے خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے حضرت شمویلؑ حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ اور دیگر انبیاء کو بھیجکر نصیحت فرمائی اور ان حضرات نے سمجھایا اور یہودیوں کو راہ راست پر لائے یہ خدا کا فضل تھا ورنہ یہودی تو اپنی تباہی کا سامان کر ہی چکے تھے۔

مقصود بیان:۔ خدا تعالیٰ رحیم ہے اور طریقۂ ہدایت کو خوب جانتا ہے کبھی عذاب دیکر کبھی نعمتوں سے سرفراز کر کے کبھی ڈرا دھمکا کر اور کبھی صرف سمجھا کر نصیحت فرماتا ہے اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ گنہگار انسان عذاب سے بچ جائے کسی کو عذاب سے بچانا یا عذاب کا بھیجنا غرض ذاتی نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ انسان ہی کے اعمال کا نتیجہ ہے اور اسی کی بہبودی یا تباہی اس سے وابستہ ہے مختلف انبیاء ریفارمر اور علماء و صلحاء جو عام انسانی حالت اور بداخلاق کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمائے یا اس دورِ اسلامی میں مخلص علماء و صلحاء پیدا ہوتے رہتے ہیں یہ صرف خدا کی رحمت ہے خدا چاہتا ہے کہ میری مخلوق عذاب میں مبتلا نہ ہو اور انکی نصیحت سے فرمانبردار بن جائے۔ وغیرہ۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا

اور جن لوگوں نے تم میں سے ہفتہ کے بارہ میں زیادتی کی تھی تو تم انکو جان چکے ہو کہ ہم نے

لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ○ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ

اُن سے کہدیا کہ ہوجاؤ تم بندر ذلیل پس ہم نے بنایا اس واقعہ کو عبرت اُن کے لئے جو

يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ○

روبرو تھے اور جو پیچھے آنے والے تھے اور نصیحت (بنایا) واسطے پرہیزگاروں کے

تفسیر

حضرت موسیٰؑ کے بعد یوشعؑ الیسعؑ کالبؑ الیاس یونسؑ حزقیلؑ وغیرہ انبیاء ہوتے اور بنی اسرائیل کے اخلاق کی اصلاح کرتے رہے لیکن بنی اسرائیل کچھ دنوں تک تو نصیحت مانتے تھے بعد کو پھر بت پرستی میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت الیاسؑ الیسعؑ اور ذوالکفل وغیرہ کو یکے بعد دیگرے مبعوث فرمایا لیکن بنائے فساد یہ تھی کہ پیغمبر علیحدہ ہوتا تھا اور بادشاہ علیحدہ پیغمبر کے پاس کوئی مادی طاقت حکومت اور اسباب جنگ نہ ہوتا تھا کہ بنی اسرائیل کو مجبور کر کے شریعت موسوی کا پابند بنائے اور بادشاہوں کے پاس حکومت، دولت اور سامان جنگ ہوتا تھا اس لئے بادشاہوں کی وجہ سے ہی فسادِ شریعت ہوتا تھا بالآخر خدا تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو نبی بنا کر بھیجا اور بادشاہت سے بھی سرفراز فرمایا۔ حضرت داؤدؑ نے تمام بنی اسرائیل کو بزور سلطنت مطیع بنایا اور جس سرکشی سے انبیاءؑ کو قتل کرتے تھے اُسکی سزا انکو ملی گئی حضرت داؤدؑ کے ہی زمانہ میں ملک شام کے غربی جانب سمندر کے کنارے ایک آبادی تھی جسکا نام ایلہ تھا اسمیں تقریباً اسی ہزار یہودی آباد تھے اور انکی تجارت کا مدار مچھلیوں پر تھا انہی کا قصہ آیت مذکورہ میں بیان کیا گیا ہے جسکی تفصیل بروایت ابن عباسؓ یہ ہے کہ اہل ایلہ کیلئے سنیچر کا دن عبادت کیلئے مخصوص طور پر مقدس بنایا گیا تھا اور حکم تھا کہ اس دن شکار نہ کرنا بنی اسرائیل کی سرکشی اور نافرمانی جب حد سے آگے بڑھ گئی تو خدا تعالیٰ نے انکو آزمائش میں مبتلا کیا اور امتحاناً یہ صورت کر دی کہ ہفتہ ہی کے دن تمام مچھلیاں پانی کی سطح پر تیرتی آجایا کرتی تھیں اور باقی ایام میں پانی کے اندر رہتی تھیں۔ اس طرح ایک مدت دراز گذر گئی ایک روز ایک شخص نے سنیچر کے روز ایک مچھلی پکڑ کر ڈورے سے باندھ کر دریا میں چھوڑ دی اور دریا کے کنارے ایک کیل گاڑ کر ڈوری کا کنارہ اُس کیل سے باندھ دیا تاکہ مچھلی جا نہ سکے پھر اتوار کا دن ہوا تو اُس کو پکڑ لایا۔ اسی طرح اُس نے دوسرے سنیچر کو بھی کیا۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو اس کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بھی اسی طرح خفیہ طور پر یہ حرکت کرنی شروع کر دی اور اسی طرح ایک زمانہ دراز گذر گیا خدا تعالیٰ نے اُن پر کوئی عذاب نازل نہیں فرمایا پھر یہ لوگ بہت دلیر ہو گئے اور علی الاعلان دریا کے قریب قریب گھر سے حوض کھودتے اور دریا سے نالیاں کاٹ کر حوضوں تک پہنچا دیں ہفتہ کے دن حسب معمول مچھلیاں

پانی کی سطح پر آتی تھیں اور نالیوں میں ہوتی ہوئی حوضوں میں آجاتیں لیکن ان کی گہرائی اور پانی کی قلت کی وجہ سے نکل نہ سکتیں تھیں۔ اتوار کے دن بنی اسرائیل مچھلیاں پکڑ لیتے تھے اور علانیہ بازاروں میں فروخت کرتے۔ حضرت داؤدؑ نے منع فرمایا کہ ایسی حرکت نہ کرو حضرت داؤدؑ کے ہمراہ بارہ ہزار یہودی تو متفق ہوئے بلکہ پہلے ہی سے یہ لوگ اس گناہ میں شریک نہ تھے اور دوسروں کو بھی اس جرم سے منع کرتے تھے باقی یہود کے دو گروہ ہو گئے ایک علی الاعلان نافرمانی کرنے والا اور مچھلیاں پکڑ کر فروخت کرنے والا تھا اور دوسرا گروہ خود تو شکار نہ کرتا تھا لیکن دوسروں کو شکار کرنے سے منع بھی نہ کرتا تھا بلکہ ناصح گروہ سے کہتا تھا کہ جس قوم کو خدا ہلاک کرنا چاہتا ہے تم اس کو کس طرح نصیحت کر سکتے ہو بہر حال اس یوم عبادت کی بے حرمتی حکم الٰہی کی نافرمانی اور تعدی و گناہ کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اس بیباک فرقہ کو ایک لخت بندروں کی صورت پر مسخ کر دیا دل بھی اُن کے بندروں کے دل کی طرح بے عقل ہو گئے اور صورتیں تو بندروں کی ایسی ہو ہی گئیں تھیں (حضرت مجاہد کا یہی قول اور یہی مطلب ہے) اور تین روز کے اندر اندر سب مجرم گروہ اپنے اپنے مکانوں کے اندر نہایت ذلت کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔

آیت کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل تم قطعاً خوب جانتے ہو کہ جن لوگوں نے سنیچر کی بے حرمتی کرنے میں حد سے تجاوز کیا تھا۔ لہٰذا خدا نے بھی اُن ظالموں کے متعلق کہہ دیا کہ ملعون بندر فوراً بن جاؤ، وہ لوگ بندر بن گئے اور تین دن کے اندر سسک سسک کر مر گئے اور یہ واقعہ اگرچہ بنی اسرائیل کے ایک فرقہ کا ہوا تھا لیکن درحقیقت یہ اگلی پچھلی قوموں کی عبرت حاصل کرنے کے لئے کیا گیا تھا تاکہ خدا کی نافرمانی اور محرمات الٰہی کی شکست کا وبال اُن کے پیش نظر ہو اور وہ سرتابی کرنے کی جرأت نہ کر سکیں اور جن لوگوں کے اندر پرہیزگاری کا مادہ ہے یا اُن کے مقدر میں پرہیزگار بننا لکھ دیا گیا ہے وہ اس واقعہ سے نصیحت حاصل کریں۔

مقصود بیان:۔ حصول عبرت اور نصیحت پذیری کی تعلیم۔ خدا تعالیٰ کی قوت و جلال کا اظہار، نافرمانی و سرتابی اور محرمات الٰہی کی شکست کا وبال اس امر کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ جن کے اندر تقوٰی کا مادہ ہے

اور فطرتاً ان کے اندر نور چمک رہا ہے وہی آیات قدرت سے نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا

اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تم کو حکم فرماتا ہے کہ تم ایک گائے حلال کرو

بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ

وہ کہنے لگے کیا تم ہم کو مسخرہ بناتے ہو موسیٰ نے کہا خدا مجھے اپنی پناہ میں رکھے

اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ○ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

کہیں ایسا نادان بنوں قوم والے بولے تو اپنے رب سے دعا کر

يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا

کہ وہ کھول کر بیان کرے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ موسیٰ نے کہا خدا فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو کہ نہ

فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا

بوڑھی ہو نہ بچھیا درمیانی جوان ہو اب جو حکم تم کو دیا گیا ہے

مَا تُؤْمَرُوْنَ ○ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا

اس کو بجا لاؤ کہنے لگے اپنے رب سے ہمارے لئے التجا اور دریافت کرو کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا

موسیٰ نے کہا خدا فرماتا ہے وہ گائے زرد ہو جس کا رنگ کھلتا ہوا

تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ○ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا

نظر نواز ہو کہنے لگے اپنے رب سے ہمارے لئے التجا اور دریافت کرو وہ کھول کر بتا دے

مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ

کہ وہ گائے کس قسم کی ہو؟ ہم کو اس گائے میں ابھی تک اشتباہ ہے اگر خدا نے چاہا

شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۞ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا

تو ہم ضرور ہدایت یاب ہوجائیں گے موسیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ گائے

بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ

محنت کرنے والی نہ ہو کہ زمین جوتتی ہو اور نہ کھیت کو سینچتی ہو

مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ

صحیح سالم بے داغ ہو بولے اب تم ٹھیک بیتہ لائے

فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۞ ع

چنانچہ انہوں نے گائے ذبح کی (اگرچہ) ایسا کرتے لگتے نہ تھے

تفسیر

ابن ابی حاتم، ابن جریر، عبید بن حمید، آدم بن ابی ایاس کی تفسیروں سے نیز تفسیر معراج وغیرہ سے اقتباس کرکے ذیل میں پورا قصہ جو آیات مذکورہ بالا سے متعلق ہے لکھا جاتا ہے اس قصہ میں بھی آیات قدرت اور دلائل معرفت بہت ہیں جنمیں سے بعض کو ہم مقصود بیان میں انشاء اللہ بیان کریں گے۔

تفسیروں میں جو واقعہ مذکور ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نیک آدمی تھا اُس کے پاس ایک بچھیا تھی اور بیوی بھی اُس کی بہت خدا پرست تھی۔ مرتے وقت اُس نے اپنی بیوی کے مشورہ سے اُس بچھیا کو جنگل میں چھوڑ دیا اور خدا تعالےٰ کی امانت میں دیدیا اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ الٰہی میں اس گائے کو تیری امانت میں اپنے چھوٹے بچہ کیلئے دیتا ہوں اسکے بعد اُس شخص کا انتقال ہوگیا یتیم بچہ کو نیک الذہن پرورش کرتی رہی جب وہ بالغ ہوا تو وہ بھی بہت سعید نکلا ماں کے خلاف حکم کوئی کام نہ کرتا تھا اور ہمہ تن ماں کی خدمت گذاری اور اطاعت شعاری میں مصروف تھا ایک روز اسکی والدہ نے خوش ہوکر کہا کہ بیٹا فلاں

جنگل میں ایک گائے تیرے باپ نے خدا کی دولیعت میں تیرے لئے سپرد کی تھی تو اسکو بجا کر لے آ- بیٹا جنگل کو گیا اور امانت الٰہی کا نام لیکر گائے کو آواز دی۔ گائے فوراً دوڑتی چلی آئی۔ یہ گائے نہایت خوشنما صاف بے داغ تھی۔ نہ بچہ تھی نہ بوڑھی درمیانی عمر کی تھی۔ یہ شخص گائے کو لیکر اپنی والدہ کے پاس آیا۔ والدہ نے اجازت دیدی کہ اس کو لیجا کر بازار میں فروخت کرکے اپنی اہل و عیال کی پرورش کا سامان درست کرے لیکن جو دام لگیں میرے مشورہ کے بغیر نہ دینا۔ یہ شخص گائے کو بازار لے گیا ایک خریدار نے کچھ قیمت لگائی اس نے کہا اچھا مگر میں اپنی والدہ سے دریافت کرلوں۔ خریدار نے کہا اگر تم بغیر مشورہ کے مجھے دیدو تو دو چند قیمت دیتا ہوں۔ لیکن اس سعید انسان نے گائے نہ دی اور والدہ سے آکر تذکرہ کیا والدہ نے منع کر دیا۔ دوسرے روز اسی خریدار نے اور دو چند قیمت لگائی اور اسی طرح روز قیمت میں اضافہ کرتا رہا۔ لیکن نیک بیٹے کی نیک ماں ہمیشہ دینے سے انکار کرتی رہی۔ ایک روز اس عورت نے کہا کہ بیٹا اس خریدار سے مشورہ کرنا کہ گائے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ واقعی ہم کو فروخت کر دینا چاہئے یا نہیں۔ کیونکہ عورت فراست سے سمجھ گئی کہ یہ خریدار یا تو کوئی فرشتہ ہے یا کوئی خدا رسیدہ بزرگ۔ الغرض لڑکے نے جاکر اس شخص سے ماں کا پیام کہا اس نے جواب دیا کہ اپنی والدہ سے میرا سلام کہنا اور کہدینا کہ عنقریب بنی اسرائیل کو اس گائے کی ضرورت ہوگی اور اس کے ہموزن سونا دیکر خریدیں گے اس وقت تم فروخت کرنا بالفعل مت بیچو۔

اب ہم اس قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص بڑا مالدار تھا اور اسکی کوئی اولاد نہ تھی بھتیجے موجود تھے ان کے علاوہ کوئی اور وارث نہ تھا ایک روز مشورہ کرکے ایک بھتیجے نے اپنے چچا کو قتل کرکے لاش کو گاؤں کے رقبہ سے باہر دوسرے گاؤں کے رقبہ میں پھینکدیا اور صبح کو خود ہی اس کے خون کا مدعی ہوا اور دوسرے گاؤں کے آدمیوں پر قتل کا الزام لگایا اور دیت کا مطالبہ کیا۔ اس گاؤں کے آدمیوں نے انکار کیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں گاؤں کے آدمی لڑائی کے لئے تیار ہوگئے لیکن کچھ لوگ سمجھدار بھی تھے انہوں نے کہا بھائیو لڑائی کیوں کرتے ہو رسول خدا

آخر موجود ہیں اُن سے چل کر دریافت کرو جس شخص کا وہ نام بتادیں بس وہی قاتل ہے چنانچہ بالاتفاق سب حضرت موسیٰؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مدعی نے عرض کیا یا نبی اللہ! ان گاؤں والوں نے میرے چچا کو قتل کیا ہے مجھے قصاص دلوائیے یا دیت دلوا دیجئے۔ وہ لوگ چونکہ بے قصور تھے اس لئے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگوں کو دیت ادا کرنے میں کچھ دقت و دشواری نہیں ہے لیکن مقتول کے بھتیجے ہم پر الزام لگاتے ہیں اور ہم کو اس بات کی شرم ہے کہ یہ الزام ہم پر ہمیشہ قائم رہے گا اور مقتول کے خاندان والے ہم سے ہمیشہ دشمنی کریں گے لہذا ہم چاہتے ہیں کہ آپ خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے تاکہ قاتل کا نام دریافت ہو جائے۔ حضرت موسیٰؑ نے دعا کی حکم الٰہی ہوا کہ ایک گائے کو ذبح کرکے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارو مقتول زندہ ہو کر خود ہی اپنے قاتل کا نام بتا دے گا حضرت موسیٰؑ نے لوگوں کو اللہ پاک کا حکم سنا دیا۔ اس پر وہ لوگ لگے جھگڑا کرنے اور گائے کے متعلق سوال پر سوال کرنے شروع کر دیئے وہ گائے کیسی ہو کس رنگ کی ہو کس عمر کی ہو کس قسم کی ہو؟ آخر سب کا جواب دیدیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسی گائے اسی یتیم لڑکے کے پاس ملی جس کے عوض ہموزن سونا دیا گیا بنی اسرائیل نے با دل ناخواستہ اس کو خریدا اور ذبح کرکے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارا مقتول فوراً زندہ ہو گیا اور اپنے بھتیجوں کے نام بتا دیئے اور ظاہر کر دیا کہ فلاں بھتیجے نے مجھے قتل کیا ہے۔ اس مقتول کا نام عامیل تھا غرض قاتل سے قصاص لیا گیا۔ اب ہم آیت کی تفسیر کرتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی الخ یعنی اس واقعہ کو یاد کرو جب حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے اُن کی استدعا کے جواب میں کہا تھا کہ قاتل کا نام معلوم کرنے کی یہ صورت ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔ بنی اسرائیل نہایت بیباکی اور بدتمیزی سے کہنے لگے کہ کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو۔ یہ مذاق کا کونسا موقعہ ہے ہم قاتل کا نام دریافت کرتے ہیں تم گائے ذبح کرنے کو کہتے ہو۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا میں جاہل نہیں ہوں پیغمبر ہوں ایسے موقعہ پر مذاق کرنا جہالت ہے اور میں جاہلوں کے گروہ میں داخل ہونے سے بھی خدا کی پناہ چاہتا ہوں تم گائے ذبح کرو۔ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اچھا خدا سے دریافت

کرو کہ گائے کا سن کیا ہونا چاہئے؟ بنی اسرائیل کا مقصود اس چون وچرا سے تاخیر تعمیل اور سرتابی وطغیانی تھا۔ حضرت موسیٰ ؑ نے فرمایا خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ تو ایسی بوڑھی ہو جس کی نسل ہی منقطع ہو گئی ہو اور نہ اس قدر بچی ہو کہ نر کے قابل نہ ہو بلکہ درمیانی عمر کی ہو۔ اب تم تاخیر نہ کرو بلکہ جو تم کو حکم دیا جاتا ہے اُس کی فوراً تعمیل کرو۔ ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کو معمولی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن چونکہ انہوں نے خود اپنے واسطے سختی کو پسند کیا اس لئے خدا تعالیٰ بھی اُن کے واسطے قیود میں اضافہ کرتا گیا۔ خیر بنی اسرائیل بولے کہ اچھا خدا سے دعا کیجئے کہ اُس گائے کا رنگ کیا ہونا چاہئے اس کا بیان بھی ضروری ہے حضرت موسیٰ ؑ نے فرمایا خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے صاف کھلتے ہوئے زرد رنگ کی ہونی چاہئے جس کا رنگ باصرہ نواز ہو اور آنکھوں کو بھلا معلوم ہوتا ہو۔ گویا انتہائی شفاف ہونے سے اُس کے رنگ میں دھوپ چھائیں نظر آتی ہو اور اُس کا رنگ بدلتا ہو اور ایک لہر سی معلوم ہوتی ہو۔ بنی اسرائیل بولے کہ ابھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا ہمارے فہم میں گڑبڑ ہو گئی آپ خدا سے دعا کیجئے کہ ہم کو صاف طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ گائے ایسی ہو گی اور اس صفات وحلیہ کی ہو گی اور انشاء اللہ ہم مقصد کو پہنچ جائیں گے۔ حضرت موسیٰ ؑ نے فرمایا خدا تعالیٰ فرماتا ہے وہ گائے ایسی ہو کہ کاشتکاری کے کام نہ آتی ہو نہ تو کھیتیاں جوتتی ہو نہ کھیتیوں کو سینچتی ہو اُس سے محنت کا کوئی کام نہ لیا جاتا ہو کسی طرح کا اُس میں کوئی نقص وعیب نہ ہو اور بے داغ ہو کوئی دھبہ نہ ہو۔ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ہاں آپ نے سچ بات کہی اور پورا بیان کیا۔ بالآخر بنی اسرائیل نے ایسی گائے ذبح کر دی لیکن انہوں نے اتنے سوال جواب اور حیلے حجت سے کام لیا کہ اُنکے ارادے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ کام نہ کرینگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر بنی اسرائیل انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی ذبح نہ کر سکتے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ

اور جبکہ تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا اور ایکدوسرے پر اسکے قتل کا الزام رکھنے لگے تھے اور جو کچھ تم

تَكْتُمُونَ ۝ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ

چھپاتے تھے اللہ کو اسی کا فاش کرنا تھا اسلئے ہمنے حکم دیا کہ اس گائے کا کوئی ٹکڑا انکا دو اسی طرح

اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

اللہ مردوں کو زندہ کریگا اور وہ تم کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ

تفسیر یہ گذشتہ آیات کا تتمہ ہے بلکہ گذشتہ آیات سے اصل مقصود یہی ہے جیسا کہ خود شان ہوتا ہے وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا یعنی اُس واقعہ کو یاد کرو اور اس سے عبرت حاصل کرو جبکہ تمہارے اسلاف میں سے ایک شخص نے دوسرے شخص کو قتل کر دیا تھا اور پھر اُس کے قاتل کے متعلق تم نے باہم اختلاف کیا تھا دو فریق ہوگئے تھے اور ہر ایک نے دوسرے پر قتل کا الزام لگایا تھا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ لیکن جس چیز کو تم چھپاتے تھے اُسکو خدا عزوجل ظاہر کر دینے والا تھا۔ اُس سے کوئی بات مخفی نہیں ہے وہ قاتل کا نام بتا سکتا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ نے انکو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا جب انہوں نے گائے ذبح کرلی اور ہنوز قاتل کی سمجھ میں نہ آیا کہ اُس کی بدکاری کس طرح ظاہر ہوگی فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ گائے کا ایک ٹکڑا لیکر مقتول کی لاش پر مارو۔ وہ فوراً زندہ ہوکر قاتل کا نام بتا دے گا چنانچہ جب گائے کا ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارا گیا تو مقتول نے زندہ ہوکر قاتل کا نام بتا دیا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جسوقت مقتول زندہ ہوکر اٹھا تھا تو اُسکی لاش سے خون جاری تھا حالانکہ اُس وقت اُسکو قتل اور دفن ہوئے ایک زمانہ گذر گیا تھا پھر اُسنے اپنے قاتل کا نام بتا دیا اسکو کہتے ہیں اُسنے اپنے بھتیجے کا نام بتایا تھا۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ نام بتانے کے بعد وہ بدستور سابق مردہ ہوگیا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى - یعنی خدا تعالیٰ نے جسطرح اس مقتول کو مرنے کے بعد زندہ کر دیا اسی طرح خدا مُردوں کو زندہ کر دیگا۔ اس میں کسی طرح شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ اور خدا تعالیٰ تمکو اپنے آثار قدرت اور آیات قوت دکھاتا ہے تاکہ تمکو سمجھ حاصل ہو اور تم

غور کرو کہ جسطرح خدا ایک مردہ کو مرنے کے بعد زندہ کرسکتا ہے اور وہ مردہ گذشتہ زندگی کا واقعہ
بیان کرسکتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ سب مُردوں کو زندہ کرسکتا ہے اور سب اپنی گذشتہ زندگیوں
کے واقعات بتا سکتے ہیں۔

مقصود بیان۔ آیات سے ضمناً اور اشارۃً مندرجہ ذیل امور ظاہر ہوتے ہیں: تقرب
باری تعالیٰ پیش نظر رہنا چاہیئے حکم باری تعالیٰ کی تعمیل کی جائے۔ یتیم کو بہر صورت ممکن فائدہ
پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ خدا کے بھروسہ پر جو کام کیا جاتا ہے اسکا نتیجہ بہتر نکلتا ہے۔ اسلئے
خدا پر توکل کرنا چاہیئے۔ اولاد پر شفقت و رحمت کی جائے۔ ماں کے احکام کی پابندی کیجائے۔ والدہ کی
اطاعت کا ثمرہ بالآخر اچھا نکلتا ہے۔ خدا سے دعا کرنی اسکیواسطے لازم ہے کہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں
کوئی نیاز نذر پیش کیجائے جو چیز خدا کی نذر نیاز میں پیش کی جائے وہ بہترین اور بیش بہا ہونی چاہیئے
اور جہاں تک ممکن ہو عمدہ ہونی چاہیئے۔ درحقیقت مؤثر خداوند تعالیٰ ہے اسباب صرف امارات اور
ذرائع ہیں بنی اسرائیل سخت جاہل تھے تعمیل حکم الٰہی میں تاخیر اور ٹالم ٹول کرنا چاہتے تھے معرفت
الٰہی سے قطعاً ناآشنا تھے قدرت الٰہی اور راز خداوندی سے بالکل ناواقف تھے۔ بے موقعہ مذاق
کرنا جہالت کی علامت ہے اور کسی پیغمبر اور پیغامبر کے لائق نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ
نہیں رہ سکتی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ آثار قدرت درحقیقت آیات الٰہی
ہیں جنکو بصیرت کوش و دماغ ہی سمجھ سکتے ہیں اور وہی ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ
مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے وہ انکو ضرور زندہ کریگا۔ بعث جسمانی حق ہے۔ دوبارہ زندگی میں
پہلی زندگی کے واقعات انسان ضرور بتائیگا اس لیے حساب کتاب حق ہے۔ پورے قصہ میں
ایک دقیق ترین اشارہ اور باریک لطیفہ اور بھی ہے جسکی وضاحت ذیل کی تقریر پر غور کرنے سے
ہوتی ہے نفس انسانی یعنی نفس کی قوت شہوانیہ ایک گائے ہے اور ٹھیک جوش جوانی کے زمانہ
میں نفس انسانی یعنی وہی قوت شہوانیہ کی گائے نظر فریب خوشنما اور جاذب توجہ ہوتی ہے اس تقریر کے سمجھنے کے
بعد غور کرنا چاہیئے کہ جو شخص اپنے نفس امارہ کی حقیقت سمجھنا چاہتا ہے اسکو اپنے نفس کی گائے عین جوش جوانی
کے زمانہ میں جبکہ یہ گائے جاذب نظر ہو مطلب دنیا میں ذلیل نہ ہو اور دنیوی میل کا کوئی داغ اسپر
نہ ہو اور معاصی کا کوئی عیب و نقصان بھی نہ ہو ایسی حالت میں قوت شہوانیہ کی گائے کو ذبح

کر دینا چاہئے۔ اُس کا زور توڑ دینا چاہئے تاکہ روح کو نئی زندگی حاصل ہو اور وہ تمام ملک ملکوت
اور لاہوت کے واقعات کا اظہار کر دے اور عقل و وہم کے درمیان جو اختلاف و تنازع رہتا
ہے وہ دفع ہو جائے اور اصل قاتل یعنی وہم کا پتہ چل جائے اور پھر اُس سے قصاص لے لیا جائے
یعنی ہر قسم کے شک و تردد کو دور کر کے صادق ایمان اور پختہ یقین حاصل کر لیا جائے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ

پھر اسکے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے سو وہ پتھروں کی طرح ہیں

اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ

یا ان سے بھی زیادہ سخت اور بعض پتھر تو ایسے ہیں کہ ان سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا

اور بعض ایسے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور انہیں سے پانی نکلنے لگتا ہے اور بعض انہیں سے ایسے ہیں

يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

کہ اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے

تفسیر

جب گزشتہ آیات میں یہود کو ترہیب و ترغیب کا مل طور پر کر دی گئی اور
نصیحت و عبرت کے مضامین کی انتہا ہو گئی تو اب فرماتا ہے کہ ان واقعات
وعجائبات قدرت کے دیکھنے کی تم کو ایک مسادات ہو گئی۔ تم پر اس کا اب کوئی اثر نہیں
ہوتا اور تم چکنے گھڑے کی طرح ہو گئے۔ گناہ کرتے کرتے تمہارے دل پتھر کی طرح سخت
ہو گئے جس طرح پتھر میں کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا اسی طرح تمہارے دلوں میں انبیاء کی
نصیحت اثر نہیں کرتی بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ تم سنگدل ہو پتھروں سے تو کچھ فائدہ
بھی ہوتا ہے اور اُن میں تو کچھ تاثر کا مادہ بھی ہے کیوں کہ بعض پتھروں کے اندر سے پانی

کے چشمے پھوٹ کر نکلتے ہیں جن سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے بعض پتھروں کی جھریوں سے پانی پھوٹ کر نکلتا ہے اور بعض پتھر پہاڑ کی چوٹیوں سے گرتے ہیں گویا ہیبت الٰہی سے لرز کر سجدہ میں گرتے ہیں اور تمہارے دلوں میں یہ بات بھی نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم پتھروں سے بھی زیادہ سخت دل ہو۔

ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ جب مقتول نے زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا اور پھر بدستور مُردہ ہو گیا تو یہودیوں کو ان آیات الٰہی کے دیکھنے سے نرم دل ہونا چاہئے تھا کیونکہ انہوں نے خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تھا مگر بجائے اس کے انہوں نے اور تکذیب کرنی شروع کر دی اور کہنے لگے واللہ ہم نے تو نہیں مارا ہے اسی لئے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ قلوب پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں کیوں کہ بعض پتھروں سے تو بحکم الٰہی دریا جاری ہو جاتے ہیں اور بعض شق ہو جاتے ہیں اور بعض بخوف الٰہی گر پڑتے ہیں اور ان کے قلوب میں قدرت الٰہی اور خوف خداوندی کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ یحییٰ بن یعقوب کہتے ہیں کہ جن پتھروں سے نہریں جاری ہوتی ہیں وہ ان کے گریہ وزاری کی کثرت ہے اور جن پتھروں سے پھٹکر صرف کسی قدر پانی بہتا ہے وہ گریہ کی قلت ہے اور جو پتھر بخوف الٰہی گر پڑتے ہیں وہ دل کا خشوع وخضوع ہے اور بغیر آنسو کے گریہ ہے۔ امام رازی اور قرطبی وغیرہ علماء نے فرمایا ہے کہ پتھروں کا گریہ حقیقی معنی میں ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں ہر جنس کے واسطے اپنی معرفت کے لئے جدا جدا فہم پیدا فرمایا ہے یہی سلف خلف اور تمام اہل سنت کا مذہب ہے۔

مقصود بیان بعض انسانوں کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ دنیا کی کوئی نصیحت وعبرت اُن کے لئے سودمند نہیں ہوتی۔ اگرچہ فیض الٰہی برابر جاری ہے لیکن قابلیت علیحدہ علیحدہ ہے جاندار اور بے جان مخلوق بھی خدا تعالیٰ سے خوف کرتی اور اُس کی توحید وربوبیت کا اقرار کرتی ہے۔ اگرچہ اُس کا طریقۂ معرفت جدا ہے۔ ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ لوگوں کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور فیض ہدایت کا قصور ہے بلکہ یہ کفار ومشرکین کی استعداد کا فتور ہے ورنہ فیض ہدایت عام ہے۔ اہل بصیرت کے لئے آیت میں ایک خاص ہدایت اور بھی مضمر ہے وہ یہ کہ قلب

چار قسم کے ہیں ایک تو وہ جو نورِ الٰہی سے منور اور اسمیں مستغرق ہو جاتے ہیں اور اُن سے علم کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ یہ قلوب انبیاء، خاصانِ خدا اور اولیاء کرام کے ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ قلوب جو ان علوم سے ایک خاص حصہ حاصل کر کے جمع رکھتے ہیں اور پھر اس کو پھیلا کر دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں یہ علماءِ راسخین کے قلوب ہیں تیسرے وہ دل ہیں جن کے اندر عرفا خشوع و اطاعت ہوتی ہے ہر وقت خوفِ الٰہی سے لرزتے ہیں لیکن اُن کے دلوں سے نہ علم کی نہریں جاری ہیں اور نہ اُنکے حصۂ علم سے عوام کو نفع پہنچتا ہے یہ زاہدوں عابدوں اور پرہیزگاروں کے دل ہیں۔ چوتھے وہ قلوب ہیں جن پر علم کا اثر تک نہیں پہنچتا اور نہ وہ خوف الٰہی سے نرم ہوتے ہیں بلکہ ہدایت سے مایوس، غرور سے پُر، خواہشات نفسانی سے لبریز اور سرکشی میں کامل ہوتے ہیں۔ ایسے قلوب کو موجوداتِ عالم میں سے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جاسکتی اسی لئے فرمایا کہ اُن کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ وَقَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ

کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہود تمہارا کہنا مان لینگے حالانکہ انہی میں کے کچھ لوگ ایسے تھے

مِّنۡہُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَہٗ

جو اللہ کا کلام سنتے تھے پھر سمجھے پیچھے اُس کو

مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡہُ وَہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ

بدل دیتے تھے اور وہ جانتے (بھی) تھے

تفسیر یعنی اے مسلمانو! کیا تم کو اس بات کی آرزو ہے کہ یہ یہودی تمہاری بات مان لینگے حالانکہ اُنکے اسلاف میں سے موسیٰ کے زمانہ میں اور اُنکے بعد بھی ایک فریق ایسا تھا کہ کلام الٰہی کو سُنکر دانستہ تحریف کرتا تھا جب اُنکے اسلاف کی یہ حالت تھی تو پھر تمکو اُنکے متعلقین سے ایمان کی کس طرح امید ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ اشد، طینت اور خبیث جبلت ہیں اُنسے ایمان کی طمع نہ رکھو۔

ان آیات میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو تسلی دیتا ہے کہ ان لوگوں کی سرشت خود اتنی بری ہے کہ تم کو ان سے امید نہ رکھنا چاہیئے کہ یہ اسلام قبول کریں گے۔ کیونکہ ان کے اسلاف تو باوجود نبی وقت یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق پر جانتے تھے اور توریت کو آسمانی کتاب مانتے تھے پھر بھی اغراض نفسانیہ کی وجہ سے اُس میں تحریف کرتے تھے پھر یہ بھی انہی کی اولاد ہیں ان کے نزدیک تو تمہارا دین اور قرآن حق ہی نہیں۔ یہ کس طرح تمہاری بات مان سکتے ہیں۔

مقصود بیان: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کی اسلام سے مایوسی اور پیشین گوئی۔ اسلاف یہود کی شرارت طبعی کا بیان۔ مسلمانوں کو تسلی۔ وغیرہ۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا

اور جب یہ لوگ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب

خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ

تنہائی میں ایک دوسرے کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم بتلائے دیتے ہو مسلمانوں کو جو کچھ کھولا ہے

عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○

اللہ نے تم پر تاکہ وہ جھگڑیں تم سے اسکے ذریعے تمہارے رب کے پاس تو کیا سمجھتے نہیں ہو

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ○

کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ لوگ جو چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں سب اللہ کو معلوم ہے

تفسیر: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم عام دیدیا تھا کہ مدینہ میں سوا مسلمانوں کے کوئی نہ داخل ہونے پائے پس بعض یہودی مسلمانوں کی خبریں معلوم کرنے کی غرض سے منافقانہ اسلام لاتے اور صبح کو اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے مسلمانوں سے ملتے جلتے اور اپنا اعتبار جتلانے کو توریت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد اور تعریفیں بھی لکھو لکھ دکھاتے تھے اور شام کو واپس جاکر حسب اپنے سیاہ باطن

الانس یعنی سردارانِ یہود ابی اور کعب بن اشرف اور وہب بن منبہ وغیرہ کے پاس بیٹھتے تو وہ انکو ملامت کرتے تھے کہ یہ تو فوائتم اپنے علم اور اپنی کتاب میں سے مسلمانوں کو کیوں سند اور ثبوت دیے دیتے ہو یہ مسلمان دلیل پیش کریں گے کہ خدا کے ہاں یعنی توریت میں ہمارے نبی کی تعریف موجود ہے اُس پر آیت لم کو نازل ہوئی۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا یعنی جب یہ لوگ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں دیکھو رسول عربی کے نام کے طفیل سے ہم لوگ تھوڑا زمانہ ہوا کہ تم لوگوں پر فتح مندی کی دعا مانگا کرتے تھے اور حکم توریت کے موافق خود ان کے منتظر تھے۔ (محمد بن اسحاق عن ابن عباس)

وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ الخ۔ لیکن جب باہم ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور تنہائی ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو مسلمانوں سے صرف ظاہر میں ایمان کا اقرار کیا تھا اور دل سے ہم مؤمن نہیں ہیں غرض جب یہ لوگ اپنے خواندہ گروہ سے تنہائی میں ملتے ہیں تو انکے خوش کرنیکو اظہار کرتے ہیں کہ آپ لوگ مطمئن رہیں ہم دل سے مسلمان نہیں ہیں وہ لوگ جواب دیتے ہیں اور ملامت کرتے ہیں کہ تم دنیوی مصلحت سے ایمان ظاہر کرتے ہو اور دل سے نہیں مانتے ہو تو خیر یہ بہتر ہے لیکن اُن سے ایسی باتیں کیوں ظاہر کرتے ہو کہ محمد بیشک پیغمبر برحق ہیں اور ہمکو توریت میں اُن پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اور ہم مدت سے انکے ظہور کے منتظر تھے اور زمانۂ جاہلیت میں انہی کے فضائل بیان کرتے تھے اور انہی کے نام پاک کا واسطہ دلا کر اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعائیں کیا کرتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ منافقین مسلمانوں سے تو خوشامد کے لئے مذکورہ باتوں کا اظہار کردیا کرتے اور یہاں سے جاکر جب اپنے علماء سے ملتے تھے تو وہ کہتے تھے اور ملامت کرتے تھے کہ تم مسلمانوں سے یہ باتیں کیوں ظاہر کرتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں کہ وہ انہی باتوں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم پر حجت قائم کریں گے کہ انہوں نے جان بوجھ کر کفر کیا ہے پھر ہم سب کے سب عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ خدا تعالیٰ اس کی تردید میں فرماتا ہے کہ یہ کسقدر احمق ہیں کیا انکو یہ نہیں معلوم کہ خدا تعالیٰ انکے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔

مقصود بیان:۔ یہودیوں کے ایک خاص گروہ کے نفاق اور حماقت کا بیان۔ توراۃ میں تحامد محمدی موجود ہونے کی طرف ایک لطیف اشارہ خدا کے علم کی وسعت اور اُس کے

عالم الغیب ہونے کا ثبوت۔ وغیرہ۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَ

اور کچھ لوگ ان میں سے اَن پڑھ ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کی سوائے آرزوؤں کے اور

إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ○ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ

یہ اُن کا خیال ہی خیال ہے تو بڑی خرابی ہے اُن لوگوں کیلئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب

بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا

لکھتے ہیں پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں سے ہے تاکہ لیویں اسکے ذریعہ سے تھوڑے سے دام

قَلِيلًا ۚ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ○

سو بڑی خرابی ہے اُن کیلئے اُن کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے کی اور بڑی خرابی ہے ان کے واسطے انکی کمائی سے

تفسیر

یہود چونکہ پیروں اور پیغمبروں کی اولاد تھے اس لئے خداتعالیٰ کے ساتھ اپنی خصوصیت ظاہر کرتے تھے کبھی کہتے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور کبھی کہتے کہ سوا چند روز کے یعنی جتنے دنوں ہم نے گوسالہ پرستی کی اُس کے علاوہ ہم کو دوزخ کی آگ مَس بھی نہ کریگی کبھی کہتے کہ جنت ہمارے باپ دادا کی میراث ہے ہمارے سوا اُس میں کوئی نہیں جائیگا ان خود تراشیدہ باتوں پر اُنکی خوش فہمیوں پر ناخواندہ عوام پھولے نہیں سماتے تھے اُن کی حماقت ظاہر کرنے کو خداتعالیٰ نے وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ نازل فرمایا لیکن جو لوگ پڑھے لکھے مذہبی عالم تھے اُنکی کیفیت ہی عجیب تھی۔ انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ توراۃ میں اس طرح لکھا دیکھا تھا کہ نبی آخر الزماں کی آنکھیں سرمگیں، بال گھونگریالے، قد میانہ اور صورت نہایت دلکش ہوگی۔ ان علماء نے حسد کی وجہ سے اسکو مٹا دیا اور لکھا کہ نبی آخر الزماں

کا قد لمبا، آنکھیں نیلی، اور بال سیدھے ہوں گے انکے متعلق خدا تعالیٰ نے فَوَیْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ نازل فرمایا۔

آیات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے جو لوگ بے پڑھے لکھے ہیں اور علم سے واقف نہیں انکی تو یہ کیفیت ہے کہ توراۃ وغیرہ آسمانی کتب سے تو واقف نہیں ہیں کہ حقیقت کا علم ہو سکے صرف چند خیالی ڈھکوسلے اپنے دلوں میں جما رکھے ہیں مثلاً ہم خدا کے محبوب ہیں، بیٹے ہیں یا ہم ہی جنت میں جائیں گے ہمارے باپ دادا انبیاء اور پیر تھے وہ ہمکو دوزخ سے چھڑا لینگے۔ اگر ہمکو عذاب ہوا بھی تو چند روز کیلئے ہوگا۔ استحقاق نبوت ہمارے خاندان ہی کو حاصل ہے۔ باقی جو پڑھے لکھے آدمی تھے وہ اُمراء کی مرضی کے مطابق غلط مسائل اور جھوٹی روایات لکھ دیا کرتے تھے اور کہدیا کرتے تھے کہ یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے توراۃ میں موجود ہے اس ذریعہ سے انکو کچھ مالی اور مرتبہ مل جاتا تھا خدا تعالیٰ فرماتا ہے ان کے اس لکھنے پہ بھی تُف ہے اور اس کمائی پر بھی اُف ہے

مقصود بیان:۔ ولایت، نبوت، یا علم و پیشوائی خاندانی میراث نہیں ہے جنت کا کوئی ٹھیکیدار نہیں۔ خیالی ڈھکوسلے کچھ فائدہ بخش ثابت نہیں ہو سکتے۔ اُمراء کی خوشنودی کیلئے احکام الٰہی میں تحریف کرنی حرام ہے اور تحریف سے جو کمائی حاصل ہو وہ بھی حرام ہے۔

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ

اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو آگ چھوئیگی بھی نہیں بجز گنتی کے چند روز کے

قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ

آپ کہدیجئے کیا تم نے اللہ سے کوئی اقرار لیا ہے کہ وہ اپنے اقرار کے خلاف نہ کریگا

عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

یا اللہ پر (جھوٹ) بولتے ہو جو تم جانتے نہیں ہو

تفسیر

اس آیت میں پہلے مضمون کی تکمیل کی گئی ہے اور یہودیوں کے فاسد خیالات کا بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ یعنی یہودی کہتے ہیں اور انکا خیال ہے کہ اگر ہمکو آگ میں بھی گرینگے تو چند روز کیلئے جتنے دنوں ہمنے گوسالہ پرستی کی تھی یعنی چالیس روز یا سات روز۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا تم اُنسے کہدو کہ کیا تمنے خدا سے اسکا کوئی عہد لیلیا ہے کہ خدا اپنے عہد سے خلاف ورزی نہ کریگا اور تمکو باوجود کفر و شرک اور گناہوں کے عذاب نہ دیگا یا بغیر علم و دانش کے یونہی افترا بندی کرتے ہو جسکا کوئی ثبوت تمہارے پاس موجود نہیں ہے۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ

اصل بات یہ ہے کہ جو شخص گناہ کرے اور اس کے گناہ اُس کو گھیر لیں

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

تو ایسے لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہینگے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ

اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ایسے لوگ جنتی لوگ

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

جنتی ہیں وہ ہمیشہ ہمیش جنت میں رہینگے

تفسیر

اس آیت میں یہود کے خود تراشیدہ خیالات کی اور اُنکے خواص عوام کی جو بہ خود غلط بود تھے تردید ہے اور مدلل طور پر ایک کاری ضرب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:-

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓــَٔتُهٗ۔ یعنی اصل بات یہ ہے کہ جو شخص گناہ کرتا ہو اور اُسکے گناہ چاروں طرف سے اُسکو گھیر لیں کہ کسی طرف سے ایمان و اصلاح کے داخل ہونیکی جگہ نہ رہے اور دل سیاہ ہو کر بالکل بند ہو جائے تو فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ایسے لوگ دائمی جہنمی ہیں ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہینگے ابن عباس، مجاہد، ابو وائل، ابو العالیہ، حسن، قتادہ اور ربیع بن انس وغیرہ کا قول ہے کہ آیت میں خطیئہ سے مراد شرک ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ہاں جو لوگ

سچے مؤمن ہیں اور اُنکے اعمال بھی اچھے ہیں وہ ضرور جنت میں جائینگے اور ہمیشہ وہاں رہینگے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ کوئی ہو مشرک کافر عذاب میں مبتلا ہوگا اور مؤمن فرماں بردار جنت میں جائینگے۔

مقصود بیان :۔ مشرک کا دائمی جہنمی ہونا اور مؤمن صالح کا ہمیشہ کیلئے جنتی ہونا آیت سے ثابت ہے کفر و شرک اور معاصی سے ترہیب ہے اور ایمان و اصلاح عمل کی طرف ترغیب ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ

اور (یاد کرو) جب ہم نے اقرار لیا بنی اسرائیل سے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ

اور ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنا اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھی

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

اور لوگوں سے نیک بات کہنا　اور　نماز پڑھنا　اور زکوٰۃ دینا

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنكُمْ وَأَنتُم مُّعْرِضُونَ

پھر تم سب پھر گئے سوائے تھوڑے آدمیوں کے تم میں سے اور تم ہو ہی پھر جانے والے

تفسیر یہاں سے چند آیات تک خدا تعالیٰ یہود کے اُس خیال فاسد کی تردید فرماتا ہے جو اُنکے لئے گمراہ کن تھا کہ صرف چند روز کیلئے ہم دوزخ میں رہیں گے اور اس زعم فاسد کی تردید مدلل طور پر آیت میں کیگئی ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تورات میں تم سے عہد لیا تھا کہ تم حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرو گے، فرائض لسانی اور فرائض جسمانی بھی پورے پورے طور پر بجا لاؤ گے یعنی سوائے خدا کے کسی کی پرستش نہ کرو گے، والدین کے ساتھ قرابت والوں کے ساتھ بیکسوں اور یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور عام لوگوں سے اچھی بات کہو گے نرمی سے اُن سے کلام کرو گے اور اُن کے فائدہ کی بات کہو گے اور نماز و زکوٰۃ ٹھیک ٹھیک ادا کرو گے لیکن بجز

تھوڑے سے لوگوں کے تم نے اس عہد کو توڑ دیا منہ موڑ کر چل دیئے میثاق سے خلاف ورزی کی اور جو شخص ایسا مضبوط عہد توڑے گا وہ ہمیشہ جہنم میں ہی پڑا رہے گا۔

مقصود بیان۔ آیت کے تفصیلی مضامین تو ظاہر ہی ہیں اجمالی صورت میں خدا تعالیٰ فرائض خلق و فرائض خالق کی ادائیگی کی تعلیم دینی چاہتا ہے۔ شرک کی ممانعت، والدین سے حسن سلوک، اقارب کی پرورش یتیموں اور غریبوں کی ہمدردی کا حکم دیتا ہے۔ نماز اور روزہ کا [illegible]

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا

اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے اقرار لیا کہ آپس میں خون نہ بہانا اور

تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ

جلاوطن نہ کرنا اپنوں کو اپنے گھروں سے پھر تم نے اقرار کیا اور تم

تَشْهَدُونَ ۝ ثُمَّ أَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ

گواہ ہو پھر وہی تم ہو کہ آپس میں خون کرتے ہو

وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُونَ

اور اپنے ایک فریق کو ان کے گھروں سے نکال دیتے ہو ان کے مقابلہ

عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ

میں ایک دوسرے کی گناہ اور ظلم کے ساتھ مدد کرتے ہو اور اگر وہی لوگ تمہارے پاس قید

تُفَادُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ أَفَتُؤْمِنُونَ

ہو کر آئیں تو عوض دیکر چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کا نکالنا ہی حرام کیا گیا تھا تو کیا تم کتاب

بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ

کی بعض بات کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو پس کوئی سزا نہیں ایسے شخص کی

يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

جو تم میں سے ایسا کرے بجز رسوائی کے دنیوی زندگی میں

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ

اور قیامت کے دن لوٹا دیے جائینگے سخت سے سخت عذاب کی طرف

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ

اور اللہ بے خبر نہیں ہے اُس سے جو تم کرتے ہو یہی لوگ ہیں جنہوں نے

اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ

دنیوی زندگی کو آخرت کے بدلے میں خرید لیا تو نہ تو اُن سے

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ اُن کو مدد دی جاویگی

تفسیر

رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہودی مدینہ میں رہتے تھے۔ وہ پہلی آیت کے مضمون کے متعلق کہتے تھے کہ یہ بُرائیاں تو ہمارے بزرگوں کی ہیں ہم بنی یعقوب ہیں اُن سے بڑے ہیں اسلیئے ہمکو آتش دوزخ صرف چند روز کیلئے چھوئیگی پھر ہم الگ چھوٹ جائیں گے انکے اس خیال کی تردید خداوند تعالیٰ ان آیات میں کرتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے توریت میں قول و قرار لیا تھا کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا کسی کو جلا وطن نہ کرنا اور اگر اپنی قوم میں سے کسی کو کسی کا غلام یا باندی یا دوسرے کا قیدی پاؤ تو عوض دیکر چھڑا لینا اسکے بعد بنی قریظہ جو یہود کا ایک فرقہ تھا قبیلہ اوس کا حلیف ہوگیا تھا کہ وقت پر ہم تمہاری مدد کرینگے اور دوسرے قبیلہ یعنی بنی نضیر نے خزرج سے ایسا ہی معاہدہ کر لیا تھا اب جس وقت اوس خزرج میں لڑائی

ہوئی تو بنو قریظہ اور بنو نضیر اپنے اپنے حلیفوں کی امداد کرتے تھے اور انکے ساتھ ملکر اپنے ہی بھائی
بندوں کو قتل کرتے تھے اور جب ایک فرقہ دوسرے فرقہ پر غالب آتا تو اسکے گھروں کو مسمار کر دیتا آبادی
کو ویران اور باشندوں کو جلاوطن کر دیتا تھا لیکن اگر کوئی ہم قوم گرفتار ہو کر آتا تو سب جمع ہو کر فدیہ
سے اسکو رہا کرا لیتے تھے۔ اگر کوئی کہتا کہ تم عوض دیکر کیوں رہا کراتے ہو؟ تو کہتے کہ اللہ سے ہمارا قول و
قرار یہی ہے لیکن جب ان سے دریافت کیا جاتا کہ لڑتے کیوں ہو جلاوطن کیوں کرتے ہو اور آبادیاں
کیوں ویران کرتے ہو؟ تو کہتے کہ ہم سے ان لوگوں کی ذلت نہیں دیکھی جاتی جن سے ہم معاہدہ کر چکے ہیں
غرض چار احکام میں سے ایک حکم یعنی قیدی کے رہائی کے حکم کو مانتے تھے باقی تین احکام کی خلاف
ورزی کرتے تھے اور قول و قرار کے خلاف ایک دوسرے کو ہلاک کرتے جلاوطن کرتے اور بھائی بندوں
کے مقابلہ میں دوسروں کی مدد کرتے تھے، اسی تفصیل کی طرف آیات میں اشارہ ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ یعنی تم کو نسے اچھے ہو اس وقت کو
یاد کرو جبکہ تمہارے اسلاف سے بھی عہد لیا تھا کہ آپس کے لوگوں کا خون نہ بہائینگے اور انکو انکے
گھروں سے نکال کر باہر نہ کرینگے اور تمہارے اسلاف نے اسکا اقرار کیا تھا اور اس عہد کو مانا تھا اور تم
بھی اس بات کو دل سے حق جانتے ہو کہ تمہارے بزرگوں سے یہ عہد لیا گیا تھا لیکن اب تم کو اس قول و
اقرار کے بعد کیا ہو گیا ہے کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے اور انکو جلاوطن کرتے ہو اور اپنی ہی
قوم والوں پر چڑھائی کرتے ہو انکے مقابلہ میں غیروں کو مدد دیتے ہو اور توریت کے احکام کی خلاف
ورزی کر کے گناہ میں مبتلا ہوتے ہو اور ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہو حالانکہ بھائی بندوں کو قتل
کرنا اور جلاوطن کرنا تمہارے لیے توراۃ میں حرام کر دیا گیا تھا۔ ہاں اگر تمہارے پاس
وہ لوگ قیدی بنا کر لائے جاتے ہیں تو فدیہ دیکر تم ان کو رہا کراتے ہو تو کیا توریت کے بعض احکام
کو تم مانتے ہو اور بعض سے سرتابی کرتے ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم انکے منکر ہو فدیہ دیکر رہا کرانے کا
حکم تو مانتے ہو اور باقی تینوں احکام کو غلط جانتے ہو پس ایسے لوگوں کی تو یہی سزا ہے کہ اس دنیوی
زندگی میں ان کو رسوائی اور ذلت ہو اور فقط دنیوی ذلت ہی کفایت نہ کی جائے بلکہ قیامت کے دن
سخت ترین عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔ قرآن کا یہ حکم یا پیشین گوئی پوری ہوئی۔ بنو قریظہ تو نہایت
ذلت کے ساتھ قتل کئے گئے اور قبیلہ اوس ہی نے جو انکا حلیف تھا انکو قتل کیا باقی بنو نضیر اور

قینقاع کو ملک شام کی طرف جلا وطن کیا گیا) خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ تمہارے کرتوت سے غافل نہیں ہے تمام باتوں کا اسکو علم ہے ہاں اُسنے کافروں کیلئے مہلت دے رکھی ہے۔

اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الخ اس آیت میں خدا تعالیٰ تمام یہودیوں کی بلکہ تمام سلف و خلف کی طرف متوجہ ہو کر فرماتا ہے کہ یہ تمام فرقہ ہی ایسا ہے۔ انہوں نے آخرت کی کچھ پرواہ نہ کی اور اس جہاں کے عیش و آرام کے حاصل کرنے کے بدلے میں دنیاء فانی کو حاصل کرنا مقدم سمجھا اسلئے یہ ہمیشہ عذاب میں رہینگے نہ اُنکے عذاب میں کسی قسم کی تخفیف ہوگی اور نہ کوئی اُنکی مدد کریگا۔

مقصود بیان: حب الوطنی اور محبت قومی کی تعلیم۔ اپنی قوم کے خلاف غیروں کی مدد دینے کی ممانعت۔ خونریزی اور جلاوطن کرنیکی حرمت اپنی قوم کے خلاف جتھہ بندی کرنے اور اُنکو قتل و جلاوطن کرنے پر تنبیہ و تہدید ہم قوم قیدیوں غلاموں اور باندیوں کو عوض دیکر رہا کرانے کی بہترین تبلیغ۔ اس امر کی طرف ایک لطیف اور دقیق ترین اشارہ کہ جو شخص قوم کی غداری کرتا ہے غیروں کو اپنی قوم کیخلاف مدد دیتا ہے اُسکو علاوہ عذاب آخرت کے دنیوی رسوائی اور ذلت سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے اخروی زندگی پر اس فانی زندگی اور اسباب زندگی کو ترجیح دینے والے عذاب میں مبتلا ہونگے وغیرہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اُن کے بعد ہم نے متواتر

بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو معجزات دیئے

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ

اور روح پاک (جبرئیل) سے ہم نے اُن کو مدد دی تو کیا جب کبھی تمہارے پاس

رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ

کوئی رسول تمہاری خواہش کے خلاف کوئی حکم لیکر آیا تو تم نے تکبر اور اعراض کیا

فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ○

ایک فریق کو جھٹلایا اور ایک فریق کو قتل کر ڈالتے تھے

تفسیر انسان کو خدا نے دو قوتیں یعنی نظری و عملی عطا فرمائی ہیں۔ انہی دونوں قوتوں کی اصلاح سے نجات ابدی وابستہ ہے گذشتہ آیات تک تو بنی اسرائیل کی وہ خرابیاں بیان کی گئی تھیں جو قوت عملیہ سے تعلق رکھتی تھیں مثلاً آزار رساں ورا جنبیوں کے حقوق اللہ ادا کرنا اس قوت کی خرابی اور فساد سے انسان بہت زیادہ گنہگار ہوتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا اسلئے گذشتہ آیات کے بعد بھی بنی اسرائیل کے اس دعوی کا کامل ابطال نہیں ہوا تھا کہ ہم چند روز سے زائد دوزخ میں نہیں رہ سکتے اب اس آیت میں کامل طور پر انکے باطل دعوی کی تردید کر دی کیونکہ قوت نظری کی مکمل خرابی یہ ہے کہ انبیاء کی تکذیب کی جائے انکو قتل کیا جائے اور جو احکام مرضی کے خلاف ہوں انکو متکبرانہ انداز میں ٹھکرا دیا جائے چنانچہ اسی مطلب کی وضاحت کیلئے ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ یعنی ہم نے موسیٰ کو توریت عطا کی لیکن جب یہودیوں نے اسکے احکام کی خلاف ورزی کی اور اپنی خواہشات کے موافق اسمیں تحریف و تبدیل کر لی تو ہم نے موسیٰؑ کے بعد متواتر انبیاء بھیجے جو احکام توریت کی پابندی کرتے تھے اور یہ انبیاء موسیٰؑ کے قدم بقدم چلے آتے تھے لیکن بالآخر یہودیوں نے انبیاء کو قتل کرنا شروع کیا اور توریت میں پھر تحریف کرنے لگے تو اس وقت اخیر میں وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور انجیل دیکر توریت کے بعض احکام مثل جہاد و حرمت گوشت شتر و شراب وغیرہ کو منسوخ کیا لیکن چونکہ انکے ماننے کے واسطے معجزات کی بھی ضرورت تھی اسلئے خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو معجزات بھی دیئے اور روح القدس کو انکی امداد پر مقرر کیا (روح القدس سے مراد بعض کے نزدیک حضرت جبرئیلؑ بعض کے نزدیک انجیل اور بعض کے نزدیک خود حضرت عیسیٰؑ کی روح مقدس ہے) لیکن یہودی سرکشی سے باز نہ آئے حضرت زکریا و یحییٰؑ کے قتل کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے جانی دشمن بن گئے اور انجیل و توریت میں مرضی کے خلاف جو احکام تھے ان کو تحریف کر دیا۔ انبیاء کی بے ادبی کی۔ ان پر تشنیع کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے

اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ الخ ان یہودیوں کی عجیب حالت ہے جب بھی کوئی رسول انکی مرضی کے خلاف احکام الٰہی لایا۔ انہوں نے متکبرانہ انداز میں اس سے اعراض کیا اور اخیر میں انبیاء کے ایک فرقہ کو تو قتل کر ڈالا اور دوسرے فریق کی تکذیب کی۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدا نے موسیٰؑ کو توراۃ عطا کی اور وقتاً فوقتاً دین موسوی کی اصلاح کے لئے پے درپے انبیاء بھیجے۔ اخیر میں عیسیٰؑ کو کھلے کھلے معجزات دیکر بھیجا لیکن یہود کی خباثت پھر بھی نہ گئی یہاں تک کہ جب کسی رسول نے انکی مرضی کے خلاف کوئی حکم دیا تو سرکشی کر کے ٹال دیا اور اسپر بھی بس نہ کیا بلکہ بہت سے انبیاء کو تو جھٹلایا اور بہت کو ناحق قتل کر دیا۔ اور اسکے باوجود محبت الٰہی اور نجات ابدی کے دعویدار بنے رہے۔

مقصود بیان: موسیٰ کو توریت دیگئی۔ توریت کی تائید کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء بھیجے۔ حضرت عیسیٰؑ کی تائید روح مقدس سے کی گئی یہودی غرور کے ساتھ احکام انبیاء کی خلاف ورزی کرتے تھے بہت سے انبیاء کو انہوں نے قتل کر دیا تھا۔ توریت میں تحریف کرتے تھے۔ وغیرہ۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ

اور کہتے ہیں ہمارے دل غلافوں میں ہیں بلکہ پھٹکار دی ہے اُن کو اللہ نے

بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ○

اُن کے کفر کے سبب سے تو بہت کم ایمان لاتے ہیں

تفسیر جبکہ قرآن مجید نے یہودیوں کے شبہات باطلہ کا بالکل استیصال کر دیا اور کوئی معقول جواب در مقابل قبول دلیل انکے پاس نہ رہی تو جاہلانہ جواب پر اتر آئے اور کہنے لگے ہم اپنے دین پر ثابت قدم ہیں آپ کی کوئی بات قبول نہ کریں گے ہمارے دلوں پر غلاف ہیں جسکے اندر خزانہ علم مخفی ہے غیر دین کی بات ہمارے دلوں میں داخل نہیں ہو سکتی اور نہ ہم کو اسکی ضرورت ہے اسکے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ غلاف ولاف کچھ نہیں ہے بلکہ انکے کفر کی وجہ سے خدا نے اُن پر لعنت اور پھٹکار کر دی ہے اسی لئے آیات الٰہی میں سے کم باتوں پر ایمان لاتے

ہیں یعنی بعض دلوں پر یہ لعنت کا حجاب نہیں ہے اسی وجہ سے یہ لوگ ایمان لے آتے ہیں اور اکثر کے دلوں پر لعنت کا حجاب ہے ۔

مقصود بیان: ۔ یہودیوں پر خدا کی لعنت ہے اور لعنت کی وجہ صرف ان کا کفر ہے ۔ وغیرہ ۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ

اور جب اُن کے پاس اللہ کے ہاں سے کتاب آ پہنچی جو تصدیق کرتی ہے اُس کتاب کی

لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى

جو اُن کے پاس ہے اور اس سے پہلے فتح طلب کیا کرتے تھے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا

کافروں پر سو جب آیا ان کے پاس جسکو پہچان رکھا تھا

كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

تو انکار کرنے لگے پس اللہ کی پھٹکار کافروں پر

تفسیر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل یہودیوں کی جب کبھی قبائل اوس وخزرج سے لڑائی ہوتی تھی اور ہزیمت نظر آتی تھی تو نبی اُمی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے اور دشمن پر فتح و غلبہ چاہتے تھے اور یہ پاک وسیلہ لاتے ہی فوراً اُن کو فتح حاصل ہو جاتی تھی اور جب حضور والا خود تشریف فرما ہوئے تو یہودی کافر ہوگئے اور ایمان نہ لائے ۔ ایک بار حضرت بشیر بن براء، داؤد بن سلمہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں سے کہا کہ یہودیو! تم تو اس سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دشمن پر فتحیاب ہونے کی دعا کیا کرتے تھے پھر اب کیا وجہ ہے کہ ایمان نہیں لاتے اسکے علاوہ ہم جب حالت

مشرکین تھے تو تم ہم سے محمد صلعم کی توصیف اور حلیۂ مبارک بیان کرتے تھے اب ذرا انصاف سے دیکھو کہ بجنسہ وہی حلیہ ہے۔ یہ سُن کر سلام بن مشکم یہودی نے جواب دیا کہ یہ وہ نہیں ہے جن کا ہم ذکر کرتے تھے اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب ان یہود کیلئے خدا کی طرف سے ایک ایسی کتاب آئی جسمیں اصول دین موسوی کی تصدیق ہے اور جو کفار مشرکین کے مقابلہ میں بمنزلہ شاہد عادل کے ہے تو یہ لوگ اُسکے منکر ہوگئے اور مزید طرفہ یہ ہوا کہ جس نبی آخر الزمان کے یہ منتظر تھے اور جسکے توسل سے کافروں کے مقابلہ میں فتحیاب ہونے کی دعائیں کیا کرتے تھے جب وہی جانا پہچانا نبی اُنکے پاس آیا تو اُس کا انکار کر بیٹھے اب ایسے انکار کرنیوالوں پر صرف اُنکے کفر کی وجہ سے خدا کی لعنت ہے۔

آیت کے اخیری ٹکڑے کے ثبوت میں مفسرین نے سلمہ بن قیس کی ایک روایت نقل کی ہے سلمہ کہتے ہیں کہ ہمارے محلہ میں ایک یہودی رہتا تھا ایکروز اُس نے ہم سے عالم آخرت کے ثواب و عذاب کا تذکرہ کیا ہم نے دلیل دریافت کی کہنے لگا عنقریب مکہ اور یمن کی طرف سے ایک نبی مبعوث ہوگا وہ اس بات کو ثابت کریگا ہم نے پوچھا وہ کب ظاہر ہوگا؟ اُس نے مجھے دیکھکر کہا کہ اگر یہ لڑکا عمر طبعی کو پہنچا تو دیکھ لیگا۔ چند روز کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کی خبر مشہور ہوئی تو ہم نے اُس یہودی سے کہا کہ اب تو ان پر ایمان کیوں نہیں لاتا؟ اُس نے شرمندہ ہوکر کہا یہ وہ شخص نہیں ہیں۔

نکات اور توضیح قصہ

محمد بن اسحاق، مجاہد اور ابوالعالیہ وغیرہ علماء نے بیان کیا ہے کہ جب توریت نازل ہوئی اور بنی اسرائیل ایمان لائے اور توریت میں حضور کو امی اور رائت محمدیہ کے فضائل پڑھے اور یثرب یعنی مدینہ کی طرف ہجرت فرما ہونے کا قصہ دیکھا تو ایماندار بنی اسرائیلیوں کو بڑا شوق ہوا جب حضرت موسیٰؑ کی وفات کے زمانۂ دراز کے بعد بخت نصر نے ملک شام کو پامال اور بیت المقدس کو ویران کر دیا تو اسرائیلیوں نے اس حادثہ میں سواد ممالک عربیہ کے کہیں دامن ملجا نہ پایا اسی طرف چلدیے اور چونکہ اسرائیلی علماء واقف تھے کہ پیغمبر آخر الزمان قصبۂ ذات النخل یعنی مدینہ میں ہجرت کے بعد تشریف لائیں گے اسلئے تلاش کرتے رہے کہ قصبۂ ذات النخل کہاں ہے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے یثرب پر گذر ہوا

تو بہیں رہ پڑے یہ لوگ ہارونی نسل کے تھے۔ ان میں سے ایک جماعت خیبر کو بھی چلی گئی تھی۔ بہت تک یہاں بڑے کروفر سے رہتے رہے۔ زمانہ دراز کے بعد یعرب بن قحطان کی اولاد میں سے قبائل اوس وخزرج جو ملک سبا کے رہنے والے تھے یثرب کو آئے اور یہودیوں پر غالب آگئے اور یہودیوں پر اس قدر مظالم کئے کہ یہودی تنگ آگئے اور مجبور ہو کر دعا کرنے لگے کہ الٰہی ہمکو پیغمبر آخرالزماں سے جلد مدد دے قبائل اوس وخزرج انکی اس دعا کو سن کر تعجب کرتے اور دریافت کرتے یہ کیا بات ہے؟ یہودی جواب دیتے کہ وہ نبی عظیم الشان ہوں گے اور ہم انکی حمایت میں تم کو ہلاک کریں گے کچھ زمانہ کے بعد قبائل اوس وخزرج میں باہم نفاق ہوا اور قریب سو برس کے باہم قتال رہا یہودیوں کے بھی دو فرقے ہو گئے۔ ایک فرقہ اوس کا مددگار بن گیا اور دوسرا خزرج کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے قریب ہی ان میں باہم ایسی خونریز جنگ ہوئی جو عرب میں اب تک یادگار ہے۔ اس جنگ کا نام یوم البعاث ہے پھر جب حضور تشریف لائے تو قبائل اوس وخزرج نے تو حضور کی تصدیق کی اور یہودی اسی عداوت کی وجہ سے کفر پر جم گئے اور فقط یہی نہیں بلکہ اوس وخزرج والوں کو بہکانا شروع کیا لیکن اُن کا اغوا رسود مند نہ ہوا اور اوس وخزرج والے انصار کے نام سے موسوم ہو گئے۔

مقصود بیان:۔ حسد وعداوت بڑی بلا ہے انسان کو جہنم میں لیجاتی ہے کتنا ہی کوئی انسان ہو اسلام اسکو مدارج عالیہ پر پہنچا دیتا ہے یہودی سخت متعصب، حاسد اور کینہ توز قوم ہے کافر خدا کی رحمت سے دور ہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور حضور کا حلیہ اسرائیلی علماء پہلے سے جانتے تھے۔ قرآن اور توریت اصول میں متحد ہیں۔ قرآن اصول توریت کی تصدیق کرتا ہے۔ وغیرہ۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا

برے مول خریدا انہوں نے جانوں اپنی کو کہ اُس کا انکار کرتے ہیں

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

جو اتارا ہے اللہ نے اس حسد میں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جس پر چاہتا ہے

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ

(اپنا فضل (وحی) نازل فرماتا ہے سو وہ غصہ پر غصہ کے

عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ

مستحق ہو گئے اور کافروں کے لئے دردناک سزا ہے

تفسیر

مجاہد کہتے ہیں کہ یہودیوں نے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو چھپایا حالانکہ اُن سے عہد لیلیا گیا تھا کہ حضور ؐ کے اوصاف ظاہر کریں مگر انہوں نے نفسانی خواہشات کی وجہ سے حق کو چھوڑ کر باطل کو اختیار کیا اور حسد و بغاوت نفس کی وجہ سے کفر پر اڑے رہے۔ ان آیات میں اسی مطلب کی وضاحت کی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔
بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ الخ یعنی خدائی احکام اور آسمانی کتاب کو چھوڑ کر اپنے نفسانی خواہشات کو جو یہودیوں نے قابل ترجیح سمجھا اور آسمانی احکام کا انکار کیا یہ بڑی بات ہے ان کے کفر کرنے اور خواہشات نفس کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اُن کو اس بات پر حسد ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے رسول اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کو نسل عربی سے پیدا کر کے اپنی رحمت نبوت اور قرآن سے کیوں سرفراز فرمایا اور بندوں میں سے اپنی مشیت کے موافق کیوں حامل رحمت کا انتخاب کیا۔ اس سرکشی حسد اور کفر کا نتیجہ یہ ہوا کہ خداوند تعالیٰ کے دوبالا غضب میں مبتلا ہو گئے شروع میں آیات الٰہی کا انہوں نے انکار کیا اور انبیاء کی تکذیب کی انکو قتل کیا اس بنا پر اُن پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔ اور کافروں کیلئے اہانت کن عذاب دُنیا و آخرت میں مقرر ہی ہے انہوں نے کفر کیا اس لئے خدا نے اُنکو ذلت و خواری میں مبتلا کیا اور آخرت میں انکے لئے عذاب مقرر کیا۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ یہود نے جو قرآن کا صرف اسوجہ سے انکار کر دیا کہ خدا تعالیٰ کیوں جسپر چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے وحی نازل کرتا ہے ہمارے خاندان میں کیوں نبی کو مبعوث نہ کیا تو ہمجی اس سعادت تجارت سے کچھ اچھا نہیں ہے انہوں نے اپنی جان اور حیات ابدی کو دیکر کفر کو لیلیا ہے

بُری بات ہے اسکے عوض ان پر دوچند غضب الٰہی نازل ہوا اور آخرت میں تو اسکا ثمرہ عذاب ہی ہے۔

مقصود بیان:- یہودی خداوند تعالیٰ سے ضد کرتے تھے خدا مختار مطلق ہے جسکو اہل اور قابل جانتا ہے اُسکو اپنے فضل و رحمت سے سرفراز فرماتا ہے اور نبی بناتا ہے۔ نبوت کسبی نہیں ہے نہ کسی کی میراث ہے نہ کسی کی خاندانی وجاہت و اعزاز کو اس میں دخل ہے یہودی دانستہ صرف ضد سے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے تھے ورنہ فی الحقیقت حضورؐ کی نبوت سے اچھی طرح واقف تھے خصوصیت کیساتھ ظالم کافروں کو جو عذاب ہوگا وہ اہانت آمیز اور ذلیل کُن ہوگا اور اس عذاب سے مقصود علاوہ جسمانی تکالیف کے ذلت و خواری بھی ہوگی۔ ہاں مسلمانوں کو جو عذاب ہوگا اُس سے مقصود مسلمانوں کی ذلت و حقارت نہ ہوگی بلکہ صرف گناہوں کی نجاست دور کرنے کے لیے اُن پر عذاب ہوگا، وغیرہ۔

مذکورہ بالا متعدد آیات میں یہ امر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہودیوں کا ایمان فی الحقیقت تورات پر بھی نہ تھا بلکہ خدا تعالیٰ کو بھی یہ لوگ نہیں پہچانتے تھے لیکن صراحۃً اس بات کو ثابت نہیں کیا گیا تھا۔ آئندہ آیات میں خدا تعالیٰ یہود کے اس دعوئ ایمان کا صراحۃً مدلل رد کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے اُتارا ہے اُسپر ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں

نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَیَکْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَہٗ

کہ ہم تو اسپر ایمان لاوینگے جو ہمپر اُتارا گیا ہے اور اسکے ماسوا کا کفر کرتے ہیں

وَھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَھُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ

حالانکہ وہ سچا ہے جو اُنکے پاس ہے اُسکی تصدیق بھی کہدو کہ پھر اللہ کے پیغمبروں

اَنْۢبِیَآءَ اللّٰہِ مِنْ قَبْلُ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

کو کیوں قتل کرتے ہو　اگر تم　ایماندار ہو

تفسیر

یہودیوں کی یہ حالت تھی کہ انکو دلی ایمان اور نفسانی دعویٰ میں امتیاز نہیں رہا تھا کیونکہ انکے دلوں پر مہر لگی ہوئی تھی اسلئے وہ قلبی التصدیق اور نور ایمان سے واقف ہی نہ تھے خیالی اقرار کو ہی ایمان سمجھتے تھے۔ حالانکہ فی الحقیقت انکا یقین وایمان دلوں میں نہ تھا بلکہ صرف اندرونی حواس تک اسکی انتہا تھی لہذا اوپر کی آیات میں خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کی عبرت کے واسطے یہودیوں کا حال بیان فرمایا جسکی تفصیل یہ ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی جب یہودیوں وغیرہ سے کہا جاتا ہے کہ جو قرآن اللہ تعالیٰ نے محمدؐ پر نازل فرمایا ہے اسکو مانو اور اسکی پیروی کرو کیونکہ یہ توریت و انجیل کی بشارت کے موافق ہے قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کتاب ہم پر نازل کی گئی ہے اسکو تو ہم مانتے ہیں یہودی کہتے ہیں کہ ہم توریت کو مانتے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں ہم انجیل کو مانتے ہیں۔ وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ اور اپنی کتاب کے علاوہ اور کتابوں سے یہ لوگ انکار کرتے ہیں یعنی یہودی اور نصرانی قرآن کو نہیں مانتے وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ حالانکہ قرآن بالکل سچا ہے واقعی خدا کی کتاب ہے کیونکہ اُن کتابوں کی اصول کے اعتبار سے تصدیق کرتا ہے جو یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس ہیں یعنی انکے انبیاء پر نازل کی گئی ہیں۔ اور جب یہ لوگ قرآن کو نہیں مانتے تو جس چیز کی قرآن تصدیق کر رہا ہے اسکو بھی نہیں مانتے پھر ان کا یہ دعویٰ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ ہمارا اپنی اپنی کتاب پر ایمان ہے کیونکہ ایمان باللہ کے واسطے یہ لازم ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اُس سبکو مانا جائے اگرچہ بعض اعمال اور جزئیات میں کتب قدیمہ پر عمل نہ کیا جائے لیکن اصول اشتراک کی وجہ سے سب کو حق مانا جائے۔ اب اگر ایسی صورت میں بھی انکو مومن ہونے کا دعویٰ ہے تو خدا تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اے نبی آپ کہدیجئے اگر تم واقعی توریت پر ایمان رکھتے ہو تو پہلے انبیاء کو تمہارے اسلاف کیوں قتل کیا کرتے تھے اور تم انکے اس فعل کو کیوں پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہو۔ اب اگر وہ جواب دیں کہ انبیاء معجزات نہیں لائے تھے کہ ہم کو انکی شناخت ہوتی۔ کیونکہ

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ

اور موسیٰ تمہارے پاس کھلی کھلی نشانیاں لیکر آئے تھے مگر پھر تم نے انکی غیر حاضری میں

مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ

بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ناحق کوش تھے اور جب ہم نے تمہارا اقرار لیا اور

رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا

تمہارے اوپر طور کو اٹھا لیا (اور کہدیا) کہ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے اسکو مضبوطی سے لو اور اسکے احکام سنو

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ

تو بولے ہم نے سن تو لیا مگر مانا نہیں بات یہی تھی کہ انکے کفر کی وجہ سے بچھڑا ان کے دلوں میں

بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

رچ گیا تھا کہدو اگر تم ایمانداری کا دعویٰ کرتے ہو تو تمہارا (یہ) ایمان تم کو برے کام سکھاتا ہے

تفسیر موسیٰ تمہارے پاس کھلے کھلے (نو) معجزات یقیناً لائے تھے لیکن انکے بعد تم نے گوسالہ کو معبود بنا لیا اور خود اپنا نقصان کیا جو قابل پرستش نہ تھا اسکی پرستش کی اور جو عبادت کے قابل تھا اسکی عبادت ترک کر دی۔ پھر گوسالہ پرستی کے بعد تمکو تنبیہ کیگئی اور توریت عطا کیگئی لیکن پھر بھی تم نے اسکے احکام کی تعمیل سے انکار کیا تو خدا تعالیٰ نے کوہ طور کو تمہارے سروں پر معلق کر دیا اور فرما دیا کہ جو احکام ہم نے تم کو عطا کئے انکو مضبوطی کے ساتھ لیلو اور سختی کے ساتھ ان پر عمل کرو احکام کو اچھی طرح سے سنو یہ عہد تم سے لیلیا لیکن یہودیوں نے کہا کہ ہم نے سن تو لیا لیکن ہم اسکو مانتے نہیں ہیں یعنی ظاہر میں تو انہوں نے کہدیا تھا کہ ہم نے سن لیا تاکہ کوہ طور انکے سروں پر سے ہٹ جائے لیکن باطن میں یہی کہا کہ ہم نہیں مانینگے کیونکہ کفر کی وجہ سے انکے دلوں میں گوسالہ کی محبت سرایت کر گئی تھی اور شراب کی طرح رگ و پے میں پھیل گئی تھی اے نبی تم ان سے کہدو کہ اگر تم ایسی حالت میں ایماندار ہو تو تمہارا یہ ایمان جس چیز کا تم کو حکم دیتا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے بلکہ باطل ہے تمہارا ایمان تمکو آیات الٰہی کے انکار انبیاء کی مخالفت اور قتل محمد صلعم کی نبوت کے انکار اور قرآن کے ساتھ کفر کرنے کا حکم دیتا ہے تو یہ حق نہیں ہے تم دعویٰ ایمان میں بالکل جھوٹے

ہو۔ تمہارے دلوں میں قطعاً ایمان نہیں ہے۔

مقصود بیان:۔ اگر قرآن پر ایمان نہ ہو تو کسی کتاب الٰہی پر ایمان نہیں کیونکہ قرآن آسمانی کتب کے اصول کی تصدیق کرتا ہے۔ قتل انبیاء کفر ہے کوئی آسمانی کتاب اسکی اجازت نہیں دیتی۔ زیادہ سرکش اور معاند انسانوں کو سختی اور زبردستی کیساتھ بھی پابند احکام بنانا جائز ہے کیونکہ انسان اور جاہل انسان بچوں کی طرح ہے اور اُسکی ضد بھی بچوں کی ہٹ سے کم نہیں جسطرح شفیق والدین در سرپرست اولاد کو زبردستی راہ راست کی ہدایت کر سکتے ہیں اسی طرح سرکش انسانوں کو سختی کیساتھ پابند شریعت بنانا جائز ہے۔ یہودی سخت منافق تھے ظاہر میں تو کہدیا کرتے تھے کہ ہم مانتے ہیں اور باطن میں وہی سرتابی کرنے کا خیال جاگزین تھا وغیرہ۔

یہود کا ایک خام خیال یہ بھی تھا کہ جنت ہمارے لئے مخصوص ہے نجات ابدی ہمارا ہی حصہ ہے سعادت اخروی ہمکو ہی حاصل ہوگی کوئی مذہب اور قوم اسمیں شریک نہیں ہو سکتا اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تورات کے ہم وزن کوئی کتاب اور موسیٰؑ کی برابر کوئی نبی نہیں ہو سکتا پھر ہم کسی اور کتاب اور نبی کو کیوں مانیں اور تورات و موسیٰؑ کے مقابلہ میں کیوں کسی کی اصل جانیں۔ یہ خیالات فاسد انسان کی ترقی اور کامیابی میں سب سے بڑھ کر سد راہ ہے اور سعادت بشری کے حق میں زہر قاتل ہے خدا تعالیٰ اسی خیال کو ذیل کی آیات میں باطل کرتا ہے اور ایک روشن دلیل بیان کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ

کہدو کہ اگر دارِ آخرت کی خوبی خدا کے ہاں تمہارے ہی لئے مخصوص ہے اور لوگوں

دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

کے لئے نہیں ہے تو مرنے کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو

تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے کہ آپ ان لوگوں سے کہدیجئے کہ اگر خدا تعالیٰ کے ہاں صرف تمہارے ہی لئے سعادت اخروی منحصر ہے اور دوسرے لوگ اس سے محروم ہیں تو تم موت کی تمنا کرو کیونکہ جسکے واسطے جنت اور سعادت اخروی یقینی ہو تو وہ ضرور موت کی تمنا کریگا اس واسطے کہ جنت کی نعمتیں لازوال اور عدیم النظیر ہیں اور وہاں کے عیش و آرام اور راحت و چین دائمی اور پائیدار ہے لہذا اُس کے حصول کی دعا کرنا اور زینۂ موت پر چڑھ کر وہاں پہنچنا ایک لازمی امر ہے۔ اسکے

بعد خداوند تعالیٰ بطور پیشین گوئی اور اظہار غیب کے یہودیوں کے انکار کو ظاہر فرماتا ہے۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

اور وہ اپنے گناہوں کے پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے کبھی موت کی آرزو نہ کرینگے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے

تفسیر یعنی جو کفر، بدکاریاں، تحریف توراۃ، قتل انبیاء، انکار قرآن، عداوت رسول اللہ صلعم، ارتداد صریح اور افعال ذمیمہ ان سے سرزد ہوئے ہیں اور انکی وجہ سے جہنم میں ان کا داخل ہونا قطعی ہے اس وجہ سے یہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کرینگے۔ ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ موت کی تمنا میں مباہلہ اور موت کیلئے دعا کرنا مراد ہے کیونکہ جب حضور انور صلعم نے یہودیوں کو دعا دی کہ آؤ موت کیلئے دعا کریں فریقین میں سے جو شخص جھوٹا ہوگا وہ ہلاک ہو جائیگا تو یہودیوں نے مہلت مانگی اور عرض کیا ابو القاسم ذرا ٹھہر جایئے ہم غور کرلیں پھر آپس میں کہنے لگے کہ تم خوب جانتے ہو کہ یہ شخص پیغمبر ہے اگر اس سے مباہلہ کیا تو سب تباہ ہو جائینگے۔ اس مشورہ کے بعد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مباہلہ سے انکار کیا اور کہنے لگے ہمارے لئے ہمارا مذہب ہے اور آپکے لئے آپکا مذہب ہے ابن عباس سے مرفوعاً مروی ہے اور سلسلہ اسانید بھی صحیح ہے کہ اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو سب مرجاتے جہاں اور جس جگہ جو یہودی ہوتا وہ اسی جگہ مرجاتا جانبر نہ ہو سکتا۔ ابن کثیر قتادہ ابو العالیہ اور ربیع بن انس وغیرہ کے نزدیک بھی آیت میں تمنائے موت سے مباہلہ اور دعائے موت مراد ہے۔

جب یہودیوں نے باوجود دعوئ ایمان کے مباہلہ سے انکار کیا تو صریح ثابت ہوگیا کہ جس چیز پر یہ ایمان و یقین کا دعویٰ کرتے ہیں درحقیقت انہیں اس کا ایمان و یقین نہیں ہے اس لیئے ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں کفر و شرک کرکے اپنے آپ کو جنت اور رضائے الٰہی سے محروم کرتے ہیں یہ لوگ درحقیقت جہنمی ہیں جنتی ہونے کا ان کا دعویٰ غلط ہے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ

اور تم سب لوگوں سے زیادہ ان کو جینے کا حریص پاؤ گے بلکہ مشرکین سے بھی

اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ

زیادہ ان میں سے ہر ایک دل سے خواہشمند ہے کہ اسکی عمر ہزار برس کی ہو حالانکہ

بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

درازی عمر اسکو عذاب سے نہیں چھڑا سکتی اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے

تفسیر یعنی یہودیوں کو تمام لوگوں سے زیادہ اس دنیوی زندگی کی آرزو ہے یہانتک کہ جو لوگ مشرک ہیں مثلاً عرب کے بت پرست ایران کے آتش پرست اور ہندوستان کے ہندو وغیرہ ابن ابی حاتم والحاکم ان سے بھی زیادہ ان کو جینے کی حرص ہے مطلب یہ ہے کہ مشرک تو آخرت کے قائل ہی نہیں اسلئے انکے لئے سعادت و فلاح صرف اسی حیات فانی سے وابستہ ہے۔ اسی بنا پر انکو دنیوی زندگی کی حرص زیادہ ہوتی ہے لیکن یہودیوں کی عجیب کیفیت ہے کہ باوجود اقرار آخرت کے اور باوجود دعوی نجات ابدی کے انکو مشرکین سے بھی زیادہ زندگی کے خواستگار رہی آرزومندی اور ہزاروں برس جینے کی حرص ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے دعوی میں جھوٹے ہیں اور انکو اپنے جہنمی ہونیکا یقین ہے ہاں یہودیوں میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ مدت طویل تک زندہ رہے لیکن یہ درازی عمر اس کو عذاب الٰہی سے رہائی نہیں دیسکتی بالآخر جہنم میں جانا ہے دنیوی لالچ کی امید اور اخروی عذاب کے خوف سے کتنے ہی یہ لوگ حیات دنیوی کے خواستگار ہیں لیکن بالآخر مر کر عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ کیونکہ خدا انکے اعمال و افعال سے بخوبی واقف ہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ یہ خدا تعالی کی طرف سے ایک پیشینگوئی ہے کہ یہ لوگ پکے دنیادار ہیں انکا دعوی زبانی ہے وہ اپنی بداعمالی کے نتیجہ بد کو خوب سمجھ رہے ہیں اسلئے وہ کبھی موت کی آرزو نہیں کریں گے بلکہ یہ تمام لوگوں سے یہانتک کہ مشرکین سے بھی زیادہ زندگی کے خواستگار اور آرزومند ہیں ہزاروں برس

جینے کی حرص کرتے ہیں کیونکہ انکے نزدیک دنیا کے آگے کسی چیز کی وقعت نہیں یہ روحانی بہرے ہیں بسبب ہیں اس جہان کی ملمع کاری پر فریفتہ ہیں۔ اخروی نجات سے قطعی مایوس ہیں اسلئے عمر طویل کے آرزومند ہیں کہ جہاں تک ہو سکے دنیاوی لذائذ و کیفیات سے بہرہ اندوز ہوتے رہیں اور جہاں تک ممکن ہو عذاب اخروی سے بچے رہیں لیکن انکی کتنی ہی عمر ہو عذاب آخرت سے بچ نہیں سکتے خدا انکی بداعمالیوں کو خوب دیکھ رہا ہے انکے کرتوت خدا سے مخفی نہیں پھر تھوڑی عمر ہو یا زیادہ انکی بداعمالی کی سزا ان کو ضرور دی جائے گی۔

فائدہ علماء محققین کے نزدیک دنیا کی محنت و مشقت یا مصیبت کے جزع فزع پر موت کی تمنا کرنا ممنوع ہے لیکن اگر شوق آخرت میں موت کی خواہش کرے یا حفاظت ایمان کیلئے مرنے کا آرزومند ہو تو جائز ہے ابن کثیر وغیرہ علماء نے یہی تحقیق کی ہے۔

مقصود بیان: موت ایک پردہ ہے جو انسان کی اس مادی زندگی اور حیات ابدی کے درمیان حائل ہے سعید روح رکھنے والے اس پردہ کے ہٹتے ہی سعادت اخروی سے ہمکنار ہو جاتے ہیں اور جو فطرتاً یا عملاً گناہگار دل رکھتے ہیں وہ اس حجاب کے دور ہونیکے بعد طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کئے جاتے ہیں یہودی نجات ابدی کے مدعی تھے لیکن جھوٹے تھے اسی لئے انکو دنیوی زندگی کی زیادہ حرص تھی یہودیوں کا ایمان روز قیامت اور اسکے حساب کتاب پر ضرور تھا اگرچہ اس انور ایمان کو دنیوی لالچ و خوف کی تاریکی نے چھپا لیا تھا۔ خدا تعالیٰ کے علم سے انسان کے اعمال کا کوئی حصہ مخفی نہیں ہے۔ وغیرہ۔

جب نعالِ قلبیہ اور گناہوں کی شامت و نحوست سے قلب پر تاریکی کا غلاف ہو جاتا ہے اور نورانی چھپ جاتا ہے تو ملک آخرت اور نعمت حقیقی کی لذت موہوم اور صرف خیالی معلوم ہونے لگتی ہے اور جسمانی کدورت بڑھ کر دنیا اور کوائف دنیا کی چاہت بڑھ جاتی ہے۔ انسان دنیا کے ہوا و ہوس اور نفس پرست انسانوں سے مانوس ہو جاتا ہے۔ انبیاء اصفیاء، علماء، ملائکہ و روحانی مخلوق سے اس کو عداوت ہو جاتی ہے کیونکہ روشنی و ظلمت اور کدورت و نورانیت میں تضاد ہے اسی لئے خبیث یہودیوں نے حضرت جبرئیل سے عداوت پیدا کر لی تھی چنانچہ اسی مناسبت سے ذیل کی آیات میں اس کا اظہار کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ

کہدو کہ جو جبریل کا دشمن ہو وہ کچھ بگاڑ نہیں سکتا جبریل نے تو خدا کے حکم سے (یہ قرآن)

بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّ

تمہارے دل میں ڈالا ہے حالانکہ یہ پہلی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور ایمان والوں کے لئے

بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ

ہدایت و خوشخبری ہے جو شخص خدا کا اور اُس کے فرشتوں کا اور اُس کے

رُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝

رسولوں کا اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہو تو بلاشبہ اللہ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے

تفسیر ان آیات کے شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے، ہم تمام روایتوں کو چھوڑ کر صرف دو روایتیں نقل کرتے ہیں۔ (۱) ابن جریر، احمد، حاکم اور طبرانی وغیرہ نے بروایت ابن عباس بیان کیا ہے کہ ایک بار کچھ یہودی عبداللہ بن صوریا کی زیر قیادت حضور والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے چار سوالات کے جواب دیجئے اگر آپ صحیح جواب دیدیں گے تو ہم ایمان لے آئیں گے پھر حال قول اقرار کے بعد ابن صوریا نے عرض کیا کہ فرمائیے سب سے پہلے حضرت یعقوب نے اپنے اوپر کس چیز کو حرام کیا تھا نبی امی جس کا ذکر توراۃ میں ہے اُس کی کیا علامت ہے پیٹ کے اندر بچہ نر اور مادہ کس طرح ہو جاتا ہے اور کیوں ہو جاتا ہے آپ کے پاس جبریل در وحی کون لاتا ہے حضور والا نے اُن سے میثاق اور اقرار ایمان لیکر ارشاد فرمایا تم کو معلوم ہے کہ حضرت یعقوب کو ایک شدید مرض لاحق ہوا تھا اور جب مرض طویل ہو گیا تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے صحت عطا فرما دیگا تو میں اپنا مرغوب ترین کھانا پینا ترک کر دونگا اور وہ غذا ہرگز نہیں کھاؤنگا جو مجھے سب سے زیادہ پسند ہے یعنی اونٹ کا گوشت اور اُس کا دودھ۔ خدا تعالیٰ نے اُن کو صحت عطا فرما دی اور انہوں نے نذر پوری کی یا تی وہ نبی امی جس کا توراۃ میں ذکر ہے اُس کے

صفات میں سے یہ بات ہوگی کہ اسکی آنکھیں سوئینگی لیکن دل بیدار رہیگا۔ نر و مادہ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ تم لوگ جانتے ہو کہ مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی رقیق اور زرد۔ ان دونوں پانیوں میں سے جو پانی غالب آجاتا ہے بچہ ویسا ہی ہوجاتا ہے۔ باقی وحی میرے پاس جبرئیل لاتے ہیں اور ہر نبی کے پاس جبرئیل ہی وحی لیکر جاتے تھے۔ یہودی بولے آپنے سب کچھ ٹھیک فرمایا لیکن جبرئیل ہمارا دشمن ہے۔ جبرئیل کے مزاج میں سختی بہت ہے وہی عذاب نازل کرتا اور لوگوں کو ہلاک کرتا ہے اگر میکائیل آپکے پاس وحی لاتے تو ہم بلا شبہ ایمان لے آتے۔ اس قصہ کے بعد آیات مذکورہ نازل ہوئیں۔

(۲) قاضی بیضاوی وغیرہ نے آیات کا شان نزول ایک یہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ یہود یوں کے مدرسہ میں تشریف لیگئے اور اُن سے جبرئیل کے متعلق کچھ استفسار کیا۔ یہودی کہنے لگے کہ جبرئیل تو ہمارا دشمن ہے ہمارے اسرار اور رازوں سے محمدؐ کو مطلع کرتا ہے اور یہی عذاب نازل کیا کرتا ہے ہاں میکائیل مرفہ الحالی اور سلامتی کا فرشتہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا اچھا خدا تعالیٰ کے نزدیک ان دونوں کا کیا مرتبہ ہے؟ یہودیوں نے جواب دیا جبرئیل خدا کے دائیں جانب ہے اور میکائیل بائیں جانب ہے اور باہم ان دونوں میں دشمنی ہے۔ فاروق اعظمؓ نے یہ سُنکر ارشاد فرمایا اگر واقعہ یہی ہے جو تم کہہ رہے ہو تو پھر ان دونوں میں دشمنی نہیں ہوسکتی۔ تم لوگ گدھوں سے بھی زیادہ بیوقوف ہو جو شخص ان دونوں میں سے کسی کا دشمن ہوگا وہ درحقیقت خدا کا دشمن ہوگا۔ یہ فرما کر حضرت عمرؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اُدھر حضرت جبرئیلؑ آیات مذکورہ لیکر پہلے سے پہنچ چکے تھے۔ حضور والا نے ارشاد فرمایا عمرؓ! تمہارے پروردگار نے تمہاری موافقت کی۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ یعنی جو شخص جبرئیلؑ کا دشمن ہو وہ اپنی عداوت میں جل مرے جبرئیلؑ کو وہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور نہ جبرئیلؑ کا کوئی ایسا جرم ہے جو عداوت انگیزی کا سبب ہو اگر اُس نے یہ قرآن تم پر نازل کیا ہے تو فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ الخ بحکم خدا نازل کیا ہے اپنی طرف سے نہیں ایجاد کیا ہے یہ کلام الٰہی ہے اور یہ کوئی نئی کتاب نہیں بلکہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اس سے گذشتہ کتابوں کی تصدیق ہوتی ہے قرآن کہتا ہے کہ انجیل توراۃ وغیرہ کتب حق تھیں اور خدا کی طرف سے نازل شدہ تھیں اور فقط یہ گذشتہ کتابوں کی تصدیق ہی نہیں کرتا بلکہ خود بھی قوانین عدل و ضوابط نجات سے پُر ہے وَهُدًى وَبُشْرَىٰ

لِلْمُؤْمِنِيْنَ جذبۂ ایمان رکھنے والوں کیلئے بشارت اور ہدایت ہے راہ رحمت دکھاتا ہے اور راہ راست
پر چلنے والوں کو جنت کی خوشخبری دیتا ہے۔ اسکے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ اس لعنت کے مصداق فقط یہودی ہی
نہیں ہیں ورنہ صرف جبرئیل کی عداوت ہی موجب پھٹکار ہے بلکہ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلّٰهِ جو شخص خدا
کا دشمن ہو اسکی ذات و صفات کا منکر ہو اسکے احکام کو نہ مانتا ہو قانون شریعت کا کفر کرتا ہو وَمَلٰٓئِكَتِهٖ
وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ اور جو شخص خدا کے فرشتوں اسکے رسولوں اور خصوصیت کیساتھ جبرئیل
و میکائیل کا دشمن ہو وہ کافر ہے اور اس کفر کا نتیجہ بد خود اسکو اٹھانا پڑے گا۔ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ
لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ کیونکہ اللہ کافروں کا دشمن ہے کافروں کو انکی دشمنی کی سزا دینے والا ہے خلاصہ مطلب
یہ ہے کہ جبرئیل جو کچھ کرتا ہے حکم الٰہی سے کرتا ہے اس نے قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر
بحکم خدا نازل کیا ہے اب جو اسکا دشمن ہے خدا کا دشمن ہے۔ اسکے علاوہ تمکو خود قرآن پر غور کرنا چاہئے
غور کرنے کے بعد کوئی صحیح دماغ اور روشن حواس رکھنے والا انسان اسکا منکر نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن
تمام گذشتہ کتب الہامی کی تصدیق کرتا ہے اسکے اصول اور قوانین حرف بحرف دیگر کتب الہامیہ کے
موافق ہیں اسلئے جو لوگ انبیاء کے پیرو ہیں وہ کسی طرح اسکا انکار نہیں کر سکتے کیونکہ اسکا انکار
درحقیقت ان کا انکار ہے باقی جو لوگ کسی سابق نبی یا گذشتہ کتاب کے مقلد نہیں ہیں بلکہ یہ کتاب مصالح
دینی، فوائد دنیوی اور سعادت انسانی کا مجموعہ ہو اسکو ماننے والے ہیں تو وہ بھی قرآن کا انکار نہیں
کر سکتے کیونکہ قرآن وادی جہالت میں بھٹکنے والوں کیلئے ہدایت ہے۔ افراط و تفریط سے بچے ہوئے
انسان کو نکال کر اعتدال کا راستہ بتاتا ہے اور سعادت دارین سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ مزید براں جو فرقہ
اہل ایمان ہے انکار و کفر کے داغ انکے نورانی دل پر نہیں لگے ہیں تو انکے لئے یہ قرآن باعث بشارت ہے۔
اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص خدا کی ذات صفات کا منکر ہو یا اس
کے فرشتوں اور رسولوں کو نہ مانتا ہو خصوصاً جسکو مقرب ترین فرشتوں یعنی جبرئیل و میکائیل سے
دشمنی ہو تو وہ یقیناً کافر ہے اور کافر کا ٹھکانا کہیں نہیں نہ اسکو سعادت دارین حاصل ہو سکتی
ہے کیونکہ خدا کافروں کا دشمن ہے۔

مقصود بیان: قرآن تین فرقوں کے نزدیک واجب التسلیم ہونا چاہئے (۱) وہ جو لوگ کسی
آسمانی کتاب کو مانتے ہوں اور اسکے اوامر و احکام کی تقلید کرتے ہوں (۲) جو لوگ کسی آسمانی کتاب

کو اندھا دھند نہیں مانتے بلکہ ہر قانون اور ہر کتاب کو عقل کی روشنی میں دیکھتے ہیں یعنی حسن ظن نہیں بلکہ تنقید اور تبصرہ کا مادہ بھی اُن میں ہے۔ (۳) جو لوگ ایمان لا چکے ہیں خدا سے محبت رکھتے ہیں لیکن اطمینان بخش اور تسلی خیز باتوں کے خواستگار ہیں۔ ان تینوں فرقوں کو قرآن گمراہی سے نکال کر ہدایت کی سطح پر لاتا ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں کو خوشنودی الٰہی کی خوشخبری دیتا ہے۔ آیات سے امور ذیل پر بھی روشنی پڑتی ہے جس شخص کی فطرت جذبۂ ایمان سے خالی ہے اُسکو قرآن سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا اور نہ قرآن اُس کی سعادت کا ذمہ دار ہے کسی ایک فرشتہ یا ایک کتاب الٰہی یا ایک پیغمبر برحق کا انکار کل کا انکار ہے اور یہ صریح کفر ہے عقل انسانی ہدایت اور حصول سعادت کے لئے ناکافی ہے بغیر کتاب الٰہی کے کسی کو نجات کا صحیح اور کامل راستہ نہیں مل سکتا۔ وغیرہ۔

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا

اور ہم نے تمہارے پاس کھلی ہوئی آیات بھیجی ہیں اور سرکشوں کے سوا کوئی اُن کا

إِلَّا الْفَاسِقُونَ ○ أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَبَذَهُ

انکار نہیں کرتا کیا یہ لوگ جب کوئی قول و قرار کرینگے تو ان میں کا کوئی نہ کوئی فریق

فَرِيقٌ مِنْهُمْ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ○ وَلَمَّا

اُس قول و قرار کو پھینک دیگا (ایک فریق نہیں) بلکہ انہیں کے اکثر بے ایمان ہیں اور جب

جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ

ان کے پاس خدا کی طرف سے رسول آیا جو ان کی کتاب کی بھی تصدیق کرتا ہے

نَبَذَ فَرِيقٌ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ

تو ان اہل کتاب کے ایک گروہ نے کتاب اللہ کو اس طرح پس پشت پھینک دیا

وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

گویا اُن کو کچھ خبر ہی نہیں ہے

تفسیر

علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ ابن صوریا یہودی نے جو فدک کا رہنے والا تھا اور یہودیوں میں بڑا عالم تھا حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا محمدؐ تمہاری جو نشانیاں ہمکو معلوم تھیں اُن میں سے کوئی نشانی بھی تم میں نہیں پائی جاتی اور نہ خدا نے تمہارے نبی ہونے کی کوئی دلیل بیان کی اسکی تردید میں آیات مذکورہ نازل ہوئیں

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الخ یعنی ہم نے تم پر کھلی ہوئی اور واضح آیات نازل کی ہیں پڑھنے والوں کے لئے اُن سے تمہاری نبوت کا واضح ثبوت ہوتا ہے کیونکہ ایک اُمّی شخص جب توریت و انجیل کا لب اللباب بیان کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی معرفت کے اسرار و حقائق ظاہر کرتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت نبوت ہو سکتا ہے وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ سوائے ان نافرمانوں کے ان آیات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا جو لوگ طاعت الٰہی اور حد ایمان سے خارج ہیں اور اُنکی عادت ہی یہ ہے وہی لوگ ان واضح نشانیوں کا انکار کر سکتے ہیں اور یہ یہودی چونکہ نافرمان اور حد ایمان سے خارج ہیں اس لئے یہ منکر ہیں اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا ۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ تک کیونکہ یہودیوں نے جب معرفت الٰہی اور پابندی شریعت کا کوئی عہد باندھا تو ایک فریق نے ضرور اُسکی خلاف ورزی کی اور میثاق و معاہدہ کو پس پشت ڈالدیا بلکہ ایک فریق پر ہی کیا منحصر ہے ان میں سے اکثر مومن نہیں ہیں عہد کر کے اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

سدی کہتے ہیں کہ یہودیوں نے جب توریت اور قرآن کو ایک دوسرے کے موافق پایا تو توریت کے احکام کو بھی ترک کر دیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ انہوں نے اپنی کتاب پر بھی ایمان چھوڑ دیا ہے اسی کے بیان کیلئے ذیل کی آیات نازل ہوئیں۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ الخ یعنی اہل کتاب کی سرتابی اور نقض عہد کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اُنکے پاس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور توراۃ وغیرہ کی تصدیق کی تو اہل کتاب نے اپنی کتاب کو بھی پس پشت پھینکدیا اور اُسکے احکام کے بھی پابند نہ رہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکو توراۃ وغیرہ کے الہامی ہونے کا بھی علم نہیں ہے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ قرآن کے انکار کیلئے یہ عذر پیش کرنا کہ چونکہ اسکو جبرئیل لائے ہیں اسلئے ہم اسکو تسلیم نہیں کر سکتے سراسر بارد عذر ہے ۔ کیونکہ بصیرت کوش دماغ اور بصر اندوز آنکھیں رکھنے والوں کیلئے اسمیں بالکل واضح اور کھلی ہوئی نشانیاں نبوت کی موجود ہیں کوئی ایسی بات ایسی نہیں کہ صحیح حواس رکھنے والا اُسکا انکار کر سکے ۔ ہاں جسکی عادت ہی نافرمانی کی چلی آتی ہے وہ ضرور انکار کرتا ہے اور یہودیوں کی چونکہ نافرمانی کی عادت ہے اسلئے یہ انکار کرتے ہیں اسکا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے جب کبھی احکام الٰہی پر پابند رہنے کا معاہدہ کیا ہمیشہ اُسکی خلاف ورزی کی اور سب سے بڑھ کر اُنکے نقض معاہدہ کا ثبوت یہ ہے کہ جب انہی کی کتاب کی تصدیق رسول نے کی اور اُنہی اصول و کلیات کی ان کو تعلیم دی جو تورات میں موجود ہیں تو انہوں نے تورات پر بھی عمل ترک کر دیا ۔

مقصود بیان) :۔ قرآن اور دیگر معجزات ثبوت نبوت کیلئے کھلی ہوئی نشانیاں ہیں معجزہ نبوت کو ثابت کرتا ہے اور سوائے اُس شخص کے جو حد شرع سے خارج ہو کوئی معجزہ کا انکار نہیں کر سکتا یہودی ہمیشہ عہد الٰہی کی خلاف ورزی کرتے تھے قرآن توریت وغیرہ کے اصول کی تائید کرتا ہے عہد الٰہی کی شکست حرام ہے وغیرہ ۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَ

اور اُس چیز کے پیچھے پڑ گئے جو سلیمان کے عہد میں شیطان پڑھا پڑھایا کرتے تھے اور

مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ

(اُس زمانہ میں بھی) سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا بلکہ شیطانوں نے کفر کیا تھا جو لوگوں کو جادو

النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ

سکھایا کرتے تھے اور اس چیز کے پیچھے پڑ گئے جو بابل میں ہاروت ماروت دو فرشتوں پر

هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى

اتارا گیا تھا حالانکہ ہاروت ماروت اُس وقت تک کسی کو کچھ نہ سکھلاتے تھے جب تک

يَقُولَآ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا

یہ نہ کہدیتے تھے کہ ہم تو صرف آزمائش کیلئے ہیں تم کافر نہ بن جانا مگر لوگ ان سے ایسی باتیں سیکھتے تھے

مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُمْ بِضَآرِّينَ

جن سے میاں بی بی میں تفریق ڈال دیں حالانکہ بغیر حکم خدا کے وہ اس جادو سے کسی کو کچھ ضرر

بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ

نہیں پہنچا سکتے تھے اور ایسی باتیں بھی سیکھتے تھے جو ان کو ضرر رساں تھیں

لَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ

مفید نہ تھیں اور وہ جان چکے تھے کہ جو اس کا خریدار ہو اس کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں

خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ

ہے اور جس مول پر انھوں نے اپنی جانوں کو بیچا وہ بہت برا ہے کاش ان کو سمجھ ہوتی

تفسیر

ابن کثیر نے بروایت سدی ان آیات کے شان نزول کے متعلق ایک تفصیلی قصہ لکھا ہے جسکو مختصر کرکے ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں ابن کثیر کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیطان حسب معمول آسمان تک چڑھ جاتے اور فرشتوں میں باہم احکام الٰہی کا تذکرہ جو ہوتا تھا اسکو غور سے سنتے تھے اور جب انکو معلوم ہوجاتا کہ فلاں تاریخ فلاں وقت یہ حادثہ ہوگا تو نیچے واپس آکر اپنے اطاعت شعاروں یعنی انسان نما شیطانوں کے دلوں میں ان تمام واقعات کا الہام والقاء کردیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کو کاہن کہا جاتا تھا۔ کاہن کو اگر ایک واقعہ القائی صورت میں معلوم ہوتا تو وہ اسکے ساتھ دس جھوٹ ملاکر لوگوں سے بیان کرتا اور لوگ ان باتوں کو اپنی کتابوں اور بیاضوں میں لکھ لیتے رفتہ رفتہ بنی اسرائیل میں اس بات نے اعتقادی شکل قبول کرلی کہ

شیطان یعنی جنات غیب جانتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس قسم کی
سب بیاضوں کو جمع کرا کے ایک صندوق میں رکھ کے اپنے تخت کے نیچے دفن کرا دیا اور لوگوں میں اس طرح
کی کفر آمیز باتیں کہنے کی تہ۔ دی ممانعت کرا دی حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد شیطانوں نے جاہلوں کو
ورغلایا اور دفن شدہ کتابیں نکلوا کر کہا انہی کتابوں کی بدولت حضرت سلیمان علیہ السلام جن و انس پر حکومت
کرتے تھے درحقیقت نبی نہ تھے بلکہ جادوگر تھے اور جادو سے ہی انہوں نے سب کو مسخر کر رکھا تھا۔ بنی
اسرائیل نے اُن کتابوں کو مطالعہ کر کے کفریات کی پیروی کی اور برابر حضرت سلیمان علیہ السلام کو جادوگر جانتے رہے
جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو سرکار رسالت نے زمرۂ انبیاء میں
داخل کیا تو یہودی کہنے لگے دیکھو یہ سلیمان علیہ السلام کو انبیاء کی فہرست میں شمار کرتے ہیں حالانکہ سلیمان
جادوگر تھے نبی نہ تھے یہود کے اس خیال کی تردید مذکورہ آیات میں خدا تعالیٰ نے فرما دی۔ ارشاد
ہوتا ہے وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۔ یعنی بنی اسرائیل نے اُس سحر کفر
کی پیروی کی جو حضرت سلیمان کے عہدِ حکومت میں شیاطین جن و انس پڑھا کرتے تھے ہمارے
نبوت اور احکام الٰہی سے اُسکا کوئی تعلق نہ تھا صرف شیطانوں کا شائع کردہ باطل خیال تھا کہ
سلیمان جادوگر ہیں جادو کے زور سے انہوں نے سب کو مسخر کر لیا ہے وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَ
لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ حالانکہ سلیمان علیہ السلام نے کفر نہ کیا نہ سحر کے زور سے
کسی کو مسخر کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا تھا کہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے تھے اور لوگ انکی پیروی کرتے
تھے وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ اور بنی اسرائیل نے اُس سحر کی پیروی کی
جو (بطور امتحان) ہاروت و ماروت کو مقام بابل میں عطا کیا گیا تھا۔ یہ ہاروت و ماروت بہت
نیک تھے اور یہاں تک انکی نیک نیتی کی نوبت پہنچی تھی کہ لوگ انکو فرشتہ کہنے لگے تھے حالانکہ
وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ وہ دونوں فرشتہ نما انسان
جس کسی کو کلمات سحر سکھاتے تھے تو کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم خدا کی طرف سے تمہاری آزمائش کیلئے
مقرر ہیں تمکو تعلیم سحر تو دیتے ہیں مگر تم اس پر عمل نہ کرنا ورنہ کافر ہو جاؤ گے حق و باطل اور کفر و ہدایت
میں امتیاز تمکو کرنا چاہیے اگرچہ ہمارا تعلیم کردہ سحر بھی خارق عادت ہے لیکن چونکہ اسکا دارومدار
خبث نفس باطنی نجاست اور محبت شیاطین پر ہے اسلئے تمکو اس سے احتراز کرنا چاہیے اور جو تعلیم ہدایت

حاصل کرنا چاہئے جو طہارت نفس پاکیزگی روح اور نور معرفت پر مبنی ہے فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ لیکن یہ خبیث انسان اُنکی تنبیہ پر عمل نہ کرتے تھے اور ایسے ایسے خبیث عمل اُن سے سیکھتے تھے جسکے استعمال سے میاں بیوی میں تفریق ہو جائے اور فقط سیکھنے پر اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ اُسکو استعمال کر کے زوجین میں نفاق و فراق کرا دیتے تھے حالانکہ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ۔ بغیر حکم الٰہی وہ کسی کو اُس سحر سے بھی کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے جسطرح عالم محسوسات میں خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت پر تمام تصرفات موقوف رکھے ہیں اسی طرح غیر محسوسات میں بھی تاثیر اُسی کے ارادہ اور مشیت سے وابستہ ہے اگرچہ ساحر کو قدرت الٰہی نظر نہ آئے اور وہ اپنے ہی عمل کی تاثیر سمجھے وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ لیکن یہ لوگ تاثیر قدرت سے غافل تھے اور وہی باتیں سیکھتے تھے جو اُنکے لئے غیر مفید بلکہ ضرر رساں تھیں کیونکہ ساحر جبتک شیاطین سے مناسبت حاصل نہ کرے جب تک طہارت نفس مکارم اخلاق اور کرامت ظاہر و باطن کو ترک نہ کرے اور جب تک ایمان و نورِ معرفت کو اپنے سینہ سے نہ نکالدے اُسوقت تک اُسکے سحر میں تاثیر نہیں ہو سکتی اور بنی اسرائیل نے ان سب باتوں پر عمل کیا لہذا برباد ہو گئے اور سوا نقصان و ضرر کے کوئی حقیقی فائدہ حاصل نہ ہوا وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ اور ان لوگوں کو اس بات کا بھی علم تھا کہ جو شخص ایمان و ہدایت اور تعلیم کتاب الٰہی کو چھوڑ کر سحر و کفر کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور اُس پر عمل کرتا ہے اُسکے لئے آخرت میں سعادت کا کوئی حصہ نہیں ہے لیکن اُنہوں نے اس علم کے باوجود حصۂ آخرت کو چھوڑ کر حظ دنیا کو ترجیح دی اور یہ نہ سمجھے کہ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ کہ جس چیز کے عوض اپنے آپ کو خرید رہے ہیں اور جس بات کو اپنے نفس کی سعادت و فلاح کا ذریعہ سمجھے ہیں وہ بری بات ہے سعادت کا ذریعہ نہیں ہے۔

چند ہدایات:۔ بابل ضرور کسی شہر یا آبادی کا نام تھا لیکن یہ آبادی کہاں تھی؟ اسکے متعلق مورخین و مفسرین کا اختلاف ہے کوئی اس سے نصیبین مراد لیتا ہے کوئی نہاوند اور کوئی کوہ دماوند۔ ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کوفہ مراد ہے۔ ابن کثیر نے

بابل سے عراق مراد لیا ہے۔ بعض کے نزدیک بلادِ یورپ میں کوئی شہر تھا اور صحیح یہ ہے کہ بابل سے وہی بابل مراد ہے جہاں نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مقابلہ کیلئے لاٹ بنائی تھی۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ علماءِ ہیئت کے نزدیک بابل کی بلندی بحر اوقیانوس یا بحر ظلمات سے ستر درجہ ہے اور خطِ استواء سے بعد عرضی ۳۲ ہے۔

(۲) ہاروت ماروت دو فرشتے تھے یا دو انسان تھے۔ اس کا فیصلہ کسی مرفوع حدیث سے ہی تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اسکے متعلق کوئی مرفوع حدیث نہیں صرف اقوال صحابہ ہیں اور وہ اکثر اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں اس لئے کوئی قابلِ یقین نہیں۔ اکثر کتب احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہاروت ماروت دو فرشتے تھے جنکو آزمائش کیلئے انسانی جامہ میں بھیجا گیا تھا اور مادی قوتیں انکو عطا کی گئی تھیں لیکن بیضاوی وغیرہ مفسرین نے تحقیق کے ساتھ آخری فیصلہ کر دیا ہے کہ ہاروت ماروت دو شہزادے تھے جو نہایت متقی پرہیزگار خدا ترس اور صالح تھے لوگ انکی نیکی کی وجہ سے انکو فرشتے کہتے تھے یہی قول اقرب الی التحقیق ہے۔

مقصود بیان: خدا تعالیٰ کی آزمائش کا دائرہ بہت وسیع ہے، ہر صورت سے خدا امتحان کرتا ہے سحر و باطل سے بھی غیر محسوسات میں تاثیر ہو جاتی ہے۔ اگرچہ سحر سے تبدیل اعیان ناممکن ہے۔ حق و باطل اور ہدایات و ضلالت کبھی باہم متشابہ نظر آتے ہیں جن میں امتیاز کرنے کیلئے صرف اس امر کو جان لینا چاہیئے کہ کس تعلیم کا مدار طہارتِ نفس پاکیزگی روح اور مکارم اخلاق پر ہے اور کونسی تعلیم خبث طینت نجاست باطن اور گندگی روح کو چاہتی ہے اگرچہ دنیوی نتیجہ اور اشیاءِ عالم میں تصرفات کے اعتبار سے دونوں یکساں دوسرے کے مشابہ معلوم ہوں لیکن طاہر و نجس میں تفرقہ مشکل نہیں، اول تعلیم روحانی اور ربانی ہے اور دوسری ضلالت شیطانی و نفسانی ہے۔ اگر سحر میں کلماتِ کفر کی آمیزش نہ ہو اور ایمان کی روشنی گل نہ ہوتی ہو شیطان کی پرستش نہ کرنی پڑتی ہو تو ایسے سحر کا سیکھنا جائز ہے لیکن عمل کرنا حرام ہے یہودی اوراق پارینہ سے حاصل کر کے کلمہ کفر کو ہدایت تورات پر ترجیح دیتے تھے۔ وغیرہ

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ

اور اگر یہ ایمان لے آتے اور متقی بن جاتے تو ثواب ملتا جو اللہ کے نزدیک

خَيْرٌ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ ع ۱۲

بہتر ہے کاش ان کو سمجھ ہوتی

تفسیر یعنی ان لوگوں نے کفر کو اختیار کیا اور کتاب الٰہی کو پس پشت ڈالدیا لیکن اگر یہ رسول اور کتاب الٰہی پر ایمان لے آتے اور معاصی کو چھوڑ کر متقی بن جاتے تو ان کو دائمی لازوال ثواب ملتا جو بہر حال انکے کفریات اور بیہودہ لغویات سے بہتر ہے۔ ثواب الٰہی کا معمولی حصہ بھی انکے بڑے سے بڑے منافع سے افضل ہے۔ کاش انکو اس حقیقت کا پتہ ہوتا کہ ثواب الٰہی کس قدر عظیم الشان ہے۔

مقصود بیان۔ ایمان و اتقاء کی تعلیم، ترغیب ثواب، سعادت اُخروی کی فلاح دنیوی پر فضیلت وغیرہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا

مسلمانو! تم رَاعِنَا مت کہو اور

انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۗ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

اُنظُرنا کہو اور سُنیے اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے

تفسیر خطیب نے سراج المنیر میں لکھا ہے کہ مسلمان آنحضرت صلعم کی مجلس میں بیٹھ کر حضور کے نصائح و مواعظ سُنا کرتے تھے اور جب کوئی بات اچھی طرح سمجھ میں نہ آتی تھی تو عرض کرتے تھے رَاعِنَا یعنی حضور ہماری رعایت کیجئے ہم نہیں سمجھے مکرر ارشاد فرمائیے۔ یہودی بھی یہی لفظ بولتے تھے اور اس سے دوسرے معنی مراد لیتے تھے یعنی بیوقوف شیخی باز کیونکہ راعن کے معنی احمق اور شیخی باز کے ہیں اور کبھی زبان دبا کر کہتے تھے رَاعِيْنَا یعنی اے ہمارے چرواہے۔ حضرت سعدؓ اس بات کو سمجھ گئے اور کہنے لگے اے دشمنان خدا اب اگر میں نے تم سے یہ لفظ سُنا تو خدا کی قسم تم کو قتل کر ڈالونگا یہودی بولے تم لوگ خود بھی تو یہ کہتے ہو ہمارا کیا قصور ہے اسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! تم لفظ رَاعِنَا ہی کو چھوڑ دو جسکے دو معنی ہو سکتے ہیں کیونکہ اس لفظ

کے معنی اگرچہ اچھے پیرایہ میں تم مراد لیتے ہو لیکن کافروں کو اس لفظ کے دوسرے معنی میں استعمال کرنے کا موقع مل جاتا ہے لہٰذا تم یہ لفظ ہی چھوڑ دو بلکہ اسکے مرادف دوسرا لفظ یعنی اُنْظُرْنَا بولو تاکہ مطلب ادا ہو جائے اور کافروں کو کبھی بدتہذیبی کا حیلہ نہ ملے اور خوب غور کرکے دل کے کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ سُنا کرو تاکہ تم کو طلب رعایت اور تکرار کی ضرورت ہی نہ پڑے ان یہودیوں کیلئے عذاب الیم مہیا ہے انکے دلوں میں کینہ اور دشمنی پوشیدہ ہے اس لئے بدتہذیبی اور توہین رسول کے حیلے ڈھونڈھتے ہیں تم انکو بدتہذیبی کا موقعہ ہی نہ دو۔

مقصود بیان: قول و فعل میں کافروں کی مشابہت حرام ہے کافروں سے دلی دوستی ناجائز ہے کیونکہ انکے پیش نظر ہر وقت توہین اسلام ہے نبی کی توہین خواہ صراحۃً یا اشارۃً یا کنایۃً بہر صورت حرام ہے بلکہ اہل سنت کے نزدیک کفر ہے۔ آیت میں تہذیب و ادب در فوائد مجالست کی تعلیم دی گئی ہے فرق مراتب کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے۔ ابرار و صلحاء اور ائمہ و علماء کی نصیحت و فرمان کو دل کے کانوں سے سننے کی طرف بھی ایک تلمیح ہے۔ توہین کرنیوالوں کو تہدید و دھمکی بھی دی گئی ہے

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ

اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو منکر اسلام ہیں وہ پسند نہیں کرتے

اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ

کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے بھلائی (یعنی وحی) نازل کی جائے حالانکہ خدا

بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○

اپنی رحمت کے جسکو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے کیونکہ خدا بڑے فضل والا ہے

تفسیر: گذشتہ آیات میں مشابہت کفار سے منع کیا گیا تھا اس آیت میں اُس حکم کی علت بیان کی گئی ہے اور مسلمانوں کو کفار کی کینہ توزی کی اطلاع دی گئی ہے تاکہ مسلمانوں کو کفار کی مشابہت سے قطعی نفرت پیدا ہو جائے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔ دیگر مشرکین ہوں یا اہل کتاب ان میں سے کوئی نہیں چاہتا اور پسند نہیں کرتا کہ پروردگار کی طرف سے کوئی وحی یا علم دین یا نصرت و امداد

تم پر نازل ہو۔ مشرکین عرب تو وحی کے قائل نہ تھے لیکن جہالت سے حسد کرتے اور صرف جلن سے کہتے کہ بنی ہاشم میں ایک پیغمبر ہوا اور تمام عرب ہاتھ اسکی طرف پھیلے ہوں ہم اسکو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے (سیوطی) چنانچہ ابوجہل کہتا تھا کہ بنو ہاشم نے فضائل و محاسن حاصل کئے تھے لیکن ہم نے بھی کوشش کی اور کافی جدوجہد سے جب انکے درجہ پہنچے تو اب انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم میں ایک پیغمبر ہے اب تم کیسے برابری کر سکتے ہو تو واللہ ہم اس کو ہرگز نہیں مانیں گے۔ باقی اہل کتاب ضرور بعثت رسول کے منتظر تھے لیکن ان کا خیال تھا کہ نبی اسرائیلی ہوگا کیونکہ حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں برابر نبوت چلی آئی ہے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں کوئی نبی نہیں ہوا اس لئے وہ جانتے تھے کہ ہم میں ہی کوئی نبی ہوگا جب اولاد اسمٰعیل میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انکو حسد ہوا اور رشک سے شرارتیں کرنے لگے۔ خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا اپنی رحمت سے جس شخص کو چاہتا ہے نوازتا ہے کیونکہ وہ بڑے فضل والا ہے۔ خاندانی وجاہت اور نسلی امتیاز کو فضل الٰہی میں کیا دخل ہے فضل خدا میراث نہیں۔ خداتعالیٰ قادر مطلق اور حکیم ہے۔ اسکی حکمت و مشیت میں کسی کو دخل نہیں جسکو چاہتا ہے اپنی رسالت سے سرفراز کرتا ہے۔

مقصود بیان:۔ کفار و مشرکین کو مسلمانوں سے دلی عناد ہے اور انکو اسلام کے قواعد و ضوابط پر رشک ہوتا ہے۔ وحی ہو یا علم دین یا نصرت و امداد سب خداداد چیزیں ہیں نبوت وہبی چیز ہے کسب کو اسمیں دخل نہیں اتقاء و زہد اور ریاضت و عبادت سے نبوت حاصل نہیں ہو سکتی۔ خداتعالیٰ نے اپنی رحمت سے ازل میں مقدر فرما دیا تھا کہ فلاں شخص پیغمبر ہوگا اسمیں حامل رسالت ہونیکی صلاحیت ہے۔ بے ادب لوگ مدارج قرب و ادب سے بے بہرہ ہیں اور اپنی رعونت نفس سے دھوکا کھا کر نبوت کو کسبی قرار دیتے ہیں۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ

ہم جو بھی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسکو بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○

اور نازل کر دیتے ہیں کیا تم کو معلوم نہیں کہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر

یہاں سے خدا تعالیٰ یہود کے شکوک و شبہات کا جواب دیتا ہے جو وہ قرآن اور اسلام سے متعلق کرتے تھے اور اہل اسلام کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہے اور تمہاری شریعت الہامی ہے تو خیر کو منسوخ کرنے کیا معنی. خدا تعالیٰ کے احکام ہمیشہ یکساں رہتے ہیں ان میں تغیر و تبدل ناممکن ہے۔ اگر یہ شریعت و قرآن منجانب اللہ ہے تو احکام تورات وغیرہ کو اس نے کیوں منسوخ کیا اور پھر خود ہی اس شریعت کے بعض احکام کو ایک وقت نافذ کیا اور دوسرے وقت موقوف کیا. کیا خدا تعالیٰ کو پیشتر اس حکم کی قباحت کا علم نہ تھا خدا تعالیٰ نے ان شبہات کے ازالہ کے لئے آیت بالا نازل فرمائی اور ارشاد فرما دیا کہ ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یعنی اسکے حکم یا تلاوت یا حکم و تلاوت دونوں کو موقوف کرتے ہیں یا بالکل تمہارے ذہن سے اسکے الفاظ فراموش کر دیتے ہیں تو اسمیں خاص حکمت و مصلحت مضمر ہوتی ہے پہلی آیت سے زائد مفید آیت نازل کرتے ہیں اور یہ آیت ثواب میں کبھی پہلی آیت سے یا تو بڑھ کر ہوتی ہے یا اس کی مثل ہوتی ہے لیکن فوائد و مصالح کے لحاظ سے بڑھ کر ہی ہوتی ہے کیا تم واقف نہیں کہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے جب چاہتا ہے ایک حکم دیتا ہے پھر اپنی مشیت سے اس حکم کو بدل دیتا ہے اور ایسا حکم دیتا ہے جسمیں ثواب کی کثرت، فوائد کی زیادتی اور مشقت کی سہولت ہوتی ہے یا مشقت میں پہلے حکم کی برابر ہی ہوتا ہے لیکن دقائق حکمت اور تکمیل نفس کے اعتبار سے اکمل ہوتا ہے۔ لہذا خدا تعالیٰ نے پہلے تورات نازل کی پھر انجیل سے اس کے بعض احکام مثلاً جہاد، حرمت شراب وغیرہ کو منسوخ کیا پھر قرآن سے وہ احکام بھی منسوخ کرائے اور قرآن میں سے بھی جس وقت جو حکم چاہا اپنی حکمت بالغہ اور مشیت کاملہ سے منسوخ فرما دیا۔ حاصل آیت یہ ہے کہ قرآن میں جو بعض آیات کی تلاوت منسوخ ہوئی یا آیت کا حکم صرف منسوخ ہوا اور تلاوت باقی رہی یا تلاوت و حکم دونوں منسوخ کر دئے گئے یا رسول اللہ صلعم کے ذہن سے اس آیت کا حکم اور الفاظ بالکل فراموش کرا دئے گئے۔ یہ سب مصلحت پر مبنی ہے خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں اور زمانہ کی ضرورتوں کو اچھی طرح جانتا ہے جیسا وقت اور موقع دیکھتا ہے ویسا ہی حکم نازل کر دیتا ہے اور اسمیں کوئی خرابی نہیں کیونکہ اول تو قانون کی ترمیم حاکم کے اختیار میں ہے کسی دوسرے شخص کو اس پر طعن کرنے کا حق نہیں دوسرے باقتضائے زمانہ حکم کا بدلنا تو حاکم کے مدبر اور انتہائی دانا ہونے پر دلالت کرتا ہے. خدا تعالیٰ کو اپنی

مخلوقات میں تصرف کرنے کا حق ہے کسی کی مجال ہے کہ اس پر نکتہ چینی کر سکے ۔

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اس اللہ ہی کے لئے ہے

وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ○

اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی یار ہے نہ مددگار

تفسیر کیا تم کو نہیں معلوم کہ آسمان و زمین خدا ہی کا ہے خدا ہی ان کا مالک الحاکم ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے تم کو اس پر گرفت کرنے اور نکتہ چینی کو زیبا کیا حق ہے خدا تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہاری سہولت کے لئے تدریجاً اور رفتہ رفتہ احکام نازل فرمائے اگر وہ یکدم نازل فرما دیتا اور دشوار اور بار پڑ جاتا لیکن خدا نے تمہاری سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا نہیں کیا کیونکہ سوائے خدا کے تمہارا کوئی دوست و مددگار نہیں اگر وہ اپنی رحمت سے تدریجی احکام نازل نہ کرتا اور بعض احکام کو منسوخ نہ کرتا تو کون اس سے منسوخ کرا سکتا ۔

ہدایت خاص :- امام ابن جریر رح فرماتے ہیں کہ نسخ انہی آیات میں ہوا ہے جن میں امر و نہی یا کسی حکم کی حلت و حرمت کا تعلق تھا ان آیات میں نسخ نہیں ہو سکتا جن میں توحید و صفات باری تعالیٰ کا بیان، اخلاق کریمہ کی تعلیم، افعال ذمیمہ کی ممانعت، گزشتہ اقوام کی خبریں یا آئندہ واقعات کی پیشینگوئی یا احوال آخرت کی اطلاع یا وعدہ وعید کے مضامین ہیں ۔

مقصود بیان خدا کی مصلحتوں میں بندہ کو دخل نہ دینا چاہئے خدا تعالیٰ کا ہر حکم ہمارے فائدہ کیلئے ہوتا ہے ۔ خدا کی کوئی ذاتی غرض اس سے وابستہ نہیں ہے ۔ زمانہ کی ضروریات اور انسانوں کے اختلاف قابلیت کی وجہ سے نسخ ضروری چیز ہے یکدم تمام احکام کا نزول انسان کو مصیبت میں ڈال دیتا اور لشریٰ تکلیف ما لا یطاق کر دیتا ہے چونکہ تمام عالم خدا کا پیدا کیا ہوا ہے اسلئے وہ جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اور اسکی مصلحتوں کو کوئی جان نہیں سکتا اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ نکتہ چینی کرے کیونکہ اس کا حق ہے ۔

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ

کیا تم اپنے رسول سے بھی ویسے ہی (لغو) سوالات کرنا چاہتے جیسے اس سے پہلے

مِن قَبْلُ ۗ وَمَن يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ

موسیٰ سے ہو چکے ہیں اور جس نے ایمان کے عوض کفر لیا

فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ○

تو وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا

تفسیر حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کہ رافع بن حریملا اور وہب بن زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر آپ بھی موسیٰؑ کی طرح آسمانی کتاب لا دیں اور پتھر سے نہریں نکالیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئینگے۔ اسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ بعض روایات میں یہ شان نزول ہے کہ کفار قریش نے حضورؐ سے عرض کیا تھا کہ اگر آپ ہمکو اپنے خدا کو کھلم کھلا دکھا دیں اور ہم خدا کو علی الاعلان دیکھ لیں تو ایمان لے آئینگے۔ مجاہد اسدی اور قتادہ نے یہ روایت بیان کی ہے کہ کفار قریش نے حضورؐ سے یہ درخواست کی تھی کہ اس کوہ صفا کو سونے کا بنا دیجئے ارشاد فرمایا اچھا مگر شرط یہ ہے کہ جسطرح بنی اسرائیل کیلئے آسمانی مائدہ تھا۔ ایسے ہی یہ سونے کا پہاڑ تمہارے لئے ہوگا قریش نے اس سے انکار کیا اور اپنی بات سے لوٹ گئے۔ اسی وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کیا تم اپنے رسول سے بھی ویسے ہی سوال کرنے چاہتے ہو جیسے موسیٰ سے کئے گئے تھے کہ ہم کو کھلم کھلا دیدار الٰہی کرا دو ہمارے لئے پتھر سے نہریں نکال دو اور مجموعی کتاب لا دو یہ تمہارے سوالات بیہودہ اور لغو ہیں ایمان لانے اور نور معرفت حاصل کرنے کیلئے نہیں ہیں۔ تمہارا ارادہ بھی یہی ہے کہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ویسی ہی بیہودگی کرو جو تم موسیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارات نبوت اور دلائل معجزات اس بات کے واسطے قطعی آیات و علامات ہیں کہ بلا شبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر برحق ہیں یہ واضح ایمان موجود ہے تو پھر تم کفر کو ایمان کے بدلے میں کیوں چاہتے ہو۔ جو شخص ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کریگا وہ سیدھے سادے رستے سے تباہی کریگا اور گمراہ ہو جائیگا۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ

باوجودیکہ حق اُن پر ظاہر ہو چکا ہے مگر اپنے دلی حسد کی وجہ سے بہت سے اہل کتاب

إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ

دل سے خواہشمند ہیں کہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد بھی لوٹا کر تم کو کافر

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ

بتا دینے کے سو تم درگذر کرو اور خیال میں بھی نہ کرو تا وقتیکہ

يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ①

خدا اپنا حکم نہ بھیجے بلا شبہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر عکرمہ نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ حیی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب یہودیوں کو سب سے زائد عرب پر حسد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو جنکے نعوت گذشتہ کتب میں مذکور ہیں اولاد اسمٰعیلؑ میں سے مبعوث فرمایا اسلئے جہانتک ممکن تھا یہ لوگ عرب کو اسلام سے بہکاتے تھے انہی کے متعلق آیۃ مذکورہ نازل ہوئی۔ معالم التنزیل میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق ایک قصہ لکھا ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ جب جنگ احد میں مسلمانوں نے حضورؐ کی نافرمانی کر کے جسکی وجہ سے شکست پائی تو یہودیوں نے حضرت حذیفہ اور حضرت عمار کو بہکانا شروع کیا اور کہنے لگے کہ اگر تم دین برحق پر ہوتے تو کیوں شکست کھاتے اب اگر تم ہمارے دین کی طرف رجوع کرو گے تو زیادہ ہدایت پاؤ گے۔ حضرت عمار بن یاسر نے جواب دیا کہ تم لوگ واقف ہو کہ عہد شکنی کا کیا حکم ہے۔ یہودی بولے ہاں عہد توڑنیکا بڑا گناہ ہے حضرت عمار نے فرمایا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا ہے کہ جب تک زندہ ہوں تیرے دین اسلام پر قائم رہونگا اور تیرے رسول برحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پھرونگا لیکن تم لوگ بدعہد ہو کہ معاہدۂ توریت کو توڑ بیٹھے۔ اسکے بعد حضرت حذیفہ نے جواب دیا میں تو اس بات پر راضی ہو چکا کہ خدا تعالیٰ میرا رب ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسکے پیغمبر ہیں اسلام میرا دین ہے قرآن میرا پیشوا ہے کعبہ میرا قبلہ ہے مومنین میرے بھائی ہیں اور کفار میرے دشمن ہیں اسکے بعد ہر دو حضرات حضور والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کر دیا اسوقت آیۃ مذکورہ نازل ہوئی۔ ارشاد الٰہی کا حاصل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کو اگرچہ قرآن اور رسول کی حقانیت بالکل واضح

طور پر معلوم ہو گئی ۔ بنی اسرائیل کو ثابت ہو گیا کہ توراۃ انجیل اور دیگر کتب انبیاء میں خاتم النبیین کے جو فضائل و صفات بیان کئے گئے وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں موجود ہیں لیکن چونکہ مادہ حسد اُن کے دلوں میں بغض ہے اور کینہ تو زی اُنکی سرشت میں داخل ہے اسلئے باوجود انکشاف حق کے یہی چاہتے ہیں کہ تم کو بھی دوبارہ لوٹا کر کافر بنا دیں اور جیسے خود ہیں ویسا ہی تمکو بھی کر دیں تم تم انکے حسد کے مقابلہ میں حتی الامکان ان سے درگذر کرو ۔ انتقامی شکل نہ اختیار کرو ۔ یہانتک کہ خدا انکے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہ کر دے اور تمکو کوئی خاص حکم نہ دیدے اور یہ نہ سمجھو کہ اُنکی یہ مکاری اور اغواء ہمیشہ جاری رہیگا اور خدا انکو سزا نہ دیگا خدا انکو ضرور دنیا و آخرت میں سزا دیگا کیونکہ خدا سب کچھ کر سکتا ہے (اس آیت میں جس قطعی فیصلہ کا وعدہ کیا گیا ہے اُسکا بیان آیت جہاد میں کر دیا گیا ہے جسکی تعمیل میں مسلمانوں نے کچھ یہودیوں کو قتل کیا اور کچھ کو جلا وطن کر کے ملک شام کیطرف نکال دیا ۔)

وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ

اور تم ٹھیک ٹھیک نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور جو بھلائی آگے سے اپنے لئے بھیجو گے

مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۱۰﴾

اللہ کے ہاں اُس کو پاؤ گے بیشک اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے

تفسیر

یہ آیت گذشتہ آیت کا تتمہ ہے ۔ پہلی آیت میں عفو و درگذر کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور یہ بھی امر کیا گیا تھا کہ تم کسی اغواء کرنے والے کے بہکانے میں نہ آؤ ایمان پر ثابت قدم رہو لیکن پھر یہ شبہہ ہوتا تھا کہ جب انتقام کی ممانعت ہے اور عفو و درگذر کا حکم ہے تو دشمنوں سے عوض لینے کی اور اسلام پر ثابت قدم رہنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے ؟ تو اُسکے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ تم دشمنوں کے پیچھے نہ پڑو بلکہ اپنی روح کو روشن کرنے کی فکر کرو ۔ عبادتوں میں سب سے اعلیٰ عبادت نماز ہے تم پابندی کے ساتھ اُسکو ادا کرتے رہو اور مالی عبادت سے بھی غافل نہ ہو زکوٰۃ ادا کرو (تا کہ آپس میں مساوات و اتحاد کا مظاہرہ ہو اور دشمن خود

تمہاری قوت اور تمہارے خلوص کو دیکھ کر بسبب حوصلہ ہو جائیں) اسکے علاوہ جو نیکی تم کرو گے خواہ مخلوق
خدا کے ساتھ نیک سلوک ہو یا فرائض الٰہی کی ادائیگی ہو وہ ضائع نہ جائیگا۔ مرنے کے بعد سب کی جزا
تم کو آخرت میں خدا کی طرف سے ملیگی تمہارے کسی عمل کی جزاء سے خدا غافل نہیں ہے۔ تم جو کچھ کر رہے
ہو اُس کو خدا خوب دیکھ رہا ہے۔

مقصود بیان:۔ بنی اسرائیل کی کینہ توزی اور حسد باطنی کا اظہار رسول طاہر اور قرآن کی
گزشتہ بشارات سے موافقت کا بیان، عفو و درگذر کا حکم، انتقام کی ممانعت، خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ
کی تصریح، فرائض بدنی و مالی ادا کرنے کا امر، مساوات عام اور اخوت اسلامی کی تکمیل کی طرف
لطیف اشارہ، حسن سلوک اور عمل خیر کی تلقین اور جزاء و ثواب کا یقینی وعدہ وغیرہ۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ

اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ سوا اُن لوگوں کے جو یہودی یا نصرانی ہیں اور کوئی جنت میں ہرگز

نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

نہ جائیگا یہ اُن کی من مانی آرزوئیں ہیں کہدو کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل

صٰدِقِيْنَ ○ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ

پیش کرو بات تو یہ ہے کہ جس نے اپنا سر اللہ کے آگے جھکا دیا اور وہ نیکو کار بھی ہے تو اس کا

عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ ع ۱۲

اجر اسکے رب کے پاس موجود ہے ایسے لوگوں کو نہ (عذاب کا) ڈر ہے اور نہ (گذشتہ زندگی کا) غم ہے

تفسیر اس سے پہلی آیات میں یہود کی حسد پرمندی اور اغوا کا بیان تھا۔ یہاں اُنکی اغوا و پردازی
کی تکمیل کی جاتی ہے اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل مسلمانوں کو اسلام پر
نکتہ چینی کر کے تو مرتد بنانا ہی چاہتے ہیں اور اُسکی تائید میں یہ بھی کہتے ہیں کہ جنت ہمارا ہی حصہ ہے

تم کتنی ہی عبادت کرو، کتنے ہی خدا پرست بن جاؤ لیکن نجات سے محروم ہو حاصل ارشاد یہ ہے کہ یہودی کہتے ہیں ہم جنت کے ٹھیکیدار ہیں ہمارے سوا کسی کو سعادت اخروی حاصل نہیں ہو سکتی اور بجز انکے عیسائیوں کا قول ہے کہ حیات ابدی اور جنت حقیقی ہمارا حصہ ہے کسی مذہب والے کو روح کا اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا۔ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ یہ اُن کی خام خیالی ہے (اگر نجات صرف یہودیت یا عیسائیت میں منحصر ہو تو گذشتہ انبیاء اور انکی امتیں کہاں جائیں گی) تم اُن سے کہدو کہ اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو ثبوت پیش کرو کوئی عقلی یا شرعی دلیل بیان کرو۔ قتادہؓ کے نزدیک برہان سے گواہ مراد ہیں اور ربیع بن انس و سدی کے قول کے موافق دلیل و حجت مراد ہے۔ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ یعنی تمہارا دعوی نفسانیت پر مبنی ہے جنت میں ہر کوئی کیوں نہیں داخل ہو سکتا جس شخص کو خدا چاہے گا سعادت اخروی نصیب کرے گا تم خدا کے فضل و رحمت کے ٹھیکیدار کیسے ہو سکتے ہو کیونکہ عام کلیہ ہے کہ جو شخص توحید و صفات الٰہی پر ایمان رکھتا ہو شریعت الٰہی پر اُس نے عمل کیا ہو اور خدا کی پرستش اسطرح کی ہو کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم خدا اُسکو دیکھ رہا ہے یعنی خلوص دلی سے وہ عبادت الٰہی میں سرگرم ہو اور خدا کو حاضر ناظر جانتا ہو مطلب یہ کہ خالص اور پکا مسلمان ہو تو ایسے شخص کو خدا ضرور اجر عطا فرمائیگا اور سعادت اخروی سے سرفراز فرمائیگا پھر نہ تو اُس کو عذاب الٰہی کا خوف ہوگا نہ عمر کو ضائع کرنے کا غم۔

مقصود بیان: فضلِ الٰہی کا کوئی ٹھیکیدار نہیں بلکہ جو سچے دل سے دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر خدا کی پرستش کرے وہی ناجی ہے۔ بلا ثبوت خام خیالی کے سہارے کسی عقیدہ کو جما لینا یا بلا دلیل اپنے اختراع سے کوئی فیصلہ شرعی صادر کرنا جائز نہیں ہے۔ ہر حکم شرعی کیلئے کوئی ثبوت شرعی ہونا ضرور ہے وغیرہ۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ

اور یہودی تو کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی ٹھیک مذہب پر نہیں ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں

النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ

کہ یہودی ٹھیک مذہب پر نہیں ہیں حالانکہ یہ سب (اللہ کی) کتاب پڑھتے

الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ

ہیں ان کی سی باتیں جاہل (بت پرست بھی) کہتے چلے آئے ہیں سو اللہ قیامت کے دن

يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

ان کے جھگڑے کا　　　خود فیصلہ کر دے گا

تفسیر

علامہ سیوطی نے اس آیت کے شان نزول میں لکھا ہے کہ نجران کے عیسائیوں کی ایک جماعت رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یہودیوں کے بڑے بڑے عالم بھی حاضر ہوئے۔ علماء یہود میں سے رافع بن حرملہ یہودی نے خدا تعالیٰ کی مقدس کتاب انجیل کا انکار کیا اور حضرت عیسیٰؑ کی شان میں گستاخی کے کلمات کہے اور صاف کہہ دیا کہ عیسائیو تمہارا تو کچھ بھی مذہب نہیں ہے۔ اس پر عیسائیوں میں سے ایک شخص نے تورات کے آسمانی کتاب ہونے سے انکار کیا اور حضرت موسیٰؑ کی شان میں بے ادبی کی اور مذہب یہود کو لغو و بیہودہ بتایا اس وقت یہ پوری آیت يَخْتَلِفُوْنَ تک نازل ہوئی آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہودی تو عیسائیوں کو بدراہ بتلاتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کو نہیں مانتے اور عیسائی یہودیوں کو بدراہ کہتے ہیں اور حضرت موسیٰؑ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں حالانکہ ہر ایک فرقہ اپنی اپنی کتاب پڑھتا ہے یہودی تورات پڑھتے ہیں جس میں آنے والے روح القدس کی تصدیق موجود ہے اور عیسائی انجیل پڑھتے ہیں جس میں حضرت موسیٰؑ کی تصدیق موجود ہے اور اکثر احکام توریت ان پر لازم ہیں لیکن محض نفسانیت سے ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ اور اہل کتاب ہی پر کیا منحصر ہے یہ خیالات کچھ انہی میں نہیں ہیں بلکہ ان سے پیشتر عرب کے بت پرست اور ایران کے مجوس جن کو آسمانی کتاب کا علم نہ تھا اور نہ وہ اہل کتاب تھے وہ بھی ایسی خام خیالی ہیں

مبتلا تھے اور اپنے عقائد و اعمال ہی کو حق کہتے تھے حالانکہ اُنکی گمراہی تمام الہامی مذہب رکھنے والوں کے نزدیک تسلیم شدہ امر ہے فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ لہذا خدا تعالیٰ ہی قیامت کے دن ان کا فیصلہ کرے گا اور اختلافی مسائل کا تصفیہ کریگا اور دکھادیگا کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر۔ کون مستحق نجات ہے اور کون سزاوار عقاب۔

مقصود بیان:۔ ہر فرقہ و ملت والا بزعم خود غلط خیال ہوا نجات کا ٹھیکیدار بنے۔ یہودی عیسائیوں کو اور عیسائی یہودیوں کو گمراہ کہتے ہیں۔ توریت میں حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق اور انجیل میں حضرت موسیٰؑ کی تصدیق موجود ہے جو لوگ علم نہیں رکھتے ہوں اور الہامی کتاب اُنکے پاس نہ ہو وہ درحقیقت جاہل ہیں اگرچہ دنیوی علوم میں زبردست ماہر ہوں۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ انصاف کرے گا کسی کی حق تلفی نہیں کرے گا۔ وغیرہ۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ

اور اُن سے زیادہ ناحق کوش کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اُس کا نام لینے سے روکتے

وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ

اور اُنکے اجڑ جانے کی کوشش کرتے ہیں یہ لوگ خود اس قابل نہ تھے کہ مسجدوں میں بے باک ہو کر

اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ ڛ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

گھسے خصوصیت کے ساتھ اُنکے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی اُنکے لئے بڑا عذاب ہوگا

تفسیر اس آیت کا حکم اگرچہ عام ہے۔ ہر وہ شخص جو مسجد میں ذکر خدا کرنے سے منع کرے اور مسجد کو ویران کرنے کی کوشش کرے اس حکم کے ذیل میں داخل ہے لیکن شان نزول کے اعتبار سے مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ، سعید بن ابی عروبہ، سدی اور ابن جریر وغیرہ کے قول کے موافق تو آیت مذکورہ میں اُن عیسائیوں کی تفضیح و تشنیع کی گئی ہے جنہوں نے بخت نصر کی مدد سے بیت المقدس میں کوڑا ڈالا۔ مقام صخرہ میں

سؤر ذبح کئے، یروشلم کو تباہ کیا یہودیوں کو قتل کیا اور بیت المقدس کو خراب کیا لیکن عبدالرحمٰن بن زید، سعید بن جبیر اور ابن کثیر وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ یہ آیت مشرکین عرب کے متعلق نازل ہوئی ہے جسکا قصہ یہ ہے کہ ۶ھ ماہ ذیقعدہ کے پہلے ہفتہ کو پیر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کے مدینہ سے روانہ ہوئے اور مکہ میں پہنچکر عمرہ کرنا چاہا لیکن مشرکوں نے حضور صلعم کو عمرہ نہ کرنے دیا۔ حضور ؐ نے فرمایا اس بیت العتیق سے تو کسی کو روکا نہیں جاتا ہے پھر تم مجھکو کیوں روکتے ہو؟ مشرکین کہنے لگے کہ ہم ایسے لوگوں کو نہیں آنے دیں گے جنہوں نے بدر کے روز ہمارے باپ چچا اور بھائیوں کو قتل کیا ہے گویا انہوں نے مسجد حرام کو ویران کرنیکی کوشش کی اور ذکر خدا سے مسلمانوں کو روکا میرے نزدیک یہ ہی اخیری شان نزول زیادہ صحیح ہے۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح دیگر مشرکین عرب بھی مسلمانوں سے دلی عداوت رکھتے ہیں اور ظلم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا کہ فریضۂ مذہبی سے روکتے ہیں۔ مسجد حرام، مسجد البکر اور مکہ کے اطراف میں مسلمانوں نے عبادت کے لئے جو مقامات مخصوص کر لئے تھے اُن میں خدا کا نام لینے نہیں دیتے اور اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ ان مساجد کو برباد کرنے بے رونق بنانے اور تباہ و ویران کرنے میں کوشش کرتے ہیں حالانکہ ان لوگوں کو خود ان مقامات مقدسہ میں انتہائی ادب اور خوف سے جانا چاہیے تھا۔ اس کے برخلاف یہ ایسے متبرک مقامات میں کوڑا گندگی اور مرے ہوئے جانوروں کی انتڑیاں ڈالتے ہیں۔ لامحالہ ان لوگوں کو اور ان کے مددگاروں کو دنیا میں بھی رسوائی اور فضیحت نصیب ہوگی اور آخرت میں تو ان کے لئے ایک زبردست عذاب الٰہی موجود ہی ہے۔

مقصود بیان: مساجد کے احترام و ادب کی تعلیم۔ فریضۂ مذہبی کی ادائیگی کی ممانعت نہ کرنے کا حکم۔ مساجد و معابد کو تباہ و برباد کرنے کی ممانعت۔ بالآخر خدا پرستوں کے غالب آجانے کی پیشین گوئی۔ دنیا میں ظالموں کے رسوا ہونے اور آخرت میں عذاب عظیم میں مبتلا ہونیکی تصریح لطیف پیرایہ میں ترغیب و ترہیب، یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر مشرکوں کے دعوئی حقانیت کی تردید، ظلم کی ممانعت

ذکر خدا سے روکنے کو ظلم اعظم قرار دینا وغیرہ۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ

پورب پچھم تو اللہ ہی کا ہے جس طرف منہ کرو اُس طرف اللہ ہی کا رخ ہے

وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

یقیناً اللہ فراخ رحمت والا باخبر ہے

تفسیر اس آیت کی شان نزول میں طرح بیان کی گئی ہے:۔

(۱) حضرت ربیعہ اور عبداللہ بن عامر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار مسلمان کسی سفر جہاد میں تھے شب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ کیا لیکن تاریکی کی وجہ سے قبلہ کی سمت محسوس نہ ہوئی۔ ہر چند کوشش کی مگر قبلہ کا صحیح رُخ معلوم نہ ہو سکا۔ آخر کار سب نے اپنے اپنے خیال اور غالب گمان کے اندازے سے جدھر قبلہ سمجھا اُسی طرف کو رُخ کر کے نماز پڑھ لی صبح کو حضور والا کی خدمت میں یہ قصہ عرض کر دیا اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) ابن عباسؓ، مجاہد، قتادہ اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ جب رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی سمت ترک کر کے کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو یہود نے طعن کیا اُسکی تردید میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

(۳) بعض مفسرین نے شان نزول میں یہ قصہ لکھا ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار مدینہ منورہ سے آرہے تھے اور سواری پر ہی بیٹھے ہوئے نوافل کی نیت باندھ رکھی تھی اونٹنی جدھر جا رہی تھی رُخ کر کے چلدیتی تھی اور قبلہ کی طرف روئے مبارک نہ رہتا تھا اُس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

اِن کل شان نزول کی بناء پر حاصل مطلب یہ ہے کہ قبلہ کی جانب نماز کی حالت میں رُخ کرنا فرض بیشک ہے لیکن یہ امر تعبدی ہے مقصد تو اللہ کو سجدہ کرنا ہے اسلئے اگر کسی تاریکی وغیرہ کے عذر سے قبلہ کی صحیح سمت نہ معلوم ہو سکے تو جدھر کو بھی منہ کر کے اللہ کو سجدہ کر لوگے تمہارا سجدہ ہو جائیگا کیونکہ قبلہ تو ایک جانب ہے اور اللہ ہر طرف ہے کسی خاص سمت میں محدود نہیں ہے

البتہ جہاں قبلہ کی سمت معلوم ہو سکے وہاں ہمارے حکم کی تعمیل کی بناء پر ضرور قبلہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھو۔

متوسط الذکر شان نزول کی بناء پر یہ مطلب ہوگا کہ مشرق و مغرب یعنی تمام عالم خدا کا بنایا ہوا اور اُسی کی ملک ہے کسی کو اُس کی مخلوق اور ملک کے احکام میں کیا دخل ہے جدھر چاہتا ہے اُدھر کو رُخ کرکے اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے اُسکے واسطے کوئی جہت مخصوص نہیں ہر طرف اُسی کی جلوہ پاشی ہے اور پھر اُسکا دائرہ ظہور اور وسعت علمی بھی لامحدود ہے جدھر کو منہ کرکے عبادت کی جائے ادھر اُسی کا ظہور ہے اور اُسکو علم ہے پہلے بیت المقدس قبلۂ نماز تھا اب اُس نے کعبہ کی طرف رُخ کرکے اپنی پرستش کا حکم دیدیا کیونکہ وہ ہر طرف ہے۔

مؤخر الذکر صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ چونکہ معبود برحق کسی خاص حد اور معین جہت میں محدود نہیں اس لئے اگر سواری پر غیر سمت کو بھی منہ کرکے نوافل پڑھ لئے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے

میرے نزدیک بہتر مطلب آیت کا یہ ہو سکتا ہے جو ہر سہ شقوق کو جامع ہے کہ تمام عالم خدا کا بنایا ہوا ہے ہر جگہ خدا تعالیٰ کو سجدہ کیا جاسکتا ہے تمام زمین محل سجدہ ہے لہذا جس جگہ (قبلہ کی طرف رُخ کرکے) نماز ادا کروگے وہ خدا ہی کے واسطے ہوگی کیونکہ اُسکی جلوہ ریزیاں کہیں محدود نہیں ہیں ورنہ اُس کی نور پاشیوں کا دائرہ تنگ ہے نہ اُسکی وسعت علمی سے کوئی چیز خارج ہے لہذا مشرق میں ہو یا مغرب میں جنوب میں ہو یا شمال میں کھلے میدان میں ہو یا تنگ تاریک حجرہ میں بہرحال اُسی کیلئے سجدہ ہوگا اور اُس کو ضرور اس کا علم ہوگا۔

مقصود بیان:۔ تمام عالم خدا کی ملک ہے اُسکی پرتو افگنی سے کوئی ذرہ خالی نہیں خدا جسم و جسمانیت سے منزہ ہے۔ اُسکی کوئی مخصوص جہت اور محدود سمت نہیں۔ اُس کا دائرہ علم وسیع ہے اور ضیاء ریزی احاطۂ دھر سے خارج ہے۔ تمام دنیا اُسی کا پرتو ہے۔ زمین پر ہر جگہ نماز جائز ہے قبلہ مسجود نہیں بلکہ قبلہ نما ہے۔ درحقیقت مسجود لامحدود ہے وغیرہ۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے حالانکہ وہ پاک ذات ہے البتہ جو کچھ آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور زمین میں ہے اسی کا ہے سب اسی کے تابعدار ہیں وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے

وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○

اور جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اسکی نسبت صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے

تفسیر وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ خدا تعالیٰ نے اپنی وحدانیت الوہیت اور صفات کمالیہ کا اعتقاد بندوں پر فرض کیا ہے اہل کمال اپنے نور معرفت سے پہچانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تمام صفات کمال سے موصوف ہے نہ وہ کسی مخلوق سے مشابہ ہے نہ کوئی مخلوق اس سے مشابہت رکھتی ہے۔ خدائے قدوس جسم، جہت، شکل صورت، مکان، زمان، کیف، کم، جوہر، عرض سے پاک ہے اور ہر اس چیز سے منزہ ہے جو مخلوق ہے یا مخلوق کے تصور خیال قیاس اور وہم میں آسکتی ہے۔ اس لئے گذشتہ آیت میں ارشاد فرما دیا تھا کہ خدا تعالیٰ کے واسطے کوئی مخصوص جہت نہیں لہذا جس شخص کا اس پر ایمان ہے وہ تو مومن ہے اور جو اس راستہ سے بھٹکا اور کجروی اختیار کی تو اس کا ایمان اپنے تصورات اور ذہنی تراشیدہ صورتوں پر ہے جو کچھ اسکے تصور میں قائم ہوا اسی کو اس نے اپنا خدا بنا لیا۔ موحد الذکر فرقے تین تھے۔ عیسائی تو حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ یہودی عزیز کو ابن اللہ کہتے تھے اور انکے دیکھا دیکھی عرب کے مشرک فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ ان تینوں فرقوں کا رد ان آیات میں کیا گیا ہے۔ اور رد کیواسطے پانچ دلائل بیان کئے گئے ہیں پہلی دلیل لفظ سُبْحٰنَهٗ سے دوسری دلیل لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے تیسری دلیل كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○ سے چوتھی دلیل بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے اور پانچویں دلیل آیت کے آخر ٹکڑے سے مستنبط ہوتی ہے جسکی تفصیل ہم انشاء اللہ ذیل میں لکھیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے لئے بیٹا بنا رکھا ہے حالانکہ یہ بات انکی بے ادبی گستاخی اور بد تہذیبی پر دلالت کرتی ہے اور سراسر افترا، بہتان ہے کیونکہ سُبْحٰنَهٗ خدا

تعالیٰ ان بہتان تراشیوں اور بے ادبیوں سے پاک ہے. بیٹا باپ سے ضرور مشابہ اور متجانس ہوتا ہے اور خدا
کے ساتھ صحیح نسبت و مشابہت نہ عزیز کو تھی نہ مسیح کو نہ فرشتوں کو پھر کس طرح انکو اسکی اولاد قرار
دیا جاسکتا ہے۔ یہ سب مخلوق اور مجبور وہ خالق مختار۔ یہ سب اپنے وجود میں محتاج۔ وہ موجد قادر
مطلق۔ پھر کس طرح انکی خدا سے مشابہت ہوسکتی ہے بَل لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
یہ دوسری دلیل ہے یعنی آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کی مخلوق و مملوک ہے۔ خالق و مخلوق
اور مالک و مملوک میں والد و ولد کے تعلقات کس طرح ہوسکتے ہیں بیٹا باپ کے ساتھ نوعیت میں
حصہ دار ہوتا ہے اور مملوک مالک کے ساتھ اشتراک رکھ نہیں سکتا۔ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ ۔ یعنی آسمان
و زمین اور انکی تمام کائنات اسکی مطیع فرمانبردار حکم کی تابع اور خشوع خضوع کیساتھ حلقہ بگوش
ہے کوئی اس سے انحراف نہیں کرسکتا کوئی اسکے فرمان سے سرتابی و گردن کشی نہیں کرسکتا۔ اگر
کوئی خدا کا بیٹا ہوتا تو حلقہ بگوش نہ ہوتا کیونکہ اسمیں بھی خدائی کا جزو ہوتا جو استغنا اور استقلال
کا موجب ہے لیکن بجائے استقلال و استغنا کے سب اسی کے مطیع ہیں اسکی تقدیر سے کوئی خارج نہیں
ہوسکتا۔ معلوم ہوا کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے نہ اسکی نظیر ہے نہ شبیہ نہ مثل نہ مانند۔ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ یہ چوتھی دلیل ہے یعنی خدا نے تمام عالم کو عدم سے وجود کا جامہ پہنایا۔ نہ کوئی مادہ وجود
پہلے سے موجود تھا کہ صانع ان دونوں میں صرف ارتباط پیدا کردیا ہو نہ زمانہ اور کیف تھا کہ صرف کیفیت
بدل دی ہو بلکہ تکوین و صنعت بالاتر۔ وہ موجد عالم ہے بغیر کسی تشبیہ و تمثیل کے اسنے عالم کو بنایا ہے
نہ اسکا کوئی جز ہے نہ بیٹا۔ کیونکہ بیٹا باپ کے مادہ سے پیدا ہوتا ہے جب عالم عدم سے وجود میں بغیر کسی قدیم مادے
کے آیا تو پھر اس میں کوئی شخص کس طرح خدا کا بیٹا ہوسکتا ہے. وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ
لَهُ كُن فَيَكُونُ یہ پانچویں دلیل ہے یعنی ولد کی پیدائش تو رفتہ رفتہ تدریجاً مختلف تبدیلیاں اور
تغیرات ہونے کے بعد مختلف اوقات میں پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ نیز بیٹے کی پیدائش اور ضروریات پیدائش کی تکمیل
باپ کے اختیار سے بھی خارج ہوتی ہے لیکن خدا قادر مطلق اور موجد کامل ہے جب ارادہ الٰہیہ کسی چیز کی ایجاد
سے متعلق ہوتا ہے اور وہ کسی کو عالم ہیئت میں لانا چاہتا ہے تو فوراً بغیر کسی توقف اور تدریجی تکمیل کے
وہ چیز پیدا ہوجاتی ہے پھر کس طرح کوئی اسکا بیٹا یا وہ کسی کا باپ ہوسکتا ہے ۔

مقصود بیان: خدا تعالیٰ زمان مکان حیثیت چگونگی تغیر تبدیل کم کیف احتیاج اور

انتقار وغیرہ سے پاک ہے، دنیا کا وہ خالق ہے عالم اسکے قبضۂ قدرت میں ہے جیسا چاہتا ہے ویسا کرتا ہے عدم محض سے عالم کو ہست کیا سب اسکے تولی فعلی اور مالی فرمانبردار مطیع و منقاد ہیں کوئی سرتابی نہیں کر سکتا اسکی تقدیر کی خلاف ورزی ناممکن ہے ارادۂ الٰہی کیساتھ ساتھ فوراً اشیاء کا وجود ہو جاتا ہے نہ وہاں زمانہ لگتا ہے نہ آن نہ منٹ نہ سکنڈ وغیرہ۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ

اور جاہل کہتے ہیں خدا خود ہم سے کیوں نہیں کہدیتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں

اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ

نہیں آتی اسی طرح اُن سے پہلے کے لوگ کہا کرتے تھے ان کا سا قول

تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

ان سب کے دل ایک ہی سے ہیں ہم تو یقین کرنیوالوں کیلئے نشانیاں کھولکر بیان کر چکے ہیں

تفسیر حضرت ابن عباسؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ رافع بن حرملہ یہودی نے حضور والا کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ رسول ہیں تو خدا ہمسے کہدے تاکہ ہم سن لیں یا کوئی کھلی ہوئی نشانی ظاہر ہو جسسے ہم کو شناخت ہو جائے اسپر یہ آیت نازل ہوئی (محمد بن اسحاق) مجاہد کہتے ہیں یہ نصرانیوں کی گفتگو تھی۔ ابن جریر نے سیاق کا لحاظ کرتے ہوئے اسی کو پسند کیا ہے۔ ابو العالیہ ربیع بن انس، قتادہ اور سدی قائل ہیں کہ یہ کفار عرب کا قول تھا ابن کثیر اور سیوطی کا یہی مختار ہے۔ بہرحال حاصل مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نور ایمان سے بے بہرہ ہیں، معرفت الٰہی سے نا آشنا ہیں، حقیقت رسالت کا انکو علم نہیں، ازلی کور بصیرت ہیں، باوجود دیکھنے ہوئے معجزات اور واضح آیات کے یہی کہتے ہیں کہ اگر آپ رسول ہیں تو آپ کی رسالت کا اظہار خدا ہم سے کیوں نہیں کر دیتا ہم سے وہ بذات گفتگو کرنا چاہئے یا کوئی ایسی کھلی ہوئی نشانی ظاہر ہو جانی چاہئے جس سے ہم کو شبہہ باقی نہ رہے اور ہم کو سحر کا احتمال بھی نہ رہے كَذٰلِكَ

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تمکو انکے قول کی طرف کوئی خاص التفات نہ کرنی چاہئے نہ کوئی مخصوص اثر لینا چاہئے کیونکہ اگلے انبیاء کی قومیں بھی ایسی ہی باتیں کر چکی ہیں انہوں نے بھی اپنے پیغمبروں سے یونہی سرکشی اور کفر کیا تھا اور خدا سے ہم کلام ہونیکی خواستگاری کی تھی۔ یہودیوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ۔

تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ان سب کے دل ایک طرح کے ہیں۔ یہ کفار عرب اور یہود و نصاریٰ سب گمراہی میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ کفر و عناد سرکشی گمراہی اور ہٹ دھرمی سب کا شیوہ ہے انکے دل ٹیڑھے ہیں کسی معجزہ پر ایمان نہیں لائینگے ورنہ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ایمان فطری اور معرفت جبلی رکھنے والوں کیلئے تو ہم نے کھلے کھلے معجزات و آیات ظاہر کر دیئے ہیں جو انکی یقین افزائی اور بصیرت افروزی کیلئے کافی ہیں لیکن جو لوگ فطرۃً کور دماغ رکھتے ہیں جنکی آنکھوں پر گمراہی کے پردے پڑے انکی سمجھ میں کیا آسکتا۔ جب تمہارا کلام نہیں سمجھ سکتے اور اسکو سحر پر محمول کرتے ہیں تو پھر ہمارا خطاب کیونکر سن سکتے ہیں اور بغیر مجاہدہ کا مرتبہ طے کئے ہوئے مشاہدہ کے درجہ پر کس طرح پہنچ سکتے ہیں۔

مقصود بیان: جو لوگ ازلی شقی ہیں، جنکے دلوں پر گمراہی کے قفل لگے ہیں اور آنکھوں پر جہالت کے پردے پڑے ہیں۔ اور کان استماع حق سے بہرے ہیں اُن کیلئے تمام ہدایات بے سود ہیں نہ انکو نبی سے فائدہ پہنچ سکتا ہے نہ ولی سے نہ قرآن سے نہ معجزہ و کرامت سے۔ ہاں جو لوگ سعید ازلی ہیں رکھتے ہیں چراغِ ایمان سے انکی روحیں روشن ہیں انکے لئے معمولی ہدایت بھی کافی ہے۔ تمام کفار نفسِ کفر و عناد میں یکدوسرے کے مشابہ ہیں فرق صرف مراتب کا ہے کسی کا کفر کم ہے کسی کا زائد

اسکے آئندہ آیت میں رسول اللہ صلعم کو تسلی دی گئی ہے اور فرما دیا گیا ہے کہ آپ کسی کی ہدایت یاب کرنیکے ذمہ دار نہیں نہ آپ سے یہ دریافت کیا جائیگا کہ یہ شخص دوزخی کیوں ہوا ہدایت یاب کر نہ پایا گمراہ چھوڑ دیا تو خدا کے ہاتھ میں جو سرکشی گمراہی میں ہیں انکو کون ہدایت کر سکتا ہے اندھے کو چراغ سے کیا فائدہ چنانچہ ارشاد ہے

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا

ہم نے بلاشبہ تم کو حقانیت کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور تم سے

وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ ۝

دوزخیوں کی کچھ بازپرس نہ ہوگی

تفسیر یعنی ہم نے تمکو ہدایت و قرآن دیکر بھیجا تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ لوگوں کو جنت کی خوشخبری اور دوزخ سے ڈراؤ جو لوگ حامل ایمان ہیں جن کے دماغ شک و وہم کی کثافت سے پاک ہیں اور جنکی روحیں یقین کی حلاوت سے آشنا ہیں اور اعمال نیک ہیں انکو خوشنودی الٰہی کی بشارت سناؤ اور جو لوگ تاریک دماغ رکھتے ہیں، اختراعی شکوک اور بے بنیاد اوہام میں مبتلا ہیں ایمان و یقین کا چمکتا ستارہ انکے سیاہ دلوں پر پرتو افگن نہیں ہوا جن کے علمی و عملی قویٰ ناقص ہیں انکو عذاب الٰہی سے خوف دلاؤ ابن عباسؓ کے نزدیک حق سے مراد قرآن ہے اور سیوطی نے حق سے ہدایت مراد لی ہے۔ یعنی قرآن و حدیث وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ ۝ یعنی تم سے یہ دریافت نہ کیا جائیگا کہ یہ لوگ دوزخی کیوں ہوئے تمہارا کام صرف پیغام الٰہی پہنچا دینا ہے ماننا نہ ماننا بندوں کا کام ہے اسکا حساب خدا تعالیٰ خود کریگا آپ اس بات کے ذمہ دار نہیں ہیں کہ راہ راست دکھا دینے کے بعد منزل مقصود تک پہونچا بھی دیں آپ صرف رہنما اور رہبر ہیں نہ کہ موصل اور کامیاب کن یہ کام صرف خدا کا ہے واللہ الہادی و بیدہٖ ازمۃ المقاصد والمبادی۔

مقصود بیان :- نور ایمان سے منور کرنا یا کفر کی تاریکی میں چھوڑ دینا خدا تعالیٰ کے مخصوص قبضہ قدرت میں ہے کسی انسان کو اسمیں دخل نہیں ہے، نہ نبی کو نہ ولی کو نہ مقرب فرشتے کو پیغمبر کا کام صرف رہنمائی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ نے نیک لوگوں کو خوشخبری سنانے کو اور بد اطوار اشخاص کو دوزخ سے ڈرانے کو قرآن دیکر بھیجا اور فرمادیا کہ جو اس قانون الٰہی کی پابندی کریگا وہ رحمت الٰہی سے سرفراز ہوگا اور جو اسکی خلاف ورزی کریگا وہ عذاب میں گرفتار ہوگا۔ بغیرہ

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ

تم سے یہودی اور نہ عیسائی اسوقت تک ہرگز خوش نہ ہونگے جب تک تم انکا دین

مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ ھُدَى اللّٰهِ ھُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ

نہ اختیار کرلوگے (اے محمد) کہدو کہ درحقیقت اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے اور اگر علم آچکنے

أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ

کے بعد بھی تم انکی نفسانی خواہشات پر چلوگے تو تم کو اللہ (کے عذاب) سے (بچانے والا

مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ○

نہ کوئی یار ہوگا　　نہ مددگار

تفسیر

گذشتہ آیت میں بتایا تھا کہ جو نور ایمان سے بے بہرہ ہیں انکے لئے کوئی معجزہ مفید نہیں اب یہاں بیان کیا جاتا ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے جو لوگ کتاب حق یعنی توریت و انجیل کی تعظیم و پابندی کرتے ہیں انکو تو تورات و انجیل کی بشارت ہی کافی ہے اور رسول کا ہر معجزہ انکے لئے باعث طمانیت ہے باقی وہ لوگ جو تورات و انجیل کے احکام کی ہی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ہوا و ہوس کے پابند ہیں انکے لئے معجزات بھی بیکار ہیں وہ اپنی خیالی باتوں سے نہیں ہٹینگے۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ یہ آیات و معجزات اس لئے نہیں ہیں کہ یہ لوگ ان کو دیکھنے کے بعد راہ حق کی طرف رجوع کرلیں گے۔ کیونکہ ان گمراہان ازلی کا مقصود صرف تعنت و عناد ہے راہ حق پر آنا ہی یہ نہیں چاہتے۔ انہوں نے جو ٹھیرا رکھا ہے اپنے باطل خیالات کے موافق اعتقاد کر رکھا ہے اس سے ایک انچ نہیں ہٹ سکتے۔ لہذا اگر اس گمراہی اور کجروی میں تم ان کی موافقت کروگے تو راضی ہوں گے ورنہ انکی خوشنودی اور رضامندی قطعاً ناممکن ہے خلاصہ یہ کہ آپ ایسی چیزوں کی خواہش چھوڑ دیجئے جس سے یہ لوگ موافق ہو کر راضی ہو جائیں بلکہ رضاء الٰہی کی جستجو کیجئے اور جو پیغام رسالت آپ کو دیا گیا ہے وہ پہونچا دیجئے (ابن جریر)

قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ یعنی اور ان سے کہدیجئے کہ جس ہدایت حق پر اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے یعنی عقائد و قوانین وہی حقیقی ہدایت ہے اور جو کچھ تم بیان کرتے یا سمجھتے ہو سب گمراہی ہے لیکن اس علم حقانیت اور تصریح ہدایت کے بعد بھی بالفرض وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ سے وَلَا نَصِيرٍ تک اگر آپ یا آپکی امت کے لوگ ان گمراہوں کی گمراہی کی پیروی کریں گے اور ہوا پرستی کی طرف مائل ہو کر اتباع حق سے کنارہ کش ہوں گے تو پھر خدا سے کوئی بچانے والا نہیں ہے کیونکہ آپکے پاس وحی اور دین حق آچکا ہے۔ اسکے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو جنہیں

اہل کتاب ہونے کے باز نہ آنا چاہئیے کیونکہ:-

الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسکو کما حقہ پڑھتے رہتے ہیں

اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ

یہی لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں اور جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۱۲۱

وہی نقصان پانے والے ہیں

تفسیر درحقیقت اہل کتاب وہی ہیں جو اسکو عمدہ طور سے پڑھتے اس پر عمل کرتے اور ایمان رکھتے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام، شاہ نجاشی، کعب احبار اور ضغافر رومی وغیرہ۔ حضرت عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ حق تلاوت یہ ہے کہ جب ایسی آیت پر پہنچے جس میں جنت کا ذکر ہے تو خدا تعالیٰ سے جنت کی خواستگاری کرے اور جب ایسی آیت پڑھے جس میں دوزخ کا ذکر ہے تو عذاب جہنم سے پناہ مانگے (ابن ابی حاتم) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں قسم ہے اس خدائے پاک کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے حق تلاوت یہ ہے کہ کتاب الٰہی کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھے اور جسطرح خدا تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اسی طرح پڑھے، کلمات کو اپنی جگہ سے تحریف نہ کرے اور بے موقع انکی تاویل بھی نہ کرے۔ حضرت قتادہ، ابن عباسؓ، سدی، حسن بصری، عکرمہ، عطاء، مجاہد، ابورزین اور ابراہیم نخعی وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۰ اور جو شخص اس قرآن کا انکار کرتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہونے والے اور نقصان اٹھانیوالے ہیں کیونکہ قرآن کے انکار سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایمان اپنی کتاب پر بھی نہیں ہے اور نہ توریت و انجیل کی بشارات کی تصدیق کرتے ہوئے انکو قرآن کا انکار نہ کرنا چاہئیے تھا۔

مقصود بیان: ہر گمراہ فرقہ یا شخص یہی چاہتا ہے کہ سیدھی راہ چلنے والا بھی ہماری راہ پر آجائے۔ ہدایت و ضلالت کے امتیاز کا معیار عقل نہیں بلکہ نقل ہے جو چیز خدا کے نزدیک ہدایت ہے وہی ہدایت ہے اور جو دماغی تراشیدہ ہدایت ہے وہ گمراہی ہے۔ توریت و انجیل وغیرہ پر صحیح ایمان رکھنے سے قرآن پر ایمان لانا لامحالہ ضروری ہو جاتا ہے اور قرآن کے انکار سے دیگر کتب سماویہ کا انکار بھی لازم آتا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ

اے اولاد یعقوب میرے اُس احسان کو یاد کرو جو میں تم پر کر چکا ہوں

عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا

اور اسکو بھی یاد کرو کہ (اُس زمانہ میں) سارے جہان پر میں نے تم کو فوقیت عطا کی تھی اور اُس دن سے

لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ

ڈرو جبکہ کوئی کسی کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ اُس کا معاوضہ قبول کیا جائیگا

وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

اور نہ سفارش کام آئے گی اور نہ اُن کی مدد کی جائے گی

تفسیر

بقاعی وغیرہ مفسرین نے اس آیت کا ارتباط ماقبل سے اس طرح بیان کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ابتداء سورت میں بنی اسرائیل کو نعمتوں کی یاددہانی کی تھی پھر درمیان میں اُن کے عیوب بدکاریاں ظاہر کیں جس سے قصہ کو طول ہو گیا اب اخیر میں پھر نعمتوں کی یاددہانی فرماتا ہے گویا بقول حرانی کلام کا اخیر حصہ ابتدائی حصہ سے مرتبط ہو گیا۔ لیکن یہ تاویل کیا ہے بلکہ امام ابن کثیر نے تحقیق کے بعد فرمایا ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کو اس امر کی تاکید کی گئی ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی امی ہیں جنکا ذکر تورات و انجیل وغیرہ میں آیا ہے اور انہی

صفات کے حامل ہیں جو گذشتہ کتب الٰہی میں مذکور ہیں لہذا یہی تم پر انعامات کثیرہ کا ذریعہ ہے اب تمکو اپنے چچازاد بھائیوں یعنی عربوں پر حسد نہ کرنا چاہئے کہ خاتم المرسلین کیوں ان میں پیدا ہوئے کیونکہ تمہارے لئے بھی تو یہ وہی نعمت ہیں جسکا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

آیت کا حاصل مطلب ہے کہ اے بنی اسرائیل میری اُن نعمتوں کو یاد کرو جو میں تمکو عنایت کر چکا ہوں۔ میں نے تمہارے اسلاف کو اُنکے تمام ہمعصر لوگوں پر فضیلت عطا کی تھی لہذا اُن نعمتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ شکر گذاری کے ساتھ محمد ﷺ پر ایمان لاؤ کیونکہ تمام انبیاء اور علماء ایمان لا چکے وہ سب اللہ تعالیٰ کے مطیع اور اسکی رضامندی کے خواہاں تھے پھر تم کیوں خدا کی نافرمانی کرتے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہو۔ یہ خیال مت کرو کہ جو لوگ اپنے رب عز وجل کی خوشنودی کے خواستگار ہیں وہ نافرمانی کرنیوالوں سے راضی ہونگے یا سفارش کریں گے یہ ہرگز ممکن نہیں ہے۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا تم کو اُس دن کے عذاب سے ڈرنا چاہئے کہ کوئی شخص کسی کے ذرہ برابر کام نہ آئے گا یہ نہ ہو سکے گا کہ تمہارا بار کوئی آدمی اپنے سر لیلے کیونکہ کوئی نفس خود مختار نہ ہوگا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ اور نہ وہاں معاوضۂ عذاب دیکر کسی کی خلاصی ممکن ہوگی تم کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو چکا اسلئے ہم کو عذاب نہ ہوگا قیامت کے دن کوئی معاوضہ مقبول نہ ہوگا وَلَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ اور نہ کسی کی سفارش (کافروں کے لئے) مفید ہوگی یعنی کافروں کی کوئی سفارش کریگا ہی نہیں وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ اور نہ خدا کے مقابلہ میں آ کر زبردستی کوئی نجات دلا سکے گا کسی کو مجال نہ ہوگی کہ کافروں کا مددگار بن سکے جب چاروں ذرائع خلاصی و نجات کے کام نہ آئینگے تو تمہارا یہ خیال کر لینا کہ ہمارے انبیاء و پیشوا ہم کو نجات دلا دیں گے بالکل غلط ہے لہذا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا چاہئے تاکہ قیامت کے عذاب سے محفوظ رہ سکو۔

مقصود بیان: ترغیب و ترہیب۔ لطیف پیرایہ میں دعوت اسلام حقانیت اسلام کی طرف دقیق ترین اشارہ۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے مالک مختار اور واحد قہار ہونے کی تصریح۔ کفار کے عدم نجات کا اظہار۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ

اور جب ابراہیم کی اُنکے پروردگار نے چند باتوں میں آزمائش کی تو انہوں نے اُن کو پورا کر دیا اللہ نے فرمایا

اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ

میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں ۔ ابراہیم نے کہا اور میری اولاد میں سے

قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ○

اللہ نے فرمایا میری نبوت ظالموں کو نہیں ملے گی

تفسیر یہود و نصاریٰ مدعی تھے کہ نبوت و علم ہمارا موروثی ہے حامل رسالت صرف اولاد اسحاق چلی آئی ہے بنی اسماعیل میں کوئی نبی نہ مبعوث ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے اسلئے ہم اسماعیلی نبی پر ایمان نہیں لا سکتے۔ خداوند تعالیٰ نے اسکی تردید گذشتہ آیات میں بہترین ثبوت کے ساتھ کر دی۔ ترہیب و ترغیب تذکیر و وعظ اور تکمیل دلائل کے ساتھ ساتھ دعوت اسلام دی لیکن اب یہاں سے پارہ سیقول تک تردید کا دوسرا طریقہ اختیار کیا جسکو تمام دنیا کی تاریخ دان قوام تسلیم کرتی ہیں وہ یہ کہ اسماعیل ہوں یا اسحاق دونوں ابراہیم کے بیٹے تھے اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے ہی انکو نبوت ملی تھی۔ اول درحقیقت حضرت ابراہیمؑ کو ہی پیشوا اور امام بنایا گیا تھا۔ بعد کو یہ پیشوائی انکی اولاد میں بطور توارث جاری رہی لیکن حضرت ابراہیمؑ کی دعا کی قبولیت اس شرط پر کی گئی تھی کہ نافرمان اور سرکش انسان پیشوا نہ ہو سکیں گے۔ لہذا فرمانبردار اور خدا پرست انسانوں ہی کیلئے امامت و نبوت مخصوص رہی خواہ وہ اسماعیلی ہوں یا اسرائیلی سلسلہ نسب کو کوئی دخل نہیں ہے سب حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی کہ الٰہی مکہ والوں کے لئے انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمانا۔ یہ دعا قبول ہوئی اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عالم وجود میں تشریف فرما ہوئے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں باوجود سرکشی اور طغیان کے انبیاء علیہم السلام چلے جاتے اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں ہر شخص باوجود خدا پرست اور مجسمہ اخلاق ہونے کے خلعت نبوت سے محروم رہے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل اگر تم کو اپنے نسب پر فخر ہے اور امتیازی شرف کے مدعی ہو تو

اعمال کی بھی تو اصلاح کرو اور اپنے مورث اعلیٰ یعنی ابراہیم کی طرف صحیح نسبت رکھنے کیلئے انکی توحید پر بھی تو قائم رہو اور اس واقعہ کو یاد کرو کہ جب پروردگار نے چند باتوں سے ابراہیمؑ کا امتحان لیا تھا اور ابراہیم امتحان میں پورا اترے تھے۔ وہ باتیں کیا تھیں جن سے حضرت ابراہیمؑ کا امتحان لیا گیا اُسکے متعلق مختلف صحابہ کے مختلف اقوال ہیں حضرت ابن عباس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے اور اسکی تائید حضرت عائشہؓ اور حسن بصریؒ کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ بعض احکام تو طہارت روحانی سے متعلق تھے اور معرفت الٰہی اُنسے وابستہ تھی مثلاً توحید ایمان بالغیب شمس و قمر اور دیگر ستاروں کی الوہیت سے رو گردانی وغیرہ اور دس احکام طہارت جسمانی سے متعلق تھے۔ مونچھیں کترو انی، کلی کرنی، ناک صاف کرنی، مسواک کرنی، سر کے بالوں کی بیچ سے مانگ نکالنی، ناخن تراشنا، بغل کے بال اکھاڑنے، موئے زیر ناف کی اصلاح، ختنہ کرنا، پانی سے استنجا کرنا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کا امتحان خدا تعالیٰ نے ایمان جان مال اور اولاد کے اعتبار سے لیا تھا جسکو حضرت ابراہیمؑ نے کامل طریقہ پر پورا کیا۔ نمرود کے مقابلہ میں غیر اللہ کی پرواہ نہ کی۔ جوش توحید سے سرشار ہو کر والہانہ انداز میں آگ میں کود پڑے نہ جان کا خوف کیا نہ دنیا و مافیہا کی طرف توجہ ایمان کی آزمائش اس طرح پوری کی کہ محض ایمان بچانے کیلئے ترک وطن کیا ہجرت کر کے ملک شام کو چلے گئے مالی قربانی کی یہ شکل تھی کہ کل مال مہمان نوازی اور مسلم پروری میں لٹا دیا۔ اور بالآخر اولاد کو بھی راہ خدا میں صرف خوشنودی خدا کے حصول کیلئے قربان کر دیا غرض حضرت ابراہیمؑ تو تمام روحانی و جسمانی قربانیوں میں پورے اترے اگر بنی اسرائیل بھی مدعی شرف ہیں تو اُن کو بھی اپنے مورث اعلیٰ کی طرح امتحان الٰہی میں ثابت قدم رہ کر اپنے جد اعلیٰ کے اخلاق و اطوار اختیار کرنے چاہئیں ورنہ صرف سلسلۂ نسب کی امتیازی شرف کا سبب نہیں بن سکتا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے اور مجاہد وغیرہ اسکے راوی ہیں کہ قوانین اسلام کے تیس حصے ہیں۔ دس کا ذکر تو سورۂ براءت کی آیت اَلتَّائِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الخ میں آیا ہے اور دس کا بیان اول سورۂ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اور سورۂ سَاَلَ سَائِلٌ میں ہے اور آخری دس کا تذکرہ سورۂ احزاب کی آیت اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ الخ میں آیا ہے اور ان سب کو حضرت ابراہیمؑ نے پورا کیا تھا۔

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا یعنی جب حضرت ابراہیمؑ خدا تعالیٰ کی آزمائش میں پورے اترے تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمکو لوگوں کا پیشوا اور نبی بناؤں گا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ حضرت ابراہیمؑ نے

عرض کیا بہت اچھا لیکن میری نسل میں سے بھی امام و نبی بنایئے قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِينَ خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عہد یعنی نبوت و امامت ظالموں اور کافروں کو شامل نہیں ہو سکتا کافر اور فاسق نبی نہیں ہو سکتے۔ خدا پرست، نیک، فرمانبردار و حاملانِ معرفت ہی انبیاء ہوں گے۔

مقصود بیان: حضرت ابراہیم کو آزمائش کے بعد نبوت کا مرتبہ ملا تھا۔ جاننا چاہیئے خدا کی سخت ترین آزمائشیں کی جاتی ہیں جو مواہب عظمیٰ خدا تعالیٰ کی طرف سے انبیاء و اولیاء کو ملتی ہیں وہاں سب سبب نسب کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ نبوت، امامت، ولایت کسی فاسق اور کافر کو نہیں مل سکتی خواہ اسکو کتنی ہی نسبی شرافت حاصل ہو۔ نبوت وہبی ہے کسبی نہیں۔ وغیرہ۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا

اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کی زیارت گاہ بنایا اور امن کی جگہ بنایا

وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرٰهِيمَ مُصَلًّى

اور (کہدیا کہ) مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ

تفسیر یعنی اے اولادِ ابراہیم اس واقعہ کو بھی یاد کرو جب ہم نے کعبہ کو مرجع خلائق اور تمام لوگوں کیلئے جائے امن بنا دیا تھا۔ خانہ کعبہ سے مومنوں کی خواہش کبھی سیر نہیں ہوتی کہ آتے ہی لوٹ جاتے ہیں پھر شوق و جذب سے مجبور ہو کر دوبارہ اس طرف رجوع کرتے ہیں (کلبی ابن ابی طلحہ، ابن ابی حاتم، ابو العالیہ، عطاء و حسن وغیرہ) اور جائے امن ہونیکا یہ ثبوت ہے کہ دور جاہلیت میں اطراف مکہ میں لوگ کشت و خون کرتے تھے لیکن مکہ والوں سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا۔ اگر کوئی بد آدمی کسی کو قتل کر کے حرم کے اندر آجاتا اور مقتول کا بیٹا اپنے باپ کے قاتل کو حرم کے اندر پا لیتا تب بھی جنبش نہیں کرتا تھا قصاص لینا اور قتل کرنا تو درکنار یہ تمام باتیں حضرت ابراہیم کی دعا کے اثرات ہیں لہٰذا اے اولادِ اسرائیل تم بھی اس بات سے نصیحت حاصل کرو اور اپنے محترم بزرگ کی پیروی کرو اور نبی آخر الزماں کی اطاعت کرو جو دینِ ابراہیمی کی دعوت دیتا ہے وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرٰهِيمَ مُصَلًّى ط حضرت عمر فاروق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب حجۃ الوداع میں اس مقام پر سے گذرے جہاں کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم نے اپنے صاحبزادہ حضرت اسمٰعیل کے ساتھ

ملکر خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی تو عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مقام ابراہیم یہی ہے حضور نے ارشاد فرمایا ہاں یہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا تو کیا حضور ہم اسکو نماز کی جگہ مقرر نہ کرلیں؟ اسوقت حضرت عمرؓ کی منشاء کے مطابق آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ نبی آخر الزماں کی اطاعت کرو جو دین ابراہیمی کی دعوت دیتا ہے اور مقام ابراہیم کو نماز کیلئے مقرر کرلو۔ ابن کثیر اور بیہقی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت تک یہ پتھر جسکو مقام ابراہیم کہا جاتا ہے کعبہ سے متصل تھا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو سیلاب آیا اس سے یہ پتھر بہہ گیا حضرت عمرؓ نے دوبارہ اسکو منگا کر کعبہ کے پاس ایک جگہ نصب کردیا اور اسکے آس پاس پتھروں کی دیوار چن دی۔ مقام ابراہیم جائے نماز بنانے کے یہ معنی ہیں کہ طواف کعبہ کے بعد دو رکعت نماز اس پتھر کے سامنے پڑھو اور بحالت مجبوری اسکے قریب پڑھ لو۔ یہ دو رکعتیں واجب ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی طواف کے بعد مقام ابراہیم کی طرف رخ کرکے دو رکعتیں پڑھی تھیں۔

مقصود بیان: سب کو طریقۂ ابراہیمی کا اتباع کرنا چاہئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہی کعبہ کو تعمیر کیا تھا اور آپ نے ہی کعبہ کو مرجع خلائق اور جائے امن بنانے کی دعا کی تھی۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنی خوشی سے طبعزاد کعبہ کو تعمیر نہیں کیا تھا جس سے لوگ اعتراض کرنے لگیں کہ کعبہ کو جہت عبادت قرار دینا شرک کی علامت ہے کعبہ بھی پتھروں کا ایک مکان ہے۔ اس مکان کو دیگر مکانوں پر کیوں امتیازی شرف حاصل ہے۔ بلکہ ابراہیم و اسماعیل نے ہمارے حکم کی تعمیل کی تھی ہم نے ہی انکو تعمیر و طہارت کعبہ کا حکم دیا تھا اور۔

وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِۦمَ وَإِسْمَٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِىَ

اور ابراہیم و اسمٰعیل کو ہم نے حکم دیدیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں

لِلطَّآئِفِينَ وَٱلْعَٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ ۝

اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف کردو

تفسیر ہم نے ہی ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کو حکم دیا تھا کہ بیت العتیق کو جو ہمارا جلوہ گاہ خاص ہے طواف کرنیوالوں اعتکاف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کیلئے

نجاست گندگی سے پاک صاف رکھو (تفسیر حسن البصری) یا بتوں سے پاک صاف رکھو (ابن عباسؓ) یا بتوں سے فحش کلام سے کفر انگیز اور بہتان آمیز الفاظ سے پاک رکھو اور اس میں شرک نہ ہونے دو (مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، ابو العالیہ، عبید بن عمیر، قتادہ وغیرہ) گویا مدعا یہ ہے کہ نشان قدرت تو اس میں موجود ہی ہے کہ کوئی جانور بیٹ نہیں کرتا اور بدتمیزی کے ساتھ اوپر سے نہیں گذرتا نشان شریعت بھی ہونا چاہیئے۔ لہذا نجاست باطنی یا نجاست ظاہری کوئی کعبہ کے اندر نہ ہونی چاہیئے ہر کثافت سے کعبہ کو پاک رہنا چاہیئے۔ شیخ ابن کثیر نے بروایت سعید ابن جبیر بیان کیا ہے کہ طائفین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اطراف عالم سے زیارت بیت اللہ کیلئے جاتے ہیں یعنی غیر ملکی لوگ عاکفین سے مراد ہیں اور عاکفین سے اہل مکہ مراد ہیں۔

مقصود بیان:۔ کعبہ کے اندر سوائے عبادت، ریاضت، خدا پرستی اور تذکیر و عظ کے دنیوی مشاغل ناجائز ہیں کعبہ کو ہر قسم کی نجاست سے پاک صاف رکھنا چاہیئے۔ نجاست اعتقادی یعنی شرک کفر نجاست اعمالی یعنی قتل، زنا، شراب خوری، لڑائی جھگڑا، فتنہ و فساد وغیرہ بد افعالیاں اور نجاست اقوالی یعنی تہمت، کذب، افتراء، غیبت، فضول بکواس، فحش بیانی، کفر آمیز یا گناہ آفریں کلمات، وغیرہ کی کعبہ کے اندر حرمت قطعی ہے۔ کعبہ کی طہارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صرف شریعت محمدیہ میں ہی نہیں ہے۔ آیت سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ کفار کا داخلہ کعبہ کے اندر ممنوع ہے کوئی غیر مسلم مجاز نہیں کہ تفریح کیلئے کعبہ کے اندر جائے یا تعمیر و اصلاح کیلئے داخل ہو۔ ایک لطیف ترین اشارہ اس امر کیطرف بھی ہے کہ مشرکین کعبہ کے اندر جو بت پرستی کی نجاست پھیلاتے ہیں یا یہود و نصاریٰ جو کعبہ کا حج و طواف نہیں کرتے یہ سراسر غلط ہے اور سنت ابراہیم بلکہ بنائے کعبہ کے مقتضا کے خلاف ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا

اور یاد کرو کہ جب ابراہیم نے کہا پروردگارا اس کو امن کا شہر بنادے

اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ

اور یہاں کے رہنے والوں میں اُن لوگوں کو پھل عطا فرما جو اللہ

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ

اور روز آخرت پر ایمان لائیں اللہ نے فرمایا اور جو منکر ہوگا اسکو بھی میں چند روز

قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ

بہرہ مند کرونگا اور بالآخر اسکو دوزخ کے عذاب میں گرفتار کرونگا اور وہ بڑا ٹھکانا ہے

تفسیر گذشتہ آیات میں چند رسوم کعبہ کا ذکر کیا گیا تھا۔ یہاں سے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ تمام برکت وسعادت اور رسوم طیبہ جنکا پہلے ذکر کیا گیا وہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ظہور پذیر ہوئی ہیں یاد کرو کہ جب ابراہیم بناء کعبہ سے فارغ ہوئے تو خداوند تعالی سے دعا کی کہ الٰہی تو نے کعبہ کو مرجع خلائق اور امن گاہ تو بنایا ہے لیکن یہاں ایک شہر دار الامن بھی بنادے تاکہ آنیوالوں کیلیے ہر قسم کا آرام رہے اور تیرے اس گھر کی کافی نگہداشت بھی ہوسکے وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور یہاں کے رہنے والوں میں سے جن لوگوں کا ایمان خدا تعالی کی ذات وصفات اور روز قیامت پر ہو انکو مادی اور روحانی رزق بھی عنایت فرما دیہاں کے باشندوں کو رزق وروزی بھی عطا کر اور نبوت وامامت سے بھی سرفراز فرما۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کفار کے لئے رزق وروزی کی دعا نہیں کی کیونکہ خدا تعالی نے فرما دیا تھا کہ میرا عہد نبوت کافروں کو نہیں پہنچیگا اس فرمان سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خیال ہوا کہ کافروں کے واسطے رزق کی بھی دعا کرنی خلاف ادب ہے اور رزق الٰہی کا دروازہ یہاں کے کافروں کے لئے بھی بند ہے لیکن چونکہ رزق مادی اور رزق روحانی میں فرق ہے۔ نبوت اور جسمانی پرورش کا سامان جدا جدا چیزیں ہیں نبوت کا ہر شخص سزاوار نہیں ہوسکتا اور رزق الٰہی سے ہر نیک و بد فیض یاب ہوتا ہے اسلئے خدا تعالی نے فرمایا قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ کہ رزق روحانی یعنی نبوت وامامت وولایت تو خاص خاص مومنوں کے لئے ہی مخصوص ہے لیکن حیات جسمانی کے سرمایہ میں تمام دنیا شریک ہے خواہ کافر ہو یا مومن نیک ہو یا بد روزی سب کو ملے گی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مومنین کو بہرہ اندوزی کا موقع ہمیشہ ملتا

رہیگا اور کفار کو میں صرف اس دنیوی زندگانی میں جسکی مقدار قلیل ہے، مزہ اڑانے اور فیض عام سے بہرہ اندوز ہونے کی مہلت دونگا پھر کچھ زمانہ کے بعد مجبور کرکے دوزخ میں لے جاؤنگا جو نہایت خراب جگہ ہے۔

خداتعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی یہ دعا قبول فرمائی مکہ کو دارالامن بنایا جاہلیت کے زمانہ میں بھی کفار مکہ کے اندر کشت و خون نہیں کرتے تھے بلکہ اگر کوئی پردیسی مکہ سے باہر کسی کو قتل کرکے شہر کے اندر آجاتا تھا تو کوئی اُس سے قصاص نہیں لے سکتا تھا اور رزق دینے کی یہ شان اختیار کی کہ مکہ جیسے خشک ریگستانی مقام میں طائف سے ہر قسم کا غلہ میوہ سبزیاں و زراعتی پیداوار کا ذخیرہ اہل مکہ کے لئے ہر وقت مہیا کرنے کا سامان درست فرما دیا اگرچہ مکہ میں سبزیاں میوہ جات اور دیگر قسم کے پیداوار سے کوئی جنس نہیں ہوتی ہے لیکن طائف کی سرزمین چونکہ بہت سرسبز حاصل ہے اسلئے وہاں سے ہر قسم کی چیزوں کی درآمد کا سلسلہ جاری ہے۔ اب رہا رزق روحانی یعنی نبوت امامت ولایت وغیرہ کی دعا کی قبولیت تو اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں رسول اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی طرح عالم میں کوئی نبی نہیں پیدا ہوا صدیق اکبرؓ کی طرح صداقت و امامت میں کسی نبی کے جانشین کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوا۔ فاروق اعظمؓ کی عدالت، امانت نور قلبی اور کشف روحانی کی مثال صفحات تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہیں ذوالنورین کی حیاء کس نبی کے مصاحب درحواری کو حاصل ہوئی۔ اسداللہ کی شجاعت اور علم کی امتیازی پایہ کو کونسا عالم پہنچا پھر دیگر اولیاء امت جن کی تعداد کروڑوں سے بھی متجاوز ہے سب آفتاب فاران کے پرتو نہیں تو اور کیا ہیں مزید براں امت محمدیہ کو اشرف الامم اور شہید علی الناس بنایا گیا یہ سب حضرات ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی دعا کی تاثیر اور خداداد برکت و سعادت ہے۔

مقصود بیان:۔ دنیوی زندگی چند روزہ ہے خداوندتعالیٰ کے خوان کرم سے کوئی محروم نہیں کفر و اسلام کو روزی میں دخل نہیں۔ رزق روحانی صرف مومنین کو عطا ہوتا ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ

اور یاد کرو جب ابراہیم و اسمٰعیل	کعبہ کی	بنیادیں	اٹھا رہے تھے	

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا

(اور کہہ رہے تھے) اے ہمارے پروردگار! ہماری طرف سے اسکو قبول فرما بیشک تو سننے والا باخبر ہے اے ہمارے پروردگار

وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً

ہم کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک گروہ کو اپنا فرماں دار

مُسْلِمَةً لَكَ ص وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ

بنا اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے دکھا اور ہم کو معاف فرما کیونکہ

أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

تو ہی بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے

تفسیر یہاں سے لے کر چند آیات میں خدا تعالیٰ تعمیر کعبہ، حضرت ابراہیم ع و اسماعیل ع کی دعا، حج کے احکام، خاتم النبیین کی نبوت، امت مسلمہ کا شرف اور بعض دیگر امور کو لطیف پیرایہ میں بیان فرماتا ہے کیوں کہ اس سے پہلے حضرت ابراہیم ع کی دعا اپنی اولاد کے متعلق مجمل مذکور تھی یہاں اس کی تفصیل بیان کرنی مذکور ہے اور کعبہ کا ذکر بھی کچھ مختصر سا آیا تھا اس کی بھی وضاحت مطلوب ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور حج و طواف وغیرہ کی شرعیت ثابت ہو جائے اور بنی اسرائیل کو حضور والا کی نبوت کا انکار اور کعبہ کو قبلہ بنانے پر طعن کرنے کا موقع باقی نہ رہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم ع و اسماعیل ع کعبہ کی دیواریں چنے جاتے تھے یعنی ابراہیم ع چن رہے تھے اور اسماعیل ع پتھر اور گارا اٹھا کر دے رہے تھے لیکن چونکہ نیک بندوں کا قاعدہ ہے کہ اپنے اعمال کے غیر مقبول ہونے سے

ڈرتے جاتے ہیں اسی طرح یہ دونوں بزرگ بھی کعبہ بناتے میں نہایت عجز و انکساری سے دعا
کرتے جاتے تھے کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ اے ہمارے رب! تو ہماری
اس کوشش کو قبول فرما کیونکہ تو ہماری دعاؤں کو خوب سنتا ہے اور ہمارے دلی اخلاص کو خوب
جانتا ہے۔ وہیب ابن الورد جب اس آیت کو پڑھتے تو روتے اور کہتے کہ خلیل اللہ علیہ السلام بیت اللہ
کو تعمیر کرتے ہوئے اور پھر بھی ڈرتے ہیں کہ شاید قبول نہ ہو (ابن ابی حاتم) رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ
لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ اے ہمارے رب! ہمکو ہمیشہ اپنی فرمانبرداری پر قائم
رکھیو اور ہمیشہ ہمکو اپنی اطاعت گذاری اور فرمان پذیری کی توفیق عطا فرمائیو تاکہ تیری مرضی کے خلاف
ہم سے کوئی فعل سرزد نہ ہو اور ہمارے بعد بھی ہماری اولاد میں اپنے فرمانبردار لوگ پیدا
کیجیو وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ اور جو کچھ تو نے عبادت
و حج کے قوانین مقرر کئے ہیں وہ بھی ہمکو تعلیم کر دے اور اگر ہم سے کوئی فروگذاشت ہو گئی
ہو یا ہو جائے یا ہماری نسل کے جو قصور ہوں انکو تو اپنے رحم سے معاف فرما دے کیونکہ
تو بڑا معاف کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔ یہاں اس لطیف نکتہ پر غور کرنا ضروری
ہے کہ خدا تعالیٰ نے اولاد اسمٰعیل میں سے ایک امت مومنہ کے لئے کتنا اہتمام فرمایا
پہلے اپنے دو اولوالعزم پیغمبروں سے کعبہ بنوایا پھر ان سے دعا کرائی اور چونکہ خانہ
کعبہ کو تمام مساجد و مکانات پر شرف حاصل ہے اس لئے ظاہر ہے کہ جس امت
مسلمہ کے لئے اس عظیم المنزلت مکان کی تعمیر کرائی گئی اسکا مرتبہ کیسا ہوگا اور صرف
یہی نہیں ہے بلکہ حدیث میں بھی اس قسم کا مضمون آیا ہے۔ باقی قرآن تو صاف
الفاظ میں نہایت بلند آہنگی سے کہہ رہا ہے کہ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا
شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ پھر تعجب ہے ان یہودیوں عیسائیوں اور پرستاران ہوا و ہوس پر
کہ ایسے عظیم الشان والا مرتبت نبی کی نبوت سے انکار کرتے تھے اور ایسی شریف المنزلت
امت میں داخل ہونا نہ چاہتے تھے اور ایسے عالی مرتبہ کعبہ کو قبلہ نماز اور عبادت گاہ
بنانے پر طعن و تشنیع کرتے تھے اور خدائے قدوس کے پاک مکان کو کفر و شرک بت پرستی
اور گناہوں کی نجاست سے آلودہ کرنے تھے۔

مقصود بیان:۔ کعبہ حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا ہے ۔ حضرت آدمؑ کا بنایا ہوا کعبہ گو گیا تھا اور بنیاد بھی اسکی زمین میں دفن ہو چکی تھی ۔ ہر عمل خیر کے وقت بھی انسان کو خوف کرتے رہنا چاہیئے کہ مبادا یہ عمل مردود ہو اور تمام کیا کرایا رائگاں ہو جائے بڑا اسا بڑا عابد زاہد ہو یا کوئی ولی یا عالم یا امام سب کو تواضع ، انکسار ، فروتنی اور مسکینی اپنا شعار بنا لینا چاہیئے کیونکہ کوئی شخص سوا انبیاء کے معصوم نہیں پھر حضرت ابراہیم و اسمٰعیل جیسے اولوالعزم انبیاء نے جو کہ صغائر و کبائر تمام گناہوں سے معصوم تھے اپنی انتہائی عجز و انکساری سے عفو لغزش کی دعا کی تو غیر معصوم انسان کس گنتی میں ہیں انسان کو باوجود انتہائی نیکی کے ثبات و استقامت کی دعا کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ شیطان قوی ہے ۔ ممکن ہے بہکا کر گمراہ کر دے اور توفیق خیر خدا تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے لہٰذا استقامت کی دعا اسی سے کرنی لازم ہے آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عبادت کے رسوم یا طریقے خدا ہی تعلیم کرنے والا ہے کسی انسان کی عقل اسکی کفیل نہیں ہو سکتی ان آیات میں تعلیم دعا کی طرف بھی ایک خاص اشارہ ہے انسان کو چاہیئے کہ دعا مانگنے سے پہلے اور دعا مانگنے کے درمیان میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا ، اس کے احسان کا اظہار ، ربوبیت کا اقرار اور اپنی بندگی کا اعتراف کرنا چاہیئے ۔ وغیرہ ۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ

اے ہمارے پروردگار انہیں سے ہی ایک پیغمبر پیدا کر تاکہ وہ اُن کے سامنے تیری آیات پڑھے

آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ

اور اُن کو کتاب و شریعت سکھائے اور اُن کو (شرک سے) پاک صاف کر دے

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

بلاشبہ تو غالب و دانا ہے

تفسیر

گذشتہ آیات میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ضمنی طور پر دعائے ابراہیمی میں داخل کیا تھا۔ حضرت ابراہیم نے صرف ایک امت مسلمہ کے لئے دعا کی تھی۔ اس آیت میں حضرت ابراہیم صراحتہً اپنی دعا میں حضور گرامی صلعم کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس امر کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ کعبہ کی حفاظت اور نگہداشت امت مسلمہ کریگی لیکن امت مسلمہ کو ضرورت ایک سرداری کی ہوگی جو ہر طرح سے اس امت مرحومہ کی قیادت کریگا اور تمام سعادات و برکات اسی کے چشمۂ فیض سے وابستہ ہوں گی۔ مطلب یہ ہے کہ الٰہی امت مسلمہ کے لئے ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمانا اور یہ رسول نہایت عظیم الشان عالی مرتبہ ہو اُسکے اندر وہ اوصاف واخلاق اور نور معارف موجود ہوں جس سے عام و خاص، جاہل و عالم، تاریک دماغ رکھنے والے اور نور فطری کے حامل سب یکساں فیضیاب ہوں اور ہر شخص اُس کے چشمۂ فیض سے سیراب ہو يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ یعنی عام لوگوں کو تیری آیات اور مقدس کلام پڑھ کر سنائے اور شریعت الٰہیہ کے ظاہری احکام بتائے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ یعنی جو لوگ عالم ہیں یا علماء ہیں ان کا مرتبہ امتیازی نہیں بلکہ عمومی ہے تو ایسے علماء کو وہ کتاب مقدس کی تعلیم دے، احکام اور ادلہ بتائے، فروع و اصول سے واقف کرے اور دلائل توحید و نبوت سمجھائے وَالْحِكْمَةَ یعنی جو لوگ علماء میں امتیازی شرف رکھتے ہیں، قوت اجتہاد کے مالک ہیں، علمی تبحر اور وسعت معارف کی وجہ سے صرف احکام و ادلہ کا علم اُن کے لئے سیر کن نہیں ہے بلکہ اُن کو اسرار وحقائق کی ضرورت ہے تو ایسے لوگوں کو وہ اسرار شریعت کی تعلیم دے حقائق ومعارف الٰہیہ بتائے۔ رموز کتاب سے واقف کرے وَيُزَكِّيْهِمْ یہ مرتبہ خاصان خاص کا ہے، اولیاءِ امت ہی اس مرتبہ سے سرفراز ہیں، اُن کے نفوس قدسیہ ہو بہو کمالات نبوت کا آئینہ ہیں، جن کے اندر نور نبوت چمکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ نبی روشن روح رکھنے والوں کے تزکیہ کا بھی سبب ہو، اُن کے آئینۂ دل میں اپنی روحانی تعلیم کے پانی سے تمام سیاہی اور زنگ دور کرکے اپنے فیوض قدسیہ اور نور نبوت سے اُن کو منور کر دے۔

مقصود بیان :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور تمام امت اسلامیہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا کا نتیجہ ہے۔ امت اسلامیہ میں چار طبقات ہیں۔ عام۔ خاص۔ خاص الخاص۔ اخص الخاص۔ عام کی ہدایت کے لئے صرف معجزات اور ظاہری آیات قرآنیہ اور فرامین نبویہ مخصوص ہیں۔ خاص کی ہدایت کے لئے احکام ادلہ فروع و اصول، دلائل توحید و براہین رسالت کا علم ضروری ہے خاص الخاص کے افادہ کیلئے اسرار شریعت، حقائق و معارف اور رموز کی تعلیم بھی لازمی ہے۔ اخص الخاص میں تخلیہ رذائل اور تحلیہ بالفضائل کا مادہ تو موجود ہوتا ہے ان کی روحیں سعید اور دل مادہ ہدایت سے لبریز ہوتے ہیں لیکن تخلیہ کے بعد ان کے قلوب کی صفائی اور تجلیہ و تزکیہ کی بھی احتیاج ہے اور یہ سب کام جس حسن و خوبی سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیئے وہ عدیم النظیر ہیں۔ حضور والا اشرف المخلوقات اشرف الانبیا اور خاتم النبیین ہوئے۔ سچ ہے۔ کلموا الناس علی قدر عقولہم آیت میں ایک لطیف تلمیح اس طرف بھی ہے کہ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ ہر مرتبہ کو طے کرکے اوپر والے درجے میں پہنچنے کی کوشش کرے۔ تاکہ انتہا پر پہنچکر کمالات محمدیہ کا مکمل آئینہ اور مجسمہ اخلاق بنجائے۔ اسی لئے حضور علیہ نے فرمایا ہے کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ

اور ابراہیم کے طریقہ سے کون منہ پھیر سکتا ہے سوائے اُن کے جسکی خود

نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ

عقل جاتی رہی ہو کیونکہ بلاشبہ ہم نے اُن کو دنیا میں بھی منتخب کرلیا تھا اور

فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

آخرت میں بھی وہ نیکوں (کے زمرہ) میں ہونگے

تفسیر

حضرت عبد اللہ بن سلام نے جو یہودی عالم تھے اور یہودیت چھوڑ کر حضور کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے مسلمان ہو چکے تھے اپنے دونوں بھتیجوں سلمہ اور مہاجر کو بلا کر کہا کہ تم کو ذرا توراۃ دیکھو۔ اس میں اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ انی باعث من ولد اسمٰعیل نبیًا اسمہ احمد فمن اٰمن بہ فقد اھتدیٰ و رشد و من یؤمن بہ فھو ملعون۔ یعنی میں اسمٰعیل کی اولاد میں سے ایک نبی پیدا کروں گا جس کا نام احمد ہوگا۔ جو اس پر ایمان لائیگا وہ ہدایت پائیگا اور جو کفر کریگا اس پر خدا کی پھٹکار۔ مہربان چچا کا یہ کلام سن کر سلمان تو مسلمان ہو گئے۔ لیکن مہاجر نے انکار کیا اور نہ مانا۔ اس کے بارے میں آیتِ مذکور نازل ہوئی۔

گذشتہ آیت میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا نقل کی گئی تھی اور وہ دعا قبول بھی ہوئی اور رسول اللہ صلعم دنیا میں تشریف بھی لائے تعلیم قرآن، تبلیغ سنت اور تزکیۂ نفوس بھی کیا، اعلانِ توحید اور استیصالِ شرک بھی کیا اور یہ تمام باتیں بعینہٖ ملت ابراہیمی میں موجود تھیں تو گویا حضور اقدس نے ملتِ ابراہیمی کی تجدید کی۔ لہٰذا جو شخص شریعت اسلامیہ کا منکر ہے وہ ملت ابراہیمی کا منکر ہے اور ملت ابراہیمی چونکہ دوامی ہے۔ کوئی سلیم عقل رکھنے والا اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ۔ ملتِ ابراہیم یعنی توحید الٰہی تزکیۂ نفوس، تعلیم اخلاق، تبلیغ احکام الٰہی وغیرہ سے وہی شخص انکار و اعراض کرتا ہے جو نادان ہو احمق ہو اپنے نفس کو بھی پہچانتا ہو کہ ہر نفس مخلوق ہے اور خدا اس کا خالق ہے کیونکہ جو شخص اپنی عبدیت اور خدا کی خالقیت پہچان لیگا وہ کبھی طرح کفر و شرک کر سکتا ہے۔ حاصل یہ کہ کافر و مشرک خصوصاً یہود و نصاریٰ ملت ابراہیمی سے بدرجہ اولیٰ خارج ہیں۔ کیونکہ اس سے زیادہ اور حماقت کیا ہو سکتی ہے کہ مسیح یا عزیز کو خدا کا بیٹا کہا جائے۔ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ یہ گذشتہ کی علت ہے یعنی ملتِ ابراہیمی حق ہے اور اس کا حکم امتزاری ہے اس سے کوئی عقلمند انکار نہیں کر سکتا کیونکہ ابراہیم کو خدا تعالیٰ نے دنیا میں سرفراز کیا تھا، نبوت و خلت کا مرتبہ عطا کیا تھا اور ان کی اولاد میں ہمیشہ نبوت قائم رکھنے کا وعدہ کیا تھا اور آخرت میں تو ان کو اپنی مخصوص نعمتوں کیلئے منتخب کری

لیا ہے۔ پھر ایسے اولوالعزم اور ذیشان نبی کی ملت سے کون ذی ہوش اعراض کر سکتا ہے۔

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ

جب اُن کے رب نے اُن سے کہا کہ فرمانبردار بن جاؤ تو انہوں نے کہا کہ میں رب العالمین

الْعَالَمِينَ ۝ وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ

کا فرمانبردار ہو گیا اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو بھی اسی کی وصیت کی تھی اور یعقوب نے بھی

يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ

کہ اے میرے بیٹو بیشک اللہ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند کیا ہے لہٰذا حالت اسلام

إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝

کے علاوہ اور کسی حالت پر نہ مرنا

تفسیر إِذْ قَالَ لَهُ سے لِرَبِّ الْعَالَمِينَ تک۔ یہ گذشتہ آیت کی علت ہے یعنی ہم نے ابراہیم کو ایسی عزت و کرامت کیوں عطا کی تھی اس لئے کہ جب ہم نے اس سے کہا کہ توحید خالص کو اختیار کر اور خدا تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری پر قائم رہ تو اس نے فقط یہ ہی نہیں کہا کہ اچھا بلکہ نہایت خوشی سے کہا کہ میں نے اپنا تن من دھن اپنے رب العلا کے سپرد کیا میں اسکی رضا پر راضی اور اس کے احکام کے سامنے اپنا سر تسلیم جھکاتا ہوں اور فقط اتنا ہی نہیں کہ خود توحید الٰہی اور احکام خداوندی کو تسلیم کیا۔ بلکہ وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ ؕ ابراہیم نے اور اس کی اولاد میں سے یعقوب نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کر دی کہ اسی ملت توحید پر قائم رہنا کیونکہ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ اے بچو! خدا نے تمہارے لئے اسی دین و ملت کو منتخب فرمایا ہے۔ توحید الٰہی، تہذیب اخلاق، ادائے حقوق، اور کفر و شرک سے بیزاری کو تمہارا دین قرار دیا ہے۔ لہٰذا مرتے مرتے بھی تم مسلمان رہنا اور اپنا جان و مال تمام اسی کے سپرد کر کے اسی کے احکام کے پابند رہنا۔ حضرت ابراہیم کے آٹھ بیٹے تھے اسمٰعیل۔ اسحاق۔ مدین مدان۔ زمران۔ نقشان۔ اسباق یا شبق اور شوخ یا سوخ۔ حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے۔

روبن ۔ شمعون یا سمعون ۔ لاوی ۔ یہوذا ۔ ریلون یا ربالون ۔ یشجر ۔ جاد ۔ دان نفتالی ۔ آشر ۔ یوسف ۔ بنیامین ۔ دخازان)

مقصود بیان۔ ملت ابراہیمی دوامی ہے ۔ یعنی اس کے اصول توحید باری ، تزکیہ نفس ، ادائے حقوق ، اقامت عدل وغیرہ لازوال اور غیر قابل نسخ ہیں ۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد ہمیشہ انہی کی اولاد میں نبوت رہی ۔ حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں تمام انبیاء ہوئے ۔ حضرت رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے نبی بنا کر بھیجے گئے ۔ دین ابراہیمی بدیہی اور مسلم الثبوت ہے ۔ بصیرت آگیں دماغ رکھنے والے اس کا انکار نہیں کر سکتے ۔ جو شخص اپنے نفس سے جاہل ہو اس کو وجود باری اور توحید خداوندی کا علم قطعاً نہیں ہو سکتا اور جو اپنے نفس کو جانتا ہے اپنی مخلوقیت حدوث امکان ، احتیاج اور فنا سے واقف ہے ، وہ ضرور خدا کے خالق قدیم واجب غنی اور باقی ہونے کا قائل ہوگا اور یہی ملت ابراہیمی کا بنیادی پتھر ہے ۔ خدا تعالیٰ بے محل اپنی نبوت کسی کو نہیں دیتا پیغمبروں میں برداشت رسالت کی استعداد ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کے علم ازلی میں ان کی قابلیت اور معلومیت ثابت ہوتی ہے اسلئے ان کو پیغمبر بناتا ہے ۔ ملت ابراہیمی بلکہ دین الٰہی کا اصل منشا یہی ہے کہ اپنا تن من دھن گویا اپنا کل سراپا اور محبوب ترین چیزیں خوشنودی الٰہی کے حصول کیلئے قربان کر دی جائیں یہی شریعت اسلامی کی تعلیم ہے ۔ عالم اور عارف باللہ کے کیلئے اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ خود اپنے اعتقاد و اعمال کی اصلاح کر لے اور اپنی کشتی بچا کر لے جائے ۔ بلکہ اپنے متعلقین خصوصاً اولاد کو بھی اوامر و نواہی پر پابند رہنے کی نصیحت کرے ایمان و اسلام درحقیقت وقت اخیر کا ہی قابل اعتبار ہے ۔ ورنہ تمام عمر مسلمان رہ کر مرتے وقت کافر بنانا موجب وبال ہے وغیرہ ۔

یہودیوں نے جب حضرت یعقوب کا ذکر سنا تو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ابوالقاسم آپ کو علم بھی ہے ۔ حضرت یعقوبؑ نے مرنے کے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی ۔ انہوں نے وفات کے وقت اپنی ساری اولاد کو بلا کر کہا تھا کہ تم اپنے مذہب یہودیت کو ہرگز نہ چھوڑنا ۔ ہمیشہ یہودی رہنا ۔ پھر ہم آپ کے کہنے میں آ کر ان کی

وصیت کی کس طرح مخالفت کر سکتے ہیں۔ اس وقت آیت مندرجہ ذیل اَمْ کُنْتُمْ شُهَدَآءَ سے وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ تک نازل ہوئی:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ

کیا تم لوگ اُس وقت موجود تھے کہ جب یعقوب کی موت کا وقت آیا تو اُنہوں نے اپنے

لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ

بیٹوں سے کہا تم میرے بعد کس کی پرستش کرو گے؟ بیٹوں نے جواب دیا ہم تمہارے رب تمہارے

اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ

باپ دادا ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق کے معبود خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اسی کے ہم فرمانبردار ہیں

تفسیر خدا تعالیٰ اس آیت میں یہود کے اس قول کی تردید فرماتا ہے کہ یعقوب نے وفات کے بعد اپنے بیٹوں کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی اور فرماتا ہے کہ تم کو کیا معلوم کہ یعقوب نے مرتے وقت اپنی اولاد کو یہ وصیت کی تھی۔ کیا تم ان کی وفات کے وقت وہاں موجود تھے تم لوگ نہ اس زمانے میں موجود تھے نہ اور کوئی طریقہ صحیح علم کا تمہارے پاس ہے۔ نہ توریت میں اس کا بیان ہے۔ پھر تم کو کہاں سے خبر ہوئی۔ بات یہ تھی کہ یعقوب نے آخر حال اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ میرے بعد تم کس کی پرستش کرو گے بیٹوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کے اور آپ کے اسلاف یعنی ابراہیم اسحاق اور اسمٰعیل کے معبود کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے اہل اسلام پرستش کرتے تھے۔ وہی ہمارا بھی معبود ہے۔ کیونکہ وہی قابل پرستش خدا ہے واحد و یگانہ ہے اور ہم تو اسی پر ایمان لا چکے ہیں۔ ہمارا اخلاص اسی کیلئے ہے اور رجحان قلب اسی کیلئے مخصوص ہے۔ حضرت یعقوب کو وصیت کرنے کی ضرورت اس واسطے پڑی اور یہ سوال و جواب کا سلسلہ اس لئے قائم کیا کہ اس زمانے میں حضرت یعقوب مصر میں وارد تھے وہیں آپ کی وفات ہوئی تھی۔ مصر کے بادشاہ کے علاوہ عام پبلک کافر تھے اسلئے حضرت یعقوب کو اپنی اولاد کی طرف سے بھی خطرہ ہوا کہ کہیں صحبت بد کی وجہ سے یہ بھی غیر اللہ کی پرستش نہ کرنے لگیں۔ لڑکے اس خطرے کو سمجھ گئے اور

اطمینان دلانے کے لیے نہایت صفائی سے کہدیا کہ ہم اسلام پر قائم رہیں گے۔

آیات کا حاصل مطلب یہ ہے کہ یہودیو! تم اس زمانے میں موجود نہ تھے جب اسرائیل کا انتقال ہوا نہ تمہارا یہ یہودی مذہب تھا۔ تم تو موسیٰ کے زمانے میں ہوئے اور تمہارا مذہب بھی موسیٰ کے زمانے سے شروع ہوا۔ پھر تمہارا یہ کہنا کہ یعقوبؑ نے یہودی رہنے کی اولاد کو وصیت کی تھی بالکل غلط ہے۔ یعقوبؑ نے تو صرف اخلاص توحید اور شرک و کفر سے محترز رہنے کی وصیت کی تھی اور یہی محمد صلعم تم کو تعلیم دیتے ہیں۔ پھر تم دین اسلام سے کیوں انکار کرتے ہو۔ یہ تمہارے مورث اعلیٰ یعنی اسرائیل کی وصیت کے موافق ہے۔

مقصود بیان اولاد پر شفقت اور اُن کی بہی خواہی مسلمانوں کا فرض ہے۔ خصوصاً دینی سعادت اور عاقبت کی فلاح و بہبودی کے ذرائع اختیار کرنے کی نصیحت کرنی تو لازمی ہے یہی سنت انبیاء ہے پرستش غیر اللہ حرام ہے صحبت بد سے ہر شخص کے خراب ہونیکا خطرہ ہوتا ہے۔ خواہ وہ کسی متقی عالم کا بیٹا ہو یا زاہد عابد ولی اللہ کا پیر زادہ یا کوئی نبی زادہ۔ انسان کو پہلے توحید ذات تنزیہ صفات کے مدارج طے کرنے چاہئیں اور پھر رضا و تسلیم کے مرتبہ میں پہنچکر فنا ارادہ کی صفت اختیار کرنی چاہیئے۔ جس طرح حضرت یعقوبؑ کی اولاد نے پہلے توحید کا اقرار کیا اور بعد کو نحن لہ مسلمون کہدیا۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ

وہ تو ایک جماعت تھی سو گذر گئی جو اُس نے کمایا اُسکے ہی لئے مفید تھا جو تم کماؤ وہ تمہارے ہی

وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

لئے مفید ہے تم سے اُن کے اعمال کی کچھ باز پرس نہ ہوگی

تفسیر جب حضرت ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کی مذکورہ بالا آیات میں مدح کیگئی اور خداوند تعالےٰ نے اُن کے مدارج عالیہ اور اعمال صالحہ کا بیان فرمایا تو یہودی اپنی جہالت سے دعویٰ کرنے لگے کہ یہ لوگ ہمارے باپ دادا ہیں۔ ہمارے گناہ و بداعمالیاں قابل مواخذہ نہیں ہیں کیونکہ یہ اسلاف اور ان کے نمایاں کارنامے ہماری نجات کے لئے کافی ہیں۔ اس دعویٰ کی تردید کے لئے خدا تعالیٰ نے مذکورہ آیات نازل فرمائیں۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ: یہ امت تو گذر گئی۔ جو کام انہوں نے کئے اُسکے فوائد ومنافع تو
اُنہی کیلئے مخصوص ہیں تم کو اُنکے نتائج اعمال سے کیا سروکار تمنے جو کچھ کیا اُسکا فائدہ تمہارے لئے
مخصوص ہوگا۔ اگر تمنے اپنے اعمال میں رضاءِ الٰہی کا وسیلہ پایا ہے تو اپنے اسلاف کے ساتھ ملائے
جاؤ گے ورنہ تمکو اُنسے کوئی تعلق نہیں تمکو انکی جو کیہ اعتبار وسہ کر کے کفر شرک اور فسق وفجور میں
مبتلا نہ ہونا چاہیئے اور تمسے اُنکے اعمال کی بھلی یا بری پرسش نہ ہوگی یعنی تمکو نہ انکی نیکیوں سے کوئی فائدہ پہنچیگا
نہ وہ تمہاری بدکاریوں کے ذمہ دار ہونگے بلکہ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا کفیل ہوگا۔ کافر کا کوئی ساتھی
نہ ہوگا۔ الغرض نجات کا مدار ایمان و توحید پر ہے جو لوگ اسلام و توحید سے غافل ہو کر کفر و شرک
میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ ہرگز مغفور نہیں ورنہ نیکوں سے انکی کوئی وابستگی قائم رہ سکتی ہے۔

مقصود بیان: کل آیات سے غرض یہ ہے کہ مومن احمق نہیں ہوتا اگرچہ دنیوی معاملات میں
لوگ نافہم ہوں اور کافر کفر پر رہتے ہوئے عقلمند نہیں ہوتا اگرچہ دنیوی امور میں اُسکی عقل تیز ہو جو شخص
ملت ابراہیمی کی اقتداء کرنی چاہے اُسمیں مندرجہ ذیل امور ہونے لازم ہیں۔ غیر حق سے لگاؤ بالکل
چھوڑ دے۔ جو چیز حق سے مانع ہو اُس سے کنارہ کش ہو جائے امر قضاء و قدر کے سامنے سر تسلیم خم کر دے
نفس سرکش سے بقوت تمام مجاہدہ کرے تاکہ اُسکو مغلوب کر لے اور اُسکے غرور سے محفوظ رہے خلق خدا پر
شفقت کرے اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ صداقت ہمدردی اور انصاف کا برتاؤ کرے۔ آیات قدرت میں
غور وخوض کر کے مصنوعات سے صانع کی خالقیت قدرت احاطۂ علمی اور ارادہ کاملہ پر استدلال
کرے۔ اپنے تمام مرغوبات اور خواہشات رضاءِ الٰہی کے حصول کیلئے ترک کر دے۔ مال جان عیش
آرام سب راہِ خدا میں قربان کر دے۔ کورانہ تقلید اور اندھا دھند پیروی نہ کرے اپنے اسلاف
کا نام لیکر تزکیہ کر کے اعمال صالحہ سے غافل نہ ہو جائے صحبت بد کے اثر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔ اوامر ونواہی کا پابند
ہو جائے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنائے اور بالآخر توحید حقیقی درجہ حق معرفت کے دریا بے پایاں میں غرق ہو جائے
تاکہ فنا کے مرتبہ سے نکل کر بقا کے مرتبہ میں پہنچ جائے یہی ملت ابراہیمی کے اصول ہیں۔ اور یہی شریعت اسلامیہ کا اصل مقصد ہے

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ

اور کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ یا عیسائی ہو جاؤ تو راہ راست پاؤ گے (اے محمدؐ) تم کہدو

بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

بلکہ ہم تو ابراہیم کے طریقہ پر چلینگے جو حق کی طرف مائل تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے

تفسیر معالم التنزیل میں بروایت حضرت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ نجران یمن کے نصاریٰ اور مدینہ کے یہودی مثلاً کعب بن الاشرف، مالک ابن صیف، وہب بن یہودا اور ابویاسر بن اخطب وغیرہ میں باہم مخاصمہ ہوا۔ ہر ایک اپنی حقانیت کا دعویدار رہا۔ ہر فریق نے دوسرے کی تکفیر کی یہودی کہنے لگا کہ ہم لوگ جس مذہب پر ہیں اُسکے سوا تمام مذاہب کی بنا گمراہی پر ہے یہی شخص عیسائیوں سے کہنے لگا کہ تم بھی ہمارے ہی مذہب کو مانو تو ہدایت پاؤ گے اسی طرح نجران کے عیسائی بھی کہنے لگے اُسوقت آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ تم یہودی یا عیسائی بنجاؤ یعنی یہودی کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائی بنجاؤ تو تم ہدایت پا جاؤ گے اسکی تردید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول تم کہدو کہ ہم یہودیوں کا اتباع کر سکتے ہیں نہ عیسائیوں کا ان دونوں فریقوں نے اپنی اپنی ملت کو بگاڑ رکھا ہے، اصول مسائل اور بنیادی مباحث میں انہوں نے تحریف کر ڈالی۔ عقائد خراب کر لیے۔ توحید کی بجائے تثنیہ اور تثلیث کے قائل ہو گئے۔ ہم صرف ملت ابراہیم کا اتباع کرتے ہیں ابراہیم کی ملت کے اصول و مبانی کے ہم پیرو ہیں اور عقائد میں بھی ان ہی سے متفق ہیں کیونکہ ابراہیم نے باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کر لیا تھا۔ غیر اللہ کی پرستش سے منہ موڑ لیا تھا۔ ابراہیم مشرک نہ تھے۔ لہذا عقائد اور اصولی احکام میں ہم انہی سے متفق ہیں اور تم انکی ملت حنیفہ سے خارج ہو۔ تم توحید شرک آمیز یا شرک توحید آمیز کے قائل ہو اس لیے ہم تمہارے مذہب کا اتباع نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اصل مدعا کا اظہار کرتا ہے اور مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے اصول ایمان کی تبلیغ فرماتا ہے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ

(مسلمانو!) تم کہدو ہم تو یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہم پر نازل کی گئی ہے اور ان احکام پر

إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ

جو ابراہیم اسمٰعیل اسحٰق یعقوب اور اولاد یعقوب پر اُتارے گئے

وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ

اور اس کتاب پر جو موسیٰ و عیسیٰ اور دیگر انبیاء کو اُن کے رب کی طرف سے

مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ

دی گئی ہم ان میں سے کسی ایک کی بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ ہی کے

مُسْلِمُونَ ۝ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا

فرماں بردار ہیں اب اگر وہ تمہارا سا ایمان لے آویں تو بلاشبہ راہ حق پر آگئے

وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ

اور اگر انحراف کریں تو سمجھ لو کہ یہ صرف ضد کی وجہ سے کرتے ہیں عنقریب اُن سے اللہ تمہارا

اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

انتقام لے گا کیونکہ وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

تفسیر

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ یعنی اے مسلمانو! تم کہدو کہ ہم نے خدا کو مان لیا بیشک اللہ وحدہٗ لاشریک ہے ہمارا اور تمام عالم کا رب ہے اپنی ذات و صفات میں حق ہے وہ خالق و رازق اور مخلوق کو ضرر یا نفع پہنچانے والا ہے وہی اعمال کا حساب کتاب لینے والا اور اُن پر جزا سزا دینے والا ہے نہ کوئی اُسکا بیٹا ہے نہ وہ کسی کی اولاد نہ اُسکا کوئی سہیم ہے نہ مثیل وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا اور ہم نے اُس کے پیغمبر کو بھی مان لیا اور دل سے سچ جانا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی خفی یا وحی جلی کے ذریعہ نازل کی گئی ہے یعنی قرآن و حدیث پر بھی ہمارا ایمان ہے وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ اور ہمکو اُن صحیفوں پر بھی یقین ہے جو حضرت ابراہیم پر نازل کئے گئے اور پھر اسماعیل اسحاق یعقوب اور یعقوب کی نسل پر بھی یعنی مختصر یہ کہ تمام انبیاء اور اُنکی اولاد

صحف ابراہیمی پر عمل کرنے کیلئے مکلف بنائی گئی تھی ہمارا ان سب پر ایمان ہے۔ شیخ سیوطیؒ کہتے
ہیں کہ ابراہیمؑ پر دس صحیفے نازل کئے گئے تھے۔ شیخ ابن کثیر بروایت ابی العالیہ و ربیع و قتادہ کہتے
ہیں کہ اسباط سبط کی جمع ہے۔ اسباط سے مراد حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے اور اُن کی نسل ہے کیونکہ
حضرت یعقوبؑ کے ہر بیٹے کی اولاد میں ایک کثیر گروہ ہوا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مذکورہ انبیاء پر جو کچھ خدا نے
نازل فرمایا ہمارا سب پر ایمان و یقین ہے۔ اور خصوصاً وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حضرت موسیٰؑ و
عیسیٰؑ کو جو توریت و انجیل عطا کی گئی تھی ہم اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ کتابیں
آسمانی تھیں خدا تعالیٰ نے انکو مخلوق کی ہدایت کیلئے عطا کیں تھیں اور یہ پیغمبر برحق تھے اور فقط
اتنا ہی نہیں بلکہ وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ خدا تعالیٰ کے تمام پیغمبروں کو حق جانتے
ہیں خواہ انکا ذکر آیا ہو یا نہ آیا ہو چاہے انکے نام بھی ہم کو معلوم نہ ہوں لیکن ہم مجمل طریقہ پر
سب پر ایمان رکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب خدا کے فرستادے اور معصوم تھے مبلغین رہبر
تھے لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ہم ان انبیاء میں سے کسی کی تفریق نہیں کرتے کہ ایک کو مانیں
اور دوسرے کو نہ مانیں ایک کا اقرار اور دوسرے کی تکفیر کریں ایک کو سچا اور دوسرے کو جھوٹا
جانیں ہم کسی پیغمبر یا آسمانی کتاب کی تکذیب نہیں کرتے۔ سب اپنے اپنے زمانہ میں حق پر تھے
اور اُن کی شریعت اُسی زمانہ میں واجب العمل تھی حضرت معقل بن یسارؓ کہتے ہیں کہ حضور اطہر
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم لوگ توریت انجیل اور زبور پر ایمان لاؤ لیکن قرآن مجید ہمارے
لئے عمل کے واسطے کافی ہے (رواہ ابن حاتم) وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ الوہیت خالص خدا
تعالیٰ کے واسطے ہے اسی نے تمام انبیاء کو اعلان توحید کے لئے بھیجا البتہ احکام عملی میں اپنی
حکمت و مشیت کے موافق ہر زمانہ میں اختلاف کر دیا تو اس لئے ہمارا مقصود حقیقی تو خدا تعالیٰ
کی اطاعت گزاری خالص فرمانبرداری رضا و تسلیم اور اُسی کے احکام کی تعمیل ہے ہم اُسی کے مخلص
مطیع ہیں اُس نے جس زمانہ میں جیسا چاہا حکم دیا ہم کو سب پر ایمان و یقین ہے۔ فَاِنْ
اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا پس اب اگر یہود و نصاریٰ اور دیگر مشرک
و کافر اُس چیز پر ایمان لے آئیں جس پر تمہارا ایمان ہے تمام انبیاء کو حق جانیں کسی
میں باہم تفریق نہ کریں تمام کتب الٰہیہ پر یقین رکھیں قرآن کو سچا جانیں اور محمدؐ کو برحق مانیں

کفر و شرک اور تثنیہ و تثلیث کے قائل نہ ہوں تو یہ بھی یقیناً راہ راست پر ہو جائینگے معالم اور تبیان
میں بیان کیا ہے کہ ابن عباسؓ کی یہی قرأت ہے اور ابن مسعودؓ کی قرأت میں بھی یہی معنی
آئے ہیں وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ اور اگر یہ لوگ اس بات سے اعراض اور
روگردانی کریں تمام انبیاء اور کتب الٰہیہ کو حق نہ جانیں کسی کا اقرار اور کسی کی تکفیر کریں
قرآن کو سچا اور محمدؐ کو برحق نہ جانیں تو یہ درحقیقت مخالف ہی ہیں حق کی مخالفت کرتے ہیں
اور صداقت کے دشمن ہیں۔ راہ مستقیم کو چھوڑ کر کوئی فرقہ بحر الہی میں کسی سمت اور شق
کو چل رہا ہے اور کوئی کسی سمت کو۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ؕ خدا
تعالیٰ عنقریب تم کو ان پر فتح عطا فرمائے گا کیونکہ تمہارے الفاظ اور دعاؤں کو سنتا اور
افعال و ایمان کو خوب جانتا ہے تمہاری کوشش رائگاں نہ جائے گی اور تمہاری قولی
فعلی اور قلبی سعی برباد نہ ہوگی۔ اس آیت میں مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت
کا وعدہ کیا ہے اور کامیابی کی پیشین گوئی کی ہے چنانچہ تھوڑی مدت کے بعد ہی یہ وعدہ
پورا کیا گیا ہجرت کے تیسرے سال فرقہ بنی نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا اور ملک شام کی جانب
نکال دیا گیا اور ہجرت کے پانچویں سال غزوہ احزاب سے فراغت پاکر ہتھیار بھی نہ کھولے
تھے کہ بنو قریظہ پر جہاد کا حکم ہوا اور تمام یہودی سوائے عورتوں اور بچوں کے مارے گئے اور
پھر نجران کے عیسائی بھی مطیع ہو گئے۔

مقصود بیان: یہودیت اور عیسائیت دونوں سیدھے راستے نہیں ہیں اور نہ
نجات و سعادت کے کفیل ہونے کے اہل ہیں بلکہ ملت ابراہیمی ہی ہدایت کا راستہ
اور صراط مستقیم ہے۔ مسلمان ملتِ ابراہیمی کا اتباع صرف دو امور میں کرتے ہیں (۱) اصول
احکام اور قواعد و مبادی یعنی جو اصولِ اعمال اور قواعد احکام حضرت ابراہیمؑ کے مذہب
میں تھے وہی شریعت اسلامیہ میں ہیں۔ اسکی طرف لفظ ملۃ اور حنیفا سے ایک بلیغ اشارہ
کیا گیا ہے (۲) عقائد و ایمان یعنی توحید ذات و صفات اقرار قیامت و بعثت جسمانی حساب
کتاب جنت و دوزخ عذاب ثواب تمام انبیاء کی تصدیق وغیرہ یہ عقائد بھی ملت اسلامیہ
کے ہیں۔ لہٰذا دین ابراہیمی اور مذہب اسلام باہم متحد و متفق ہیں ہاں فرعی اختلاف تو یہ

ہر زمانہ اور اہل زمانہ کے مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہوتا رہتا ہے اس سے اصول میں اختلاف لازم نہیں آتا مسلمانوں پر لازم ہے کہ جن انبیا کا تذکرہ قرآن یا حدیث میں آگیا ہے انکی تصدیق تو تفصیلاً کریں اور جنکا تذکرہ نہیں آیا ہے انکی صداقت پر اجمالی ایمان رکھیں ایک نبی کی تکفیر بھی تمام انبیاء کی تکفیر ہے۔ آیت میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی کیا گیا ہے کہ تمام انبیاء اور کتاب الہیہ پر ایمان لانے اور تصدیق کرنے سے اصلی غرض خدا تعالیٰ کی اطاعت گذاری فرمانبرداری ہے۔ انہی کے احکام کی تعمیل میں اپنا جان مال اولاد تمام اندرونی اور بیرونی قوی عقل شہوت اور غضب کو صرف کرنا مقصود ہے نشست و برخاست، خورد و نوش، خواب و بیداری زندگی اور موت انہی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہونی چاہئے ہر حالت اور ہر وقت میں وہی ایک خیال پیش نظر رہنا چاہئے وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ اسی مضمون کی طرف ایما ہے آیت کے اخیر کلمہ میں یہود و نصاریٰ کی ناکامی و وعید اور مسلمانوں کی کامیابی و نصرت کی پیشین گوئی کی گئی ہے جو حرف بحرف پوری ہوئی۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً

(تم کہدو) ہم نے تو اللہ کا رنگ لے لیا اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہے

وَنَحْنُ لَهُ عٰبِدُوْنَ ۝

اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں

تفسیر عیسائیوں کا دستور تھا کہ لڑکے کے یوم ولادت سے ساتویں روز اس کو زرد پانی سے نہلاتے تھے اور ایک رنگین حوض میں غوطہ دیتے تھے اس پانی کو معمودیہ کہتے تھے اور اب بھی بپتسمہ کرنے کی رسم جاری ہے۔ عیسائی اس فعل کو نجات و حصول سعادت کا ذریعہ جانتے تھے۔ خدا تعالیٰ آیت مذکورہ میں اسکی تردید کرتا ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ یہ تو ایک رسم کی پابندی ہے، اور معمودیہ سے زرد رنگ لگا دیا اور سرخ رنگ تو جب سب حاصل ہے۔ اصل رنگ

تو مقدس دین اور اللہ کی شریعت ہے جس کو اللہ کا رنگا ہوا رنگ کہنا چاہئے۔ اس مبارک۔ اور پاک رنگ سے بہتر اور کونسا رنگ ہو سکتا ہے۔ ظاہری رنگ سے کپڑا وغیرہ رنگ جاتا ہے اور اس خدائی رنگ سے روح و دل رنگین ہو جاتا ہے اطاعت و توحید کا اثر مسلمان کے رگ و پے اور رونگٹے رونگٹے میں سرایت کر جاتا ہے اور مسلمان کا ریشہ ریشہ اسی کی عبادت میں مصروف ہو جاتا ہے یہ رنگ حقیقی ہے جو نجات و سعادت کا کفیل ہو سکتا ہے اور اس سے بےچین روحوں کو اطمینان حاصل ہو سکتا ہے، باقی دنیا کے بیکار رنگ ان روح کو رنگین نہیں کر سکتے

مقصود بیان مسلمان کے ریشے ریشے اور رونگٹے رونگٹے میں محبت الٰہی پیوست ہونی چاہئے اور اس کے بدن و روح کا ذرہ ذرہ عبادت الٰہی میں سرگرم رہنا چاہئے سوائے خدائے قدوس کے کسی کو لائق پرستش نہ سمجھا جائے، دنیا کا ہر کام اور ہر شغل اور ہر خیال محض رضائے الٰہی کے حصول کیلئے ہونا چاہئے۔ ظاہر پرستی بے وقعت چیز ہے۔ یہ راہ نجات ہے نہ طریقہ سعادت

مسلمان اور کافر کی ظاہری شکل اگرچہ ایک سی ہے لیکن مسلمان کا باطن اس رنگ فطرت سے رنگین ہو جاتا ہے جو ہر وقت اس کو نشہ توحید سے سرشار رکھتا ہے۔ خداوند تعالیٰ ظاہری شکلوں کو نہیں دیکھتا بلکہ نیت و عمل کو دیکھتا ہے۔ وغیرہ ÷

قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا

(اے محمد) کہدو کیا اللہ کے دین میں ہم سے حجت کرتے ہو حالانکہ وہی ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا

أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ۝

بھی ہمارے کرتوت ہمارے لئے ہیں اور تمہارے کرتوت تمہارے لئے اور ہم تو اسی کیلئے خالص ہیں

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ

کیا تم اس کے قائل ہو کہ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب

وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ

اور اولاد یعقوب یہودی تھے یا عیسائی تھے

قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ

(اے محمد) کہدو کیا تم زیادہ واقف ہو یا اللہ اور اس سے بڑھ کر ناحق کوش کون ہے

كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

کہ جس کے پاس اللہ کی طرف سے گواہی ہو اور وہ اسکو چھپائے اور خدا تمہارے اعمال

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ

سے بیخبر نہیں ہے وہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی اس کے کرتوت اسکے لئے تھے

وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ع

اور تمہارے کرتوت تمہارے لئے تم سے ان کے اعمال کی بازپرس نہ ہوگی

تفسیر قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ محی السنت نے معالم میں اور سیوطی نے تکملہ میں اس آیت کی شان نزول یہ تحریر کی ہے کہ یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا کہ ہمکو کتاب الٰہی یعنی توریت تم سے پہلے ملی ہے اور ہمارا قبلہ یعنی بیت المقدس بھی تمہارے قبلے سے سابق ہے اور ہمیں لوگوں میں انبیاء ہوتے چلے آئے ہیں عرب میں کوئی پیغمبر نہیں ہوا لہذا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہوتے تو ہمیں سے ہوتے نبی اسمٰعیل میں سے نہ ہوتے۔ یہود کے اس خیال کی تردید خدا تعالی پوری آیت میں کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ اے نبی! تم ان سے دریافت کرو کہ تم جو نبوت کو اپنی میراث سمجھے ہوئے ہو اور کہتے ہو کہ نبی اسرائیلی ہی ہونا چاہئے اس کی کیا وجہ اور کیا ثبوت ہے تم فضل خدا اور رحمت الٰہی کو اپنے لئے مخصوص سمجھتے ہو۔ یہ کیوں۔ کیا تمہارا خدا سے کوئی رشتہ ہے کہ سوائے تمہاری قوم کے کہیں نبی نہ ہو یا تمہارے اعمال و افعال تم کو نبوت کا مستحق قرار دیئے ہوئے ہیں وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ خدا کا تم سے کوئی رشتہ یا تعلق خصوصی ہے۔ جسنے تمکو مخصوص طور پر حامل نبوت بنادیا ہے اور ہم اس تعلق سے محروم ہیں۔ اسلئے ہم میں کوئی نبی نہیں ہوسکتا تو تمہارا یہ گمان غلط ہے۔ خدا جس طرح تمہارا رب ہے ہمارا بھی رب ہے، اس کا کسی مخلوق سے رشتہ نہیں۔ اس کے

نزدیک بحیثیت مخلوق ہونیکے سب بندے برابر ہیں وہ سب کا خالق محسن رازق اور پروردگار ہے جس طرح چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے فضل و رحمت سے برگزیدہ فرما دیتا ہے۔ لہٰذا تمام بندے جب اسکی مخلوق ہیں تو سب اُسی کے فضل کے امیدوار ہیں۔ کسی کو کسی پر ترجیح نہیں۔ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ اور اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ تمہارے اعمال و افعال ایسے ہیں جو نبوت کے ساتھ تم کو حامل نبوت بناتے ہیں تو تمہارے لئے تمہارے اعمال مفید ہیں اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہم امیدوار ہیں کہ اگر اس کے فضل و رحمت سے ہمارے اعمال قبول ہوں تو وہ اپنی رحمت سے ہم کو سرفراز فرمائے اور چونکہ تم نے راہ مستقیم کو چھوڑ دیا تمہاری اطاعت میں اخلاص اور عقائد میں توحید نہ رہی ظاہر پرستی میں مبتلا ہو کر تم اپنے عقائد و اعمال خراب کر چکے اور ہم اُسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں جانتے نہ اعتقاد میں نہ اعمال میں پھر تم نے کیوں نبوت کو اپنی میراث سمجھ لیا اور رسالت الٰہی کو اپنے لئے مخصوص کر لیا۔ حاصل یہ ہے کہ رحمت الٰہی میں ہم تم دونوں مشترک ہیں اور اعمال میں ہم تم سے بہتر ہیں۔ ہمارے اعمال شرک سے پاک ہیں اور تم توحید و شرک کے فرق کے قائل ہو ہمارے اعمال میں خلوص و بندگی اور تمہارے اعمال میں ظاہر پرستی۔ پھر کیوں نبی اسرائیل میں نبی ہو اور نبی اسماعیل میں نہ ہو اور فقط یہی نہیں کہ تم ہماری ہدایت اور حقانیت ہی کے منکر ہو بلکہ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تم تو ظاہر حق کے بھی منکر ہو اور ایسی باتیں کرتے ہو جو عقل و نقل کے مخالف ہیں نہ روایت سے انکی صحت ثابت ہو سکتی ہے نہ درایت سے تم قائل ہو کہ ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اسحٰقؑ یعقوبؑ اور ان کی تمام نسل یا یہودی تھے یا عیسائی یعنی یہودی کہتے ہیں کہ یہ سب حضرات یہودی تھے اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہ سب عیسائی تھے اور تم سے جب اس کا ثبوت طلب کیا جاتا ہے تو کہتے ہو کہ ہم کو اسکا غیبی علم ہے اور یہ تمام گروہ اسلاف ہم کو نجات دلا دیگا تو قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ اے رسولؐ آپ ان سے کہد یجئے کہ خدا زیادہ عالم ہے یا تم۔ اور یہ تو یقینی امر ہے کہ خدا ہی عالم ہے۔ اس لئے اُس نے جو فرمایا ہے وہی حق ہے۔ کہ ابراہیمؑ اور مذکورہ تمام انبیاءؑ موحد تھے۔ یہودیت اور نصرانیت تو مدتوں بعد کو پیدا ہوئی۔ اور اخیر میں جب یہودیت و عیسائیت میں لوگ تعصب کرنے لگے فسق و فجور میں پڑ گئے۔ دین کو ایک کھیل بنا لیا۔ تمام راہ حق اور معارف توحید مٹ گئے۔ تو خدا نے

اپنے برگزیدہ نبی کو مبعوث فرمایا اور اس کی بشارتیں پہلے ہی سے توراۃ و انجیل اور دیگر صحف میں دے دیں۔ تم توریت وغیرہ میں پڑھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے یعنی وہ خاص توحید جس پر ابراہیم تھے اور تم پڑھتے تھے کہ خاتم الانبیاء کے یہ اوصاف و شرائط و حلیہ ہے۔ لیکن تم اس واضح شہادت کو چھپاتے ہو۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ اس شخص سے زیادہ ناحق کوش اور ظالم کون ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس کوئی شہادت واقعی ہو اور وہ اس کا اظہار نہ کرے اور خصوصاً ایسے عظیم الشان رسول اور ایسی والا مرتبت امت کے متعلق شہادت جو افضل الخلق ہے۔ اور جس پر کہ حصول نجات موقوف ہے۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ تم کو اس بات پر ناز نہ ہونا چاہئے کہ ابراہیم و اسماعیل وغیرہ ہمارے اسلاف تھے وہ ہم کو عذاب سے ہر حالت میں بچا لینگے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ تمہارے اعمال اور کرتوت سے غافل نہیں ہے۔ وہ خوب دیکھتا سنتا اور جانتا ہے۔ تم کو تمھارے اعمال کی ضرور سزا ملیگا اور گذشتہ انبیاء و صلحاء کے اعمال و افعال تمہارے لئے سود مند نہ ہوں گے۔ دین میں نسب کو دخل نہیں۔ اپنی اپنی کرنی اور اپنی اپنی بھرنی۔ جس شخص کو اس کے اعمال جنت میں نہ لے جائیں گے اس کو اس کا نسب آگے نہ بڑھا سکے گا۔

مقصود بیان۔ خدا کا کسی سے کوئی خاص رشتہ اور خصوصی تعلق نہیں۔ جو شخص خدا کے سامنے عجز و نیاز اور دلی اخلاص سے پیش آتا ہے وہی محبوب اور رحمت الٰہی کا مستحق ہے۔ دین حق درحقیقت اسلام ہے۔ ابراہیم۔ اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ۔ اور ان کی نسل والے یہودی اور عیسائی نہ تھے۔ بلکہ خالص موحد اور مسلم تھے۔ ان حضرات کا اسلام اور ہماری شریعت اسلامیہ دونوں متحد ہیں۔ توراۃ، انجیل، زبور و صحف ابراہیم اور دیگر پیغامہائے الٰہی میں رسول اقدس اور حضور کی امت کے متعلق پیشینگوئیاں موجود تھیں اور باوجود ترمیم و تغیر کے اب بھی موجود ہیں۔ شہادت حق کا چھپانا حرام ہے کسی کو دوسرے کے اعمال نجات نہیں دلا سکتے۔ نہ ایک کا عمل دوسرے کو سود مند ہے۔

थोड़ा २ काम करने से बहुत हो सकता है।

Wednesday 23 September 1953 मौहर्रम १४

२३ सितम्बर बुधवार जैन भादों सुदी पूर्णमाशी

भादों सुदी पूर्णमाशी सं० २०१० प्र० ८ असौज

सू० उ० ६-६ सू० अ० ६-१७ दि० ३०-५

उत्तरा भाद्रपद नक्षत्र ५३-३६ पल मीन के चन्द्रमा

अपने देश से प्रेम करो।

Friday 4 September 1953 जिलहिज २४

४ सितम्बर शुक्रवार जैन भादों बदी १२

भादों बदी ११ सं० २०१० प्र० २० भादों

सू० उ० ६-१ सू० अ० ६-३८ दि० ३१-१६

पुनर्वसु नक्षत्र २१-१३ पल कर्क के चन्द्रमा ५-४५ प